

# مطالعة قرآن

مولانا وحید الدین خاں

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
قُلْ اطِيعُوا اللّٰهَ  
وَاطِيعُوا الرَّسُوْلَ

مجلس التحقیق الاسلامی اربنہ

معدت البریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

## معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

### تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے  
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی  
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے  
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ [KitaboSunnat@gmail.com](mailto:KitaboSunnat@gmail.com)

🌐 [www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

# مطالعہ قرآن

آیات قرآنی کا تذکیری مطالعہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا وحید الدین خاں



230  
روح پروردگار

جملہ حقوق محفوظ

○ اختتام: محمد احسن تہاوی

○ مطبع: مجمع شکر پرورد

○ تاریخ اشاعت: 2004

○ قیمت: 130 روپے

www.KitaboSunnat.com

دارالتذکرہ

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، آرمو بازار

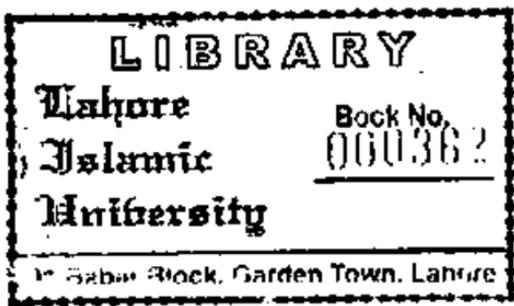
لاہور۔ 54000 فون: 7231119

E-mail : info@dar-ut-tazkeer.com

Website : dar-ut-tazkeer.com



www.KitaboSunnat.com



## مطالعہ قرآن

ایک آسانی کتاب کا کسی انسان پر اتنا ایک انتہائی غیر معمولی واقعہ ہے۔ قدیم عرب میں یہ غیر معمولی واقعہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتہ جبرئیل کے ذریعہ قرآن کو مکہ کے محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب کے اوپر اتارا۔ قرآن کا یہ نزول تقریباً تیس سال میں پورا ہوا۔ اس کا ابتدائی حصہ ۶۱۰ء میں مکہ میں اترا اور اس کا آخری حصہ ۶۳۲ء میں مدینہ میں نازل ہوا۔

دلائل قرآن [www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

یہ قرآن کس طرح پیغمبر اسلام پر اترا۔ اس کا ذکر قرآن میں ان الفاظ میں آیا ہے: **وانه لتنزىل رب العالمين نزل به الروح الامين على قلبك لتكون من المنذرين، بلسان عربي مبين،** **وانه لفي ذبور الاولين،** (الشعراء ۱۹۲-۱۹۶) یعنی اور بے شک یہ خداوند عالم کا اتارا ہوا کلام ہے۔ اس کو امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے۔ تمہارے دل پر تاکہ تم ڈرانے والوں میں سے ہو۔ صاف عربی زبان میں اور اس کا ذکر اگلے لوگوں کی کتابوں میں ہے۔

نزول وحی (روح) کی مزید تفصیلات حدیث میں آئی ہیں۔ وحی کی حقیقت کے بارے میں عرب میں سوال کیا گیا تو قرآن میں اس کا جواب اس طرح دیا گیا: **ويستلوك عن الروح، قل الروح من امر ربي و ما ووتيتم من العلم الا قليلا** (بنی اسرائیل ۸۵) یعنی اور وہ تم سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہو کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے۔ اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سوال کے سلسلے میں اصل مسئلہ اس کا براہ راست جواب دینے کا نہیں ہے بلکہ خود سائل کی اپنی محدودیت کا ہے۔ کیوں کہ سائل اپنی فطری محدودیت کی بنا پر اس مسئلہ کو صرف جزئی طور پر ہی سمجھ سکتا ہے، وہ کلی معنی میں اس کی نوعیت کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ یہ جواب عین سائنٹفک ہے۔ دنیا کی تمام چیزوں کے مطالعہ کے لئے سائنس میں عین یہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ خود سائنسی تحقیق نے بتایا ہے کہ انسان اپنی پہلی نشی محدودیت کی بنا پر کسی علم کا کلی احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے سائنس میں جزئی واقفیت ہی کی بنیاد پر تمام نظریات قائم کئے گئے ہیں۔ یہی

سائنسی طریقہ وحی کے بارے میں بھی انسان کو اختیار کرنا چاہئے۔

قرآن خدا کا کلام ہے، وہ پیغمبر اسلام کا اپنا کلام نہیں۔ اس کا ایک سادہ ثبوت قرآن وحدیث کی زبان کا فرق ہے۔ حدیث خود پیغمبر اسلام کا اپنا کلام ہے اور قرآن وہ خدائی کلام ہے جو فرشتہ کے ذریعہ پیغمبر کے اوپر اترا۔ جب دونوں کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی زبان اور قرآن کی زبان کے درمیان واضح اور نمایاں فرق ہے۔ حدیث اپنی تمام خوبیوں کے باوجود ایک ”بشر“ کی زبان معلوم ہوتی ہے۔ اس کے برعکس قرآن اپنے غیر معمولی اسلوب کی بنا پر ایک برتر شاہانہ کلام دکھائی دیتا ہے۔ حدیث کی زبان اور قرآن کی زبان کا یہ فرق اتنا زیادہ نمایاں ہے کہ کوئی بھی عربی وہاں جو دونوں کو تقابلی طور پر پڑھے، وہ اس فرق کو محسوس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دونوں کا یہ فرق اپنے آپ میں اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے نہ کہ خود رسول کا اپنا کلام۔

دوسری چیز یہ کہ قرآن کے کلام میں معنوی اعتبار سے ایسے مختلف استثنائی پہلو ہیں جو کسی بھی انسان کے کلام میں پائے نہیں جاتے۔ ان میں سے ایک پہلو یہ ہے کہ قرآن میں فلکیات، طبیعیات، حیاتیات، ارضیات، نباتات، حیوانات، اور تاریخ، وغیرہ کے بارے میں ایسے بیانات ہیں جو ڈیڑھ ہزار سال پہلے کسی بھی انسان کو معلوم نہ تھے جب کہ قرآن نازل ہوا۔ یہ حقائق پہلی بار صرف انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں انسان کے علم میں آئے۔ ان حوالوں کا استثنائی طور پر قرآن میں موجود ہونا اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ قرآن خود لوہ عالم الغیب کا کلام ہے۔ کوئی انسان اس قسم کی پیشگی اطلاع پر قادر نہیں ہو سکتا۔

اس نوعیت کی بہت سی مثالیں راقم الحروف نے اپنی کتابوں میں درج کی ہیں۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو، عظیم قرآن، مذہب اور جدید چیلنج کا متعلق حصہ۔ اپنی تفسیر تہ کبر القرآن میں بھی بعض آیات کی تشریح کے تحت راقم الحروف نے اس طرح کے کچھ حوالے شامل کئے ہیں۔

فرانس کے ڈاکٹر مورس بکائی (Maurice Bucaille) نے خاص اسی موضوع پر ایک کتاب فرانسیسی زبان میں لکھی ہے۔ اس کا ترجمہ مختلف زبانوں میں ہوا ہے۔ عربی ترجمہ کا نام یہ ہے: القرآن الکریم والتوراة والانجیل والعلم (صفحات ۲۹۰) انگریزی ترجمہ کا نام نخل ہے:

## The Bible The Qur'an and Science.

اس کتاب میں قرآن کے قدیم بیانات کا تقابل جدید سائنسی دریافتوں سے کیا گیا ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ دونوں کے درمیان استثنائی طور پر کامل مطابقت کی توجیہ اس کے سوا کچھ اور نہیں کی جاسکتی کہ قرآن کو خدا کا کلام مانا جائے۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے مصنف نے آخر میں لکھا ہے کہ —

In view of the level of knowledge in Mohammad's day, it is inconceivable that many of the statements in the Qur'an which are connected with science could have been the work of a man. It is, more over, perfectly legitimate, not only to regard the Qur'an as the expression of a Revelation but also to award it a very spacial place, on account of the guarantee of authenticity it provides and the presence in it of scientific statements which, when studied today, appear as challenge to explanation in human terms.

### جمع و تدوین

قرآن پر تنقید پر لیس سے پہلے کے زمانہ میں نازل ہوا۔ مگر اس کی حفاظت کے لئے غیر معمولی اہتمام کیا گیا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہر وقت کوئی نہ کوئی کاتب وحی رہتا تھا تاکہ جب بھی جبرئیل قرآن کا کوئی حصہ لے کر آتیں تو فوراً اس کو لکھ لیا جائے۔ یہ کتاب اس زمانے کے مستقل کاغذوں پر ہوتی تھی۔ مثلاً جملی وغیرہ۔ کتابت کا یہ اہتمام اتنا زیادہ تھا کہ ہجرت کے موقع پر پیغمبر اسلام اپنے صحابی ابو بکر صدیق کے ساتھ مکہ سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے تو اگرچہ یہ انتہائی ہنگامی سفر تھا لیکن اس کے باوجود حضرت ابو بکر صدیق جو ایک کاتب وحی بھی تھے، اپنے ساتھ کاغذ اور قلم بھی لئے ہوئے تھے تاکہ سفر کے دوران اگر قرآن کا کوئی حصہ اترے تو اس کو فوراً لکھ لیا جائے۔

قرآن کو محفوظ کرنے کا یہ اہتمام بیک وقت دو طریقوں سے جاری تھا۔ ایک، نزول کے بعد فوراً اس کو لکھ لیا۔ دوسرے، اس کو باقاعدہ یاد کر لینا۔ اس طرح ایک طرف تقریباً دو درجن کاتب



(ble checking system) کا نام دیا ہے۔ یعنی ایک طرف قاری قرآن کے حصے پڑھتا تھا اور دوسری طرف اس پڑھے ہوئے حصے کی مطابقت تحریری ذخیرہ سے کی جاتی تھی۔ اور جب تحریر اور حافظہ دونوں ایک دوسرے کے مطابق ثابت ہو جاتے تھے تو اس کو اس زمانہ کے دستیاب کاغذ پر لکھ لیا جاتا تھا۔ اس طرح دہراپینٹنگ کے اصول کو اختیار کرتے ہوئے پورے قرآن کو از اول تا آخر ترتیب کے اس زمانہ کے قابل حصول کاغذ پر لکھا گیا۔ اور پھر اس کی سلائی کر کے اس کو ایک مجدد کتاب کی صورت دی گئی۔ چونکہ پہلا مصحف چھ کور تھا اس لئے وہ تہہ بہ تہہ کہا جانے لگا۔

اس ربوہ (مصحف اول) کو خلیفہ ابو بکر صدیق نے رسول ﷺ کی زوجہ حضرت حفصہ بن عمر کے پاس رکھوا دیا۔ یہ مصحف اول اسی حالت میں حضرت حفصہ کے پاس محفوظ رہا۔ یہاں تک کہ تیسرے خلیفہ حضرت عثمان بن عفان کا زمانہ آیا۔ انھوں نے اس مصحف اول کو حضرت حفصہ کے پاس سے منگولیا اور سرکاری اجہام کے تحت اس کے متعدد نقلیں تیار کرائیں۔ اور پھر ان تیار شدہ سرکاری نسخوں کو مسلم دنیا کے بڑے بڑے شہروں میں بھیج دیا اور یہ حکم دیا کہ یہ مصاحف شہر کی جامع مسجدوں میں رکھے جائیں تاکہ لوگ اس سے استفادہ کر سکیں۔ اس کے بعد ہر شہر میں لوگ ان مصاحف کی مزید نقلیں تیار کرنے لگے۔ یہاں تک کہ قرآن کے ہزاروں صحیح نسخے ایشیا سے لے کر افریقہ تک ہر ملک میں پھیل گئے۔

قرآن کی حفاظت اور اشاعت کی یہ تاریخ آگے بڑھتی رہی۔ اس میں مختلف پہلوؤں سے نسل در نسل لوگ حصہ لیتے رہے۔ مثال کے طور پر ہوامیہ کے حاکم حجاج بن یوسف غسانی (وفات ۷۵ھ / ۶۸۳ء) کے زمانے تک قرآن میں اعراب نہیں ہوتا تھا۔ جس کی وجہ سے غیر عالم اس کو پڑھنے میں غلطی کرتا تھا۔ حجاج نے یہ کیا کہ پورے قرآن پر اعراب لگوائے۔ اس کے نتیجہ میں یہ امکان ختم ہو گیا کہ کوئی شخص قرآن کو پڑھنے میں ادائیگی کی غلطی کرے۔

اسی طرح قرآن کے قدیم نسخے ابتدائی خط میں لکھے جاتے تھے۔ اس خط کا اسلوب بالکل سادہ تھا۔ اس میں موجودہ تحریری حسن موجود نہ تھا۔ اس کی کو عباسی دور کے خطاط ابن مقبلہ (وفات ۹۳۰ء) نے پورا کیا۔ ابن مقبلہ خطاطی کا خصوصی ذوق رکھتا تھا۔ اس نے لمبی مدت کے مشق اور تجربہ

کے بعد وہ خوبصورت عربی خط ایجاد کیا جس کو خط کوفی کہا جاتا ہے۔ موجودہ عربی خط اسی کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ اس طرح ابن مقلہ کی کوششوں نے قرآن کو حسن خط کے دور میں داخل کر دیا۔

قرآن کی حفاظت کا یہ عمل مسلسل صدیوں تک جاری رہا۔ کچھ لوگ کامل اہتمام کے ساتھ قرآن کی نقلیں تیار کرتے اور اسی طرح کچھ لوگ کامل اہتمام کے ساتھ قرآن کو حفظ کرتے۔ کتابت اور حفظ کو ایک دوسرے سے چپک کرنے کا عمل بھی صدیوں تک جاری رہا۔ جب بھی کوئی شخص قرآن کا ایک نسخہ لکھ کر تیار کرتا تو کسی حافظ کو پڑھا کر وہ اس کو چپک کرتا۔ اسی طرح جب کوئی شخص قرآن کا حفظ کرتا تو اس کے حفظ کو لکھے ہوئے قرآن سے چپک کیا جاتا۔ یہ عمل مسلسل جاری رہا۔ کچھ لوگوں نے فن قرأت ایجاد کیا۔ اس کے بعد ہر نسل میں ہزاروں لوگ اس عمل میں مشغول ہو گئے کہ وہ پیغمبر اور آپ کے اصحاب کے لہجہ اور قرأت کو اس کی سابقہ حالت میں محفوظ رکھیں۔

یہ حفاظت قرأت کا یہ اہتمام اتنے بڑے پیمانہ پر ہوا کہ آج جب ایک تربیت یافتہ قاری قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو سننے والوں کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کہ وہ رسول اور اصحاب رسول کی قرأت کو سن رہے ہیں۔ اس طرح رسول اور اصحاب رسول کی قرأت تاریخ کے دوش پر سوار ہو کر نسل در نسل سفر کرتی رہی تاکہ ہر زمانہ کے لوگوں کو اس کی گونج اپنی اصل آواز میں سنائی دیتی رہے۔

قرآن کی حفاظت کا یہ عمل نسل در نسل جاری رہا، یہاں تک کہ وہ پر تنگ پریں اور رکاز ڈنگ کے دور میں پہنچ گیا۔ پر تنگ کی ایجاد نے قرآن کی کتابت کو ابھری طور پر محفوظ کر دیا۔ اسی طرح رکاز ڈنگ کی ایجاد قرآن کی اصل آواز کی حفاظت کی قیمتی ضمانت بن گئی۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ قرآن کی انسانی حفاظت کے ساتھ اب اس کی پشت پر مشینی حفاظت کا اہتمام بھی شامل ہو گیا ہے۔ اس اہتمام مزید نے اب متن قرآن میں کسی بھی قسم کے بگاڑ کو عملاً ناممکن بنا دیا ہے۔

### عربی زبان

قرآن کی حفاظت کے ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ قرآن کی زبان عربی کو ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھا جائے۔ یہ کام بھی امت کے علماء نے بہت بڑے پیمانہ پر انجام دیا۔ عربی زبان قرآن کے نزول کے وقت ہی ایک اعلیٰ زبان کی حیثیت رکھتی تھی تاہم فی اعتبارہ سے اس کی تدوین نہیں ہوئی تھی۔

اس سلسلہ میں بہت سے لوگ اٹھے جنہوں نے نحو اور صرف اور لغت کے میدان میں غیر معمولی کام کیا۔ اور عربی زبان کو ایک مدون لغت کی حیثیت دے دی۔ قرآن کی زبان عربی کی حفاظت کا یہ کام اتنے بڑے پیمانہ پر ہوا کہ عربی زبان استثنائی طور پر آج بھی اسی ابتدائی حالت میں زندہ ہے جیسا کہ وہ قرآن کے نزول کے وقت تھی۔ چودہ سو سال کی طویل مدت کے باوجود اس کے اندر کوئی لغوی تبدیلی نہ ہو سکی۔ جب کہ اس مدت میں دنیا کی تمام زبانیں بالکل بدل چکی ہیں۔

مثال کے طور پر جیٹریسے چامر (Geoffrey Chaucer) انگریزی زبان کا مشہور شاعر ہے۔ چامر ۱۳۳۲ء میں لندن میں پیدا ہوا اور ۱۴۰۰ء میں اس کی وفات ہوئی۔ اس کا زمانہ آج سے پانچ سو سال پہلے کا ہے۔ لیکن اس کی زبان موجودہ انگلش زبان سے اتنا زیادہ مختلف ہے کہ آج کا کوئی عام انگریزی داں اس کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس کو صرف ڈکشنری اور مخصوص ماہرین کی شرح کی مدد سے سمجھا جاسکتا ہے۔ مگر قرآن کی زبان عربی کا معاملہ اس سے یکسر مختلف ہے۔ آج لکھی جانے والی عربی زبان عین وہی ہے جو نزول قرآن کے زمانے میں تھی۔ قرآن اور حدیث اور صحابہ کی زبان کو سمجھنا آج کے ایک عربی داں کے لئے اتنا ہی آسان ہے جتنا آج سے چودہ سو سال پہلے کے ایک عربی داں کے لئے ممکن اور آسان تھا۔

عربی زبان کا اس طرح استثنائی طور پر اپنی اصل ابتدائی حالت پر باقی اور زندہ رہنا محض اتفاقاً نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہزاروں لوگ حفاظت زبان کے اس عمل میں لگے رہے۔ انہوں نے نحو اور صرف اور لغت اور دوسرے متعلق فنون میں غیر معمولی محنتیں کیں یہاں تک کہ ایک غیر مدون زبان کامل معنوں میں ایک مدون علمی زبان بن گئی۔ قرآنی زبان کو محفوظ کرنے کی یہ محنت اتنے بڑے پیمانہ پر کی گئی، اس کی صرف ایک مثال یہاں نقل کی جاتی ہے۔ ابو سعید الاحمسی ایک مشہور لغوی تھا۔ وہ ۱۲۲ھ میں بصرہ میں پیدا ہوا اور بصرہ ہی میں ۲۱۶ھ میں اس کی وفات ہوئی۔ الاحمسی کو اس بات کی ذمہ داری تھی کہ وہ عربی الفاظ کے وہ معانی دریافت کرے جو اصلی عرب باشندوں کے ذہن میں ہوتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے وہ ایسی مدت تک عرب کے صحراؤں میں گھومتا رہا تا کہ عرب بدوؤں سے عربی کے بارے میں لسانی معلومات حاصل کرے۔ کیوں کہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ عرب

بدوؤں میں عربی زبان اپنی اصل حالت میں محفوظ ہے۔

قرآن کی ایک آیت کے الفاظ یہ ہیں: قدمم علیہم رہیم بلنبہم فسواھا (القصص ۱۳) الا صمعی کو یہ فکر ہوئی کہ خالص عرب کس خاص مفہوم میں اور کس خاص موقع پر ”دمم“ کا لفظ بولتے ہیں۔ اس دھن میں وہ عرب کے ایک بدو قبیلہ کے پاس گیا۔ وہ ایسا کر سکتا تھا کہ کسی بدو سے پوچھتا کہ تم لوگ دمم کا لفظ کس معنی میں بولتے ہو مگر اس نے اس پر قناعت نہیں کی۔ اس نے چاہا کہ کوئی ایسا موقع آئے جب کہ ایک بدو بے ساختہ طور پر خود سے دمم کا لفظ بول پڑے۔ اس مقصد کے لئے وہ ایک خانہ بدوش بدو خاندان کے ساتھ شامل ہو گیا۔

تقریباً چھ مہینے گزر گئے لیکن بدو کی زبان سے دمم کا لفظ اسے سنائی نہیں دیا۔ آخر کار ایک دن ایسا ہوا کہ ایک مقام پر خیمہ لگا ہوا تھا۔ اور وہاں دن کے کھانے کے لئے سالن پک رہا تھا۔ بدو مرد خیمے کے اندر تھا اور اس کی عورت باہر کچھ کام کر رہی تھی۔ الا صمعی بدو کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ سالن پکتے پکتے جب وہ لمحہ آیا کہ اس کی حرارت سو ڈگری پر پہنچ گئی اور برتن کے اوپر رکھا ہوا ڈھکن بھاپ کی جوش سے اٹل پڑا تو بدو نے اپنی بیوی کو اس کی خبر دیتے ہوئے کہا: ددم مت۔ یہ سنتے ہی الا صمعی خیمے سے نکل کر یہ کہتا ہوا بھاگا کہ:

والله وجدتُ واللہ وجدتُ، ”خدا کی قسم میں پا گیا خدا کی قسم میں پا گیا۔“

اس طرح کئی سو سال تک ہزاروں اہل علم محنت کرتے رہے۔ وہ مختلف پہلوؤں سے عربی زبان کی حفاظت اور تدوین میں مصروف رہے۔ اس کا نتیجہ آج ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ جس طرح قرآن اپنی اصل حالت میں کامل طور پر محفوظ ہے اسی طرح اس کی زبان عربی بھی کامل طور پر محفوظ ہے۔ زبان و ادب کی تاریخ میں یہ ایک انتہائی نادر استثناء ہے، اس کی کوئی دوسری مثال تاریخ میں موجود نہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آج قرآن کو سمجھنا عام لوگوں کے لئے اسی طرح ناممکن ہو جاتا جس طرح دوسری مذہبی کتابوں کے ابتدائی نسخوں کو سمجھنا عام لوگوں کے لئے ناممکن ہو چکا ہے۔ دوسری تمام مذہبی کتابیں ترجموں کی مدد سے پڑھی جاتی ہیں۔ جب کہ قرآن کا مطالعہ آج بھی اس کی اصل زبان میں کیا جاتا ہے۔

## تفسیر قرآن

قرآن میں مختلف انداز سے یہ بات کہی گئی ہے کہ قرآن کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اس پر غور کریں اور اس سے ہدایت حاصل کریں: کتاب انزلہ الیک مبارک لیدبروا آیتہ ولتذکرو اولوالالباب (ص ۲۹) یعنی یہ ایک بار کت کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں اور تاکہ عقل دالے اس سے نصیحت حاصل کریں۔

قرآن کو پڑھنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک ہے سادہ طور پر اس کی قرأت کرنا۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس کی آیتوں میں غور و فکر کر کے اس کو پڑھا جائے۔ قرآن کی قرأت سے ایک شخص کو اس کے سادہ معانی معلوم ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح قرآن کو سادہ طور پر سمجھنا بھی بلاشبہ مفید ہے۔ لیکن قرآن کے گہرے معانی صرف اس وقت سمجھ میں آسکتے ہیں جب کہ اس کی آیتوں پر غور و فکر کیا جائے۔ ایک صحابی کے حلق، روایت میں آیا ہے کہ انہوں نے سورہ البقرہ کا مطالعہ غور و فکر کے ساتھ کیا تو اس میں انھیں تین سال کا وقت لگ گیا۔

قرآن کی سادہ قرأت کیا ہے، اس کو سمجھنا کوئی مشکل کام نہیں۔ ہر آدمی جو عربی زبان جانتا ہے وہ سادہ قرأت کے ذریعہ قرآن کے معانی کو سمجھ سکتا ہے اور جو شخص عربی زبان نہیں جانتا وہ اپنی معلوم زبان میں قرآن کا ترجمہ پڑھ کر اس کو سمجھ سکتا ہے۔

اس اعتبار سے قرآن ایک آسان کتاب ہے (القر ۱۷) جس آدمی کے اندر نصیحت لینے کا ذہن ہو اور وہ نفسیاتی پیچیدگی میں مبتلا نہ ہو تو قرآن کی سادہ قرأت یا اس کا ترجمہ پڑھنا بھی اس کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ وہ سادہ قرأت کے ذریعہ بھی ایسی تذکیری باتیں پالے گا جو اس کی زندگی کو سدھارنے والی ہوں اور اس کے لئے اسلامی زندگی گزارنے میں مددگار بن جائیں۔

لیکن قرآن میں تدریج کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ سادہ قرأت اور تدریج کے ساتھ قرأت کے فرق کو ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: "انزل القرآن علی سبعۃ احواف، لکل آیۃ منها ظہور و بطن، و لکل حد مطلع" (مشکوٰۃ المصابیح ۸۰) قرآن سات حرفوں پر اتارا گیا۔ اس کی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک اس کا باطن ہے۔ اور ہر حد کا ایک مطلع ہے۔

مطلع عربی زبان میں دیکھنے یا جھانکنے کی جگہ کو کہتے ہیں اگر آپ زمین پر کھڑے ہو کر اس پاس کی چیزوں کو دیکھ رہے ہوں تو آپ کی حد نظر کم ہوگی اور آپ بہت تھوڑی چیزوں کو دیکھ پائیں گے۔ لیکن اگر آپ ایک لمبی اسٹوری بلڈنگ کی بالائی چھت پر کھڑے ہوں تو بلند مطلع کی وجہ سے آپ کی حد نظر بہت بڑھ جائے گی۔ اور آپ زیادہ دور تک کی چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں گے۔

اس حدیث میں مطلع کے فرق کی مثال سے بتایا گیا ہے کہ قرآن کو اس کے ظاہری الفاظ کے اعتبار سے پڑھنے میں اور اس کے معنی پر غور کر کے پڑھنے میں کیا فرق ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ جو آدمی صرف ظاہری الفاظ کے دائرے میں قرآن کو پڑھ رہا ہو وہ گویا نیچے کے مطلع سے قرآن کے مضامین کو دیکھ رہا ہے۔ ایسا آدمی قرآن کے صرف سادہ مفہوم تک پہنچ سکے گا۔ اس کے برعکس جو آدمی معانی پر غور کرتے ہوئے قرآن کو پڑھے وہ گویا بلند مطلع سے قرآن کے مضامین کو دیکھ رہا ہے۔ یہ دوسرا آدمی قرآن کی گہرائیوں تک پہنچ جائے گا۔ قرآن کے مطالعہ کی ان دو مختلف قسموں کو علمی زبان میں اس طرح بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ ان میں سے ایک قرآن کی سطور (lines) کا مطالعہ ہے اور دوسرا قرآن کے بین السطور (between the lines) کا مطالعہ۔ مطالعہ کی ان دونوں قسموں میں جو فرق ہے اس کو اہل علم بخوبی طور پر سمجھ سکتے ہیں۔

قرآن کے سطور کو پڑھنا اور قرآن کے بین السطور کا مطالعہ کرنا، دونوں میں جو فرق ہے اس کو یہاں مثال کے ذریعہ واضح کیا جاتا ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تھے تو وہاں ایسا ہوا کہ آپ کی مجلس میں بعض لوگ زور زور سے بولنے لگے۔ یہ اسلامی آداب کے خلاف تھا۔ چنانچہ قرآن میں اس کی ممانعت کے لئے یہ آیت اتری:

اے ایمان والو، تم اپنی آوازوں کو پیغمبر کی آواز سے اوپر مت کرو اور نہ اس کو اس طرح آواز دے کر پکارو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال حیل (برباد) ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ جو لوگ اللہ کے رسول کے آگے اپنی آوازیں پست رکھتے

جس وہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے جانچ لیا ہے۔ ان کے لئے معافی ہے اور بڑا ثواب ہے۔ جو لوگ تم کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر سمجھ نہیں رکھے۔ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تم خود ان کے پاس نکل کر آ جاؤ تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (الحجرات ۲-۵)

قرآن کی ان آیتوں کو جو آدمی سادہ طور پر محض الفاظ کی سطح پر پڑھے گا وہ اس کے ظاہری مقہوم کو لے کر اس سے صرف ذاتی تقدس کا مسئلہ نکالے گا۔ وہ سمجھے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بہت زیادہ مقدس تھی اس لئے جو لوگ آپ کی مجلسوں میں بیٹھے تھے ان کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ تقدس اور احترام کے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کے پاس بیٹھیں۔ ایسا آدمی صرف قدیم مدینہ کے کچھ لوگوں کو اس کا مخاطب سمجھے گا۔ خود اپنی ذات کے لئے یا دوسروں کے لئے اس کے نزدیک اس میں کوئی ہدایت نہ ہوگی۔

اس کے برعکس جو آدمی حکم کی معنویت پر غور کرے گا اور زیادہ گہرے مفہوم تک پہنچنے کی کوشش کرے گا وہ ان آیتوں میں ایک عمومی اور ابدی مسئلہ دریافت کر لے گا۔ وہ سمجھے گا کہ زمانہ رسالت میں اگر اس کا تعلق ذات رسول سے تھا تو اب اس کا تعلق پیغام رسول سے ہو گیا ہے۔ جس طرح پیغمبر اسلام کی زندگی میں آپ کی آواز پر آواز بلند کرنا جائز نہیں تھا۔ اسی طرح آج یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی آدمی پیغمبر اسلام کی دی ہوئی تعلیمات کے خلاف غیر ضروری بحثیں نکالے اور ان کے مقابلہ میں سرکشی کا مظاہرہ کرے۔

ایسے آدمی کو آیتوں کا پورا مطالعہ قارئین کا کہ ان آیات میں جس حقیقت کی نشاندہی کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ آدمی کی ایک روش وہ ہے جو ایمان اور تقویٰ اور صبر کے مطابق ہے۔ اور دوسری روش وہ ہے جو نفاق اور بے خوفی اور بے صبری کی علامت ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ وہ ہر لمحہ اپنا حساب کرے۔ وہ اپنے اندر ایمان والی صفات پیدا کرنے کی کوشش کرے اور نفاق والی صفاتوں سے اپنے آپ کو آخری حد تک بچائے۔

اس معاملہ کی ایک اور مثال لیجئے۔ قرآن کی سورہ نمبر ۱۲ میں حضرت یوسف علیہ السلام کا

بھی بیان ہوا ہے۔ اس کا ایک جز یہ ہے کہ قحط کے زمانہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی غلہ لینے کے لئے ان کے پاس مصر میں آئے بہت دنوں کو غلہ دیا جا چکا تو اس کے بعد ایک واقعہ ہوا جو قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

پھر جب ان کا سامان تیار کر دیا تو اس نے پینے کا پیالہ (سقاہ) اپنے بھائی کے اسباب میں رکھ دیا۔ پھر ایک نیکار نے والے نے نیکار کو اے قافلہ والو، تم لوگ چور ہو، انہوں نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا، تمہاری کیا چیز کوئی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم شاہی پیالہ (صواع) نہیں پارہے ہیں۔ اور اس کو لائے گا اس کے لئے ایک ہار شتر غلہ ہے اور میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ انہوں نے کہا، خدا کی قسم تم کو معلوم ہے کہ ہم اس ملک میں نساؤ کرنے کے لئے نہیں آئے اور نہ ہم کبھی چور تھے۔ انہوں نے کہا اگر تم جھوٹے نکلے تو اس چوری کرنے والے کی سزا کیا ہے۔ انہوں نے کہا، اس کی سزا یہ ہے کہ وہ جس شخص کے اسباب میں ملے پس وہی شخص اپنی سزا ہے۔ ہم لوگ خالصوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر اس نے اس کے (چھوٹے) بھائی سے پہلے ان کے تھیلوں کی تلاشی لینا شروع کی۔ پھر اس کے بھائی کے تھیلے سے اس کو برآمد کر لیا۔ اس طرح ہم نے یوسف کے لئے تدبیر کی۔ وہ بادشاہ کے قانون کی رو سے اپنے بھائی کو نہیں لے سکتا تھا مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ ہم جس کے درجے بلند کرنا چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں اور ہر علم سے بالاتر ایک علم والا ہے (یوسف ۷۰-۷۶)

ان آیتوں کو جو آدمی سادہ طور پر صرف الفاظ کی سطح پر پڑھے وہ اس کا مطلب یہ سمجھے گا کہ حضرت یوسف کے سوتیلے بھائیوں کے ساتھ جب ان کا سگا بھائی بن یا مین آیا تو انہوں نے چاہا کہ اپنے بھائی کو اپنے پاس روک لیں۔ مگر وہ سوتیلے بھائیوں پر اپنی شخصیت ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے اس لئے حضرت یوسف نے اپنے چھوٹے بھائی کے سامان میں شاہی دربار کا ایک برتن رکھوا دیا۔ اور اس کے بعد دو ہار یوں کو اس میں شریک کر کے بن یا مین کو چوری میں پکڑا کر ان کو اپنے پاس رکھ لیا۔ اس قسم کا معاملہ بلاشبہ ایک پیغمبر کی شان کے خلاف ہے۔ لیکن جو آدمی صرف لفظی سطح پر قرآن کا مطالعہ کرے وہ ان آیتوں کا یہی مطلب لے گا۔ لیکن جو آدمی قرآن کی سطوح سے گزر کر بین السطور کی تہنیتی کی کوشش کرے گا اور گہرائی میں اتر کر اس کا مفہوم جاننا چاہے گا وہ نہ کو وہ تفسیر کے برعکس

ایک اور تفسیر تک پہنچ جائے گا جو مخیر کی شان کے عین مطابق ہے۔

ایسا آدمی جب قرآن کی ان آجوں پر غور کرے گا تو اس کا ذہن ایک مقام پر پہنچ کر رک جائے گا۔ وہ دیکھے گا کہ شاعی دربار کے کارکن جو چیز تلاش کر رہے تھے وہ صواع (یوسف ۷۲) تھا جو عربی قاعدے کے مطابق مذکر ہے اور اس کے لئے ضمیر مذکر (وہ) آنا چاہئے۔ لیکن شاعی دربار کے کارکن اونٹوں کے سامان کی تلاشی لیتے ہیں تو سامان میں جو چیز ان کو ملتی ہے اس ملی ہوئی چیز کے لئے قرآن میں سوئٹ کی ضمیر (ہا) استعمال ہوئی ہے (۷۶)

اب غور کرنے والا آدمی جب ضمیر کے اس فرق کو دیکھے گا تو وہ پائے گا کہ معاملہ کی اصل تصویر اس سے بالکل مختلف ہے جو ظاہری الفاظ میں دکھائی دیتی تھی۔ اس سراغ کی روشنی میں جب وہ مزید غور کرے گا تو اس پر منکشف ہو گا کہ معاملہ کی اصل تصویر یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے چھوٹے بھائی کو بیچان کر اپنا پانی پینے کا پیالہ (سقاہ) اس کے سامان میں رکھ دیا۔ سقاہ کا لفظ عربی قاعدے کے مطابق مؤنث ہے۔

دربار میں تاپ کے لئے ایک شاعی بیاناہ (صواع) تھا جو قائل کا چاندی کا تھا۔ عربی قاعدے کے مطابق صواع کا لفظ مذکر ہے۔ اتفاق سے یہ صواع لفظ کے ڈھیر میں دب کر کہیں چھپ گیا۔ یعنی وہی واقعہ ہوا جس کو انگریزی میں مس ٹڈیس (misplace) ہونا کہتے ہیں۔ قافلے کے جانے کے بعد جب دربار کے کارکنوں نے صواع کو نہیں دیکھا تو ان کو قائلہ والوں پر شبہ ہوا جو ابھی ابھی دربار سے نکلے تھے۔ چنانچہ انھوں نے قائلہ والوں کو روک کر ان کے سامان کی تلاشی لی۔ اس تلاشی میں صواع تو ان کے سامان سے برآمد نہیں ہوا البتہ سقاہ (پینے کا پیالہ) برآمد ہو گیا۔ یہ بات اس طرح سے معلوم ہوتی ہے کہ تلاشی کے دوران جو چیز برآمد ہوئی اس کے لئے قرآن میں سوئٹ کی ضمیر (ہا) آئی ہے۔ حالانکہ اگر صواع برآمد ہوتا تو اس کے لئے قرآن میں مذکر کی ضمیر (وہ) آنی چاہئے تھی۔

یہ سقاہ حضرت یوسف کے چھوٹے بھائی بن یامین کے سامان سے نکلا تھا کیوں کہ برادرانہ محبت کے تحت حضرت یوسف نے اس کو اپنے بھائی کے سامان میں رکھ دیا تھا۔ اب یہ ہوا کہ دربار کے کارکنوں نے جب بن یامین کے سامان سے سقاہ نکالا تو انہوں نے بھائیوں سے کہا کہ تم نے اگرچہ

صواع کی چوری تو نہیں کہ ہے، لیکن تم نے ہمارے دربار کے ایک اور سالانہ سقاہ کو چر لیا ہے اس لئے خود تمہارے قانون کے مطابق ہم تمہارے بھائی کو روک لیں گے اور اس کو تمہارے ساتھ جانے نہیں دیں گے۔ اس کے بعد وہ بن یامین کو اپنے ساتھ لانے اور ان کو حضرت یوسف کے حوالے کر دیا۔

قرآن فہمی کے لئے بہت سے علوم ضروری ہیں جن کا ذکر اہل تفسیر نے کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک قابل لحاظ بات یہ ہے کہ قرآن کے مطالعہ کے دو طریقے ہیں۔ ایک ہے فنی مطالعہ، اور دوسرا مطالعہ وہ ہے جو قرآن سے نصیحت لینے کے لئے کیا جائے۔ جہاں تک قرآن کے فنی مطالعہ کا تعلق ہے، اس کے سلسلہ میں بہت سے علوم کی ضرورت ہو سکتی ہے، حتیٰ کہ ان علوم سے بھی زیادہ جن کا ذکر اہل تفسیر نے کیا ہے۔ اگر اس حدیث کو سامنے رکھا جائے: لا نقضی عجائبہ (قرآن کے عجائب کبھی ختم نہ ہوں گے) تو یہ کہا جاتا ہے کہ ان علوم کی فہمیت ہر دور میں بڑھتی رہے گی اور وہ کبھی ختم نہ ہوگی۔

مگر جہاں تک نصیحت کے مقصد سے قرآن کے مطالعہ کا تعلق ہے اس کے لئے عربی زبان سے واقفیت کے بعد سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے وہ تقویٰ اور خشیت ہے۔ اس کی تصدیق خود قرآن سے ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اتقوا اللہ وعلمکم اللہ حقیقت یہ ہے کہ تقویٰ خود علوم ربانی کا ایک عظیم سرچشمہ ہے۔ اگر آدمی کے اندر گہرا تقویٰ موجود ہو تو قرآن کے معانی کو سمجھنے میں وہ اپنے آپ آدمی کے لئے کھل رہتا ہے۔

تقویٰ آدمی کے اندر سنجیدگی پیدا کرتا ہے۔ ایسا آدمی رائے قائم کرنے میں بے حد محتاط ہوتا ہے۔ وہ حقیقتوں کو اللہ کی نظر سے دیکھنے کا حریص بن جاتا ہے نہ کہ محض اپنی نظر سے۔ وہ رائے قائم کرنے سے پہلے مطالعہ اور فکر کی تمام ممکن شرطوں کو پورا کرتا چاہتا ہے۔ یہ چیزیں آدمی کو اس میں مدد دیتی ہیں کہ وہ صراطِ مستقیم سے ہٹنے بغیر قرآن کے معانی کا ادراک کر سکے۔

### اسباب نزول کی روایات

قرآنی آیتوں کے سلسلہ میں اسباب نزول کی جو روایات ہیں وہ قرآن فہمی کے معاملہ میں

بے حد اہمیت رکھتی ہیں۔ ان سے مختلف احکام کے نزول کا پس منظر معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ پس منظر کو جانے بغیر کسی کلام کو درست طور پر سمجھا نہیں جاسکتا۔

اس معاملہ کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے ایک مثال لیجئے۔ راقم الحروف کی تحریریں مسلسل طور پر انٹرنٹ پر آرہی ہیں۔ جون ۲۰۰۰ میں میرے کچھ مسامین انٹرنٹ پر آئے جن میں موجودہ مسلمانوں کو قرآن کی روشنی میں یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ صبر و اعراض کی روش اختیار کرتے ہوئے دعوت کا کام کریں۔ اس کے بعد مجھے ایک ”مسلم مجاہد“ کا انٹرنٹ پر شدید رد عمل ملا۔ انہوں نے غصہ کے انداز میں کہا تھا کہ دیکھو، یہ ہندوستانی مولانا ہم سے کہتا ہے کہ تم لوگ صبر کرو۔ جب کہ قرآن کہہ رہا ہے کہ تم لوگ جنگ کرو (فَاتَلُوا اٰمَّةَ الْكٰفِرِ الْخ)۔ التوبہ: ۱۳-۱۳

اس کے جواب میں میں نے مذکورہ مجاہد بھائی کو لکھا کہ میں نے جو باتیں لکھی ہیں وہ اپنی طرف سے نہیں لکھی ہیں بلکہ ان کے لئے خود قرآن کے حوالے دئے ہیں۔ پھر میں نے بتایا کہ اصل مسئلہ کیا ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے میں نے لکھا کہ آج جس طرح قرآن آپ کے ہاتھ میں ایک جلد کتاب کی صورت میں ہے، اسی طرح اگر وہ اول دن سے موجود ہوتا تو یہی صورت حال غالباً دور اول میں بھی پیش آتی۔

چنانچہ مکہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے کہ اے مسلمانو، صبر کرو تو آپ جیسے کوئی صاحب قرآن کی ایک جلد لے کر کھڑے ہوتے اور کہتے کہ دیکھو، محمد ہم کو صبر کی نصیحت کر رہے ہیں اور قرآن صاف لفظوں میں کہہ رہا ہے کہ ظالموں سے جنگ کرو، (الحج ۳۹)۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حدیبیہ میں قریش کے مشرک لیڈروں سے صلح کر رہے تھے تو وہاں بھی کوئی صاحب کمال قرآن اپنے ہاتھ میں لے کر کہتے کہ دیکھو، محمد ہم سے کہتے ہیں کہ کافروں سے صلح کر لو جب کہ قرآن برعکس طور پر یہ کہہ رہا ہے کہ ان سے جنگ کر کے ان کا نقتہ ختم کرو۔ (الانفال ۳۹)

دور اول میں اس قسم کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا پھر موجودہ زمانہ میں کیوں ایسا ہو رہا ہے۔ اس عجیب صورت حال کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں اور بعد کے زمانہ میں ایک بنیادی فرق

ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے، قرآن مجید نماز ۲۳ سال کی مدت میں اترا۔ کہ میں ابتدا اور رسالت سے لے کر مدینہ میں آپ کی وفات تک مختلف اور متنوع قسم کے حالات پیش آتے رہے۔ چنانچہ حالات کی نسبت سے اس وقت جو ہدایت مطلوب ہوتی وہ قرآن میں بروقت نازل کر دی جاتی۔ یہی وہ بات ہے جو قرآن کی اس آیت میں کہی گئی ہے: **و قرآناً فرقناه لتقرأہ علی الناس علی مکث و نزلہ تنزیلاً (بنی اسرائیل ۱۰۶)**

گویا دور اول میں یہ صورت حال تھی کہ جب اور جس وقت جو عمل مطلوب ہوتا اس سے مطابقت رکھنے والی آیت پیغمبر اسلام ﷺ کے پاس بھیج دی جاتی۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ اس وقت نزول حکم اور اس کے عملی انطباق کے درمیان کوئی فرق یا فاصلہ موجود نہ تھا۔ مگر اس کے بعد یہ ہوا کہ ۲۳ سال میں وقفہ وقفہ سے اتنی ہی آیتیں اور سورتیں ایک واحد کتاب کی شکل میں مرتب کر کے بیک وقت اہل اسلام کو دے دی گئیں۔ اب یہی کامل نسخہ بعد کے مسلمانوں کے پاس ہے۔

اب یہ سوال ہے کہ حکم اور انطباق کے درمیان فرق کے اس مسئلہ کو کس طرح حل کیا جائے۔ اسباب نزول یا شان نزول کی روایات اسی کا جواب ہیں۔ اب ہمیں یہ کرنا ہے کہ اسباب نزول کی روشنی میں آیتوں کا مطالعہ کر کے اس مخصوص حالت یا پس منظر (background) کو دریافت کریں جو آیت کے ابتدائی نزول کے وقت مکہ اور مدینہ میں موجود تھا۔ اور پھر قدیم حالت اور موجودہ حالت کے درمیان مشابہت (similarity) کو دریافت کر کے یہ سمجھے کہ کس طرح کی صورت حال میں کون سی آیت قابل انطباق (applicable) ہے اور کون سی آیت قابل انطباق نہیں۔

اسی حکمت تشریح کی روشنی میں فقہ کا یہ اصول وضع ہوا ہے کہ **تفسیر الاحکام بتفسیر الزمان و المسکانہ**، یعنی دوسرے لفظوں میں یہ کہ احکام کے انطباق کا تعین خود حالات کی نوعیت سے ہوتا ہے نہ کہ محض حکم کے الفاظ سے۔

یہ ایک بے حد اہم بات ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقہ درست نہیں کہ آدمی قرآن کی ایک آیت لے کر کہے کہ دیکھو قرآن میں یہ حکم موجود ہے اور ہمیں اس پر عمل کرنا ہے۔

اس کے بجائے یہ ہونا چاہئے کہ پہلے کسی وقت میں موجود صورت حال (given situation) کو بے لاگ طور پر سمجھا جائے اور پھر یہ معلوم کیا جائے کہ اس طرح کی صورت حال میں قرآن کا کون سا حکم قابل اطلاق (applicable) ہے۔

خلیفہ چہارم علی بن ابی طالب کے زمانہ میں کچھ لوگوں نے قرآن کی بعض آیتوں کو مطلق طور پر لے کر ان کے اطلاق کا مطالبہ کیا جب کہ وہ آیتیں صورت موجودہ کے لئے نہ تھیں۔ ایسے لوگوں کے خلاف سخت تبصرہ کرتے ہوئے خلیفہ چہارم نے کہا: کلمۃ حق ارید بہا الباطل۔ یعنی بظاہر یہ لوگ قرآن کی آیتوں کا حوالہ دے رہے ہیں مگر وہ ان آیتوں کو غلط جگہ چسپاں کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے بظاہر اگرچہ وہ کلمہ حق پیش کر رہے ہیں مگر وہ سراسر باطل پر ہیں۔

معلوم ہوا کہ کسی عمل کے قرآنی ہونے کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ اس کی حمایت میں آدمی نے ایک قرآنی آیت کو پالیا ہو۔ بلکہ لازمی طور پر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ آیت اسی خاص موقع کے لئے ہو جہاں اس کو استعمال کیا جا رہا ہے۔ بصورت دیگر ایسا فعل ایک سرکشی ہو گا کہ قرآن کا اہتمام۔

فہم قرآن کی کلید

”فہم قرآن کی کلید کیا ہے۔“ اس سوال کے مختلف جوابات دئے گئے ہیں۔ مثلاً ایک جواب یہ ہے کہ ہماری قرآن کی اس انقلابی اسکیم کو جانتا ہو جو قرآن کا اصل مقصود ہے۔ مگر یہ ایک ایسا جواب ہے جس کا ماخذ خود قرآن میں موجود نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ محض اپنے ذاتی ذہن کے تحت اس سوال کا جواب متعین نہیں کیا جا سکتا۔ ہم قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں پاتے جس میں یہ کہا گیا ہو کہ قرآن کو صرف وہ شخص سمجھے گا جو قرآن کی انقلابی اسکیم سے واقف ہو۔ ایسی حالت میں یہ جواب قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ وہ قابل ہے کہ پہلے مرحلہ ہی میں اس کو رد کر دیا جائے۔

اسی طرح کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ ”للم کلام“ وہ کلید ہے جس کے ذریعہ ہم قرآن کو سمجھ سکتے ہیں۔ مگر یہ جواب بھی درست نہیں۔ کیوں کہ وہ بھی صرف ذاتی سوچ (reasoning) پر مبنی ہے۔ قرآن میں ایسی کوئی آیت موجود نہیں جو یہ اعلان کرتی ہو کہ للم کلام کا سمجھنا قرآن فہمی کی کلید ہے۔ ایسی حالت میں اس کو بھی زیر غور نہیں لایا جا سکتا۔ یہ زیادہ سے زیادہ ایک استنباطی قرینہ ہے، وہ کوئی منصوص

قرینہ نہیں۔ اور اس اہم سوال کا جواب پانے کے لئے قرآنی نص درکار ہے نہ کہ کسی کلاسیکی استدلال۔  
 اس پہلو سے جب ہم قرآن کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں اس کا جواب نہایت  
 واضح لفظوں میں موجود ہے۔ مثلاً قرآن کے آغاز ہی میں یہ آیت ہمیں ملتی ہے کہ: **فَالِكُ الْكِتَابِ**  
**لَارِيبَ فِيهِ، هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ۔** (البقرہ ۲) اس آیت سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن سے  
 رہنمائی لینے کے لئے جو اصل چیز مطلوب ہے وہ تقویٰ ہے۔ اسی طرح قرآن میں ارشاد ہوا ہے:  
**اتَّقُوا اللّٰهَ وَيَعْلَمَ اللّٰهُ (البقرہ ۲۸۲) اس آیت سے بھی واضح طور پر یہ بات نکلتی ہے کہ علم**  
**ربانی یا فہم قرآنی کی اصل کلید یہ ہے آدمی کے اندر تقویٰ کی صفت موجود ہو۔**

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تقویٰ کس طرح فہم قرآن کی کلید ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ  
 قرآن جیسے کلام کو سمجھنے کے لئے اصل اہمیت یہ ہے کہ آدمی کے اندر سنجیدگی ہو۔ اس کے اندر کامل  
 اعتراف کا جذبہ پایا جاتا ہو۔ وہ ہر قسم کے تعصبات سے خالی ہو کر قرآن کا مطالعہ کرے۔ وہ قرآن کو  
 خود قرآن کی نظر سے دیکھے نہ کہ کسی اور نظر سے۔ وہ پورے معنوں میں حق کا متلاشی ہو۔ وہ قرآن  
 میں خود قرآن کی بات جاننے کی کوشش کرے نہ کہ خود اپنی بات کو قرآن سے نکالنے کی کوشش  
 کرنے لگے۔ وہ کھلے ذہن کے تحت قرآن کا مطالعہ کرے نہ کہ متاثر ذہن (conditioned  
 mind) کے تحت۔

حقیقی تقویٰ آدمی کے اندر یہی صفات پیدا کرتا ہے۔ تقویٰ اس گہری اور ذہنی اور قلبی  
 کیفیت کا نام ہے جو اس آدمی کے اندر پیدا ہوتی ہے جو اللہ کو اس کی عظمت و جلال کے ساتھ دریافت  
 کرے۔ ایسا شخص انسان اصلی (man cut to size) بن جاتا ہے۔ اس کے اندر آخری حد تک  
 فروتنی (modesty) کی صفت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور بلاشبہ یہی وہ نفسیات ہے جو آدمی کو اس قابل  
 بناتی ہے کہ وہ حقائق و معارف کا ادارک کر سکے۔ قرآن فہمی کی دوسری تمام شرائط کی حیثیت اضافی  
 ہے اور اس متعیانہ مزاج یا ربانی نفسیات کی حیثیت اصلی۔

قرآن معرفت حق کی کتاب ہے۔ قرآن کا حقیقی مطالعہ وہ ہے جو اس کا عارفانہ مطالعہ ہو۔ فہمی  
 مطالعہ قرآن کا حقیقی مطالعہ نہیں۔

## زیر نظر کتاب کی ترتیب

زیر نظر مجموعہ (مطالعہ قرآن) کی ترتیب یہ ہے کہ اس میں قرآن کی تمام کی تمام ۱۱۳ سورتوں سے کچھ نہ کچھ آیات لی گئی ہیں۔ آیات کے معاملہ میں انتخاب کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ مگر سورتوں کے معاملہ میں نہیں۔

مجموعی طور پر اس کتاب کے کل ۲۵۴ اجزاء ہیں۔ تقاریر کی سہولت کے لئے ہر جزء یا مضمون (item) کو اس طرح درج کیا گیا ہے کہ اس کے اوپر پہلے سورہ نمبر اور سلسلہ نمبر ہوتا ہے اور پھر اس کے نیچے زیر تشریح آیت کا عنوان۔ اسی کے ساتھ ہر حوالہ کا آیت نمبر بھی ترجمہ کے آخر میں درج کیا گیا ہے۔ اس طرح کاری کے لئے یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے جس جزء کے بارے میں مزید تحقیق چاہے، فوراً اس کو قرآن میں یا تفسیر قرآن میں نکال لے۔

وحید الدین

نئی دہلی، ۱۷ جولائی ۲۰۰۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا جملہ قرآن میں ۱۱۳ بار آیا ہے۔ وہ سورۃ التوبہ کے سوا ہر سورہ کے آغاز میں موجود ہے، اور سورہ النمل (آیت ۳۰) میں ایک بار آیا ہے۔ اس غیر معمولی تکرار سے اس کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا مطلب ہے۔ میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔

آدمی جب کسی کام کو شروع کرتا ہے تو وہ اس کو کسی نہ کسی بھروسہ پر شروع کرتا ہے۔ مثلاً ذہنی یا جسمانی طاقت، مال و دولت، اعوان و انصار، حالات و اسباب، وغیرہ۔ یہ سب کام شروع کرنے کے غیر مومنانہ طریقے ہیں۔ کسی کام کو شروع کرنے کا مومنانہ طریقہ یہ ہے کہ اس کو اللہ کے بھروسے پر شروع کیا جائے۔ آدمی جب کوئی کام شروع کرتے تو اس کا سینہ ربانی جذبات سے بھرا ہوا ہو۔

بندے کے لئے کسی کام کا سب سے بہتر آغاز یہ ہے کہ وہ اپنے کام کو اپنے رب کے نام سے شروع کرے۔ وہ ہستی جو تمام رحمتوں کا خزانہ ہے اور جس کی رحمتیں ہر وقت الٹی رہتی ہیں۔ اس کے نام سے کسی کام کا آغاز کرنا گویا اس سے یہ دعا کرتا ہے کہ تو اپنی بے پایاں رحمتوں کے ساتھ میری مدد کے لئے آجا۔ اور میرے کام کو خیر و خوبی کے ساتھ مکمل کر دے۔ یہ بندے کی طرف سے اپنی بندگی کا اعتراف ہے اور اسی کے ساتھ اس کی کامیابی کی الٹی ضمانت بھی۔

قرآن کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ مؤمن کے قلبی احساسات کے لئے صحیح ترین الفاظ مہیا کرتا ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا ایک دعائیہ کلمہ ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کل امر ذی مال لم یبدأ فیہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اقطع۔ (التفسیر المنظمی، ۲/۱) یعنی ہر قابل اہتمام امر جس کو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے شروع نہ کیا جائے وہ مفلوج ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں کوئی بھی کام صرف اس وقت اپنی تکمیل تک پہنچتا ہے جب کہ اس کو خدائی نظام کی مساعادت

حاصل ہو جائے۔ کسی کام کو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کرنا گویا یہ کہنا ہے کہ خدایا میں نے اپنی کوشش سے ایک کام کا آغاز کیا ہے اب تو اپنی مدد سے اس کو آخری تکمیل تک پہنچا دے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم کوئی پراسرار کلمہ نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان مخصوص حروف اور الفاظ میں کوئی طلسماتی تاثیر چھپی ہوئی ہے اور جب ایک شخص اس کو اپنی زبان سے صحیح تلفظ کے ساتھ لوکرے تو وہ پراسرار طور اپنا کام شروع کر دیتا ہے۔ بلکہ یہ الفاظ اس انسان کے اعلیٰ جذبات و کیفیات کی علامت ہیں جو خدا کو معرفت کے درجہ میں پائے ہوئے ہو۔ جس کا یقین ہو کہ خدا قادر مطلق ہے، اسی کی مدد سے ہو گا جو کچھ ہو گا، اس کی مدد کے بغیر اس دنیا میں کچھ بھی ہونے والا نہیں۔ یہ احساس جب لفظوں کی صورت میں ڈھل جائے تو اسی کا نام بسم اللہ الرحمن الرحیم کہنا ہے۔

اس کلمہ میں خاص طور پر اللہ کی صفت رحمت کا ذکر ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کی نسبت سے اسی صفت کی سب سے زیادہ اہمیت ہے۔ اللہ کی یہی صفت ہے جس کی بنا پر آدمی اس کے اعلیٰ عطیات اور انعامات کا مستحق بنتا ہے۔ اللہ کا ہر چیز پر قادر ہونا اس کے ذاتی کمال کا مظہر ہے، اور اس کا رحمن و رحیم ہونا اس کا متقاضی ہے کہ وہ اپنی قدرت کے خزانوں میں انسان کو حصہ دار بنائے۔

انسان مکمل طور پر ایک عاجز مخلوق ہے۔ ایک خود شناس انسان جب بھی کسی عمل کا آغاز کرتا ہے، خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، تو اس وقت فطری طور پر اس کو محسوس ہوتا ہے کہ کوئی برتر ہستی ہو جو اس کے بجز کی مدد کرے۔ جو کام وہ خود اپنی طاقت سے نہیں کر سکتا اس کو وہ اپنی برتر مدد کے ذریعہ مکمل کرے۔ یہی فطری احساس ہے جو ہر کام کے آغاز میں ایک خود شناس انسان کی زبان پر بار بار جاری ہوتا رہتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ایک جامع کلمہ ہے۔ وہ دعا بھی ہے اور ذکر بھی ہے، اور خدا کی عظمت اور اس کے مقابلے میں انسان کی عبودیت کی یاد دہانی بھی۔

## حمد خداوندی

قرآن کی پہلی سورۃ کی پہلی آیت یہ ہے: الحمد للہ رب العالمین (الفاتحہ ۱) یعنی حمد سب کی سب صرف اللہ کے لئے ہے، جو سارے جہاں کا رب ہے۔ قرآن کی یہ آیت قرآن کی نسبت سے اس کی تعلیمات کا خلاصہ ہے، اور انسان کی نسبت سے اس کی فطرت کی بے ساختہ پکار۔

حمد کا لفظ اس لطیف احساس کے لئے بولا جاتا ہے جو آدمی کے اندر سے خدا کی تعریف اور اس کے شکر کے لئے فطری طور پر اہلتا ہے۔ آدمی کا اپنا وجود اور گرد و پیش کی پوری کائنات ہر لمحہ اس کو یہ پیغام دے رہی ہے کہ تمہارا اور کائنات کا خالق ایک انتہائی عظیم ہستی ہے اور تمہارے اوپر اس ہستی کے عظیم احسانات ہیں۔ یہ گہرا شعور جب آدمی کے اندر پیدا ہو اور اس کا بے تابانہ اعتراف اس کی زبان سے اہل پڑے تو اسی کا نام حمد ہے جو بیک وقت تعریف کا پہلو بھی لئے ہوئے ہے اور شکر کا پہلو بھی۔

آدمی جب اپنے آپ پر غور کرتا ہے تو اس کو محسوس ہوتا ہے کہ اس کو ایک ایسا وجود دیا گیا ہے جو حیرت ناک حد تک کامل اور با معنی ہے۔ وہ جب اپنے پاؤں سے چلتا ہے اور اپنے ہاتھ سے چکڑتا ہے تو اس کو محسوس ہوتا ہے کہ یہ ہاتھ اور یہ پاؤں اس کے لئے اتنی بڑی نعمت ہیں کہ ان کے بغیر وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جب آنکھ سے دیکھتا ہے اور کان سے سنتا ہے تو اس کے اندر ایک ایسا پُرارتعاش جذبہ (thrill) پیدا ہوتا ہے جس کا اظہار لفظوں میں کیا جانا ممکن نہیں۔ وہ جب اپنے دماغ کو دیکھتا ہے اور اس کو استعمال کرتا ہے تو اس کا قابل بیان نعمت کے اعتراف میں اس کا سینہ جذبات سے بھر جاتا ہے۔ اسی قسم کی قلبی کیفیات کے لفظی اظہار کا نام حمد ہے۔

حمد ایک ایسا تجربہ ہے جو ہر آدمی کے ساتھ اور ہر وقت جاری رہتا ہے۔ وہ رات کو تھک کر بستر پر سو جاتا ہے اور صبح کو تازہ دم ہو کر اٹھتا ہے تو وہ خدا کی حمد میں سرشار ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ یہ دراصل خدا ہی تھا جس نے رات کے وقت اس پر نیند طاری کی اور صبح کے وقت اس کو جگا

دیا۔ اس کے بعد جب وہ زمین پر چلتا ہے تو یہ چلتا اس کو ایک معجزاتی حد تک قابل شکر واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ زمین پر انسان کا چلنا کوئی سادہ بات نہیں، بے شمار فوق الطبعی اسباب کیجا ہوتے ہیں، اس کے بعد یہ ممکن ہوتا ہے کہ انسان جیسی ایک مخلوق زمین پر چلے۔ مثال کے طور پر اگر زمین کا سائز موجودہ سائز کا دو گنا ہو تو اس کی بڑھی ہوئی کشش کی بنا پر انسان کا جسم اتنا زیادتی بوزنی ہو جائے گا کہ زمین پر چلنا اس کو ایسا محسوس ہو گا کہ جیسے وہ اپنے سر پر کئی ٹن کا بوجھ لادے ہوئے ہے۔ اسی طرح اگر زمین کا سائز موجودہ سائز کے مقابلے میں آدھا ہو جائے تو اس کی کشش گھٹ جانے کی وجہ سے انسان کا جسم اتنا زیادہ ہلکا ہو جائے گا کہ وہ زمین پر لڑکھڑانے لگے، اس کے لئے یہ ناممکن ہو جائے گا کہ وہ قدم جما کر زمین پر چل سکے۔

اسی طرح آدمی جب سورج کی روشنی کو دیکھتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھاتا ہے تو وہ سورج کی تخلیق اور اس کے نظام میں پوشیدہ ان گنت حکمتوں کو سوچ کر بیت زدہ ہو جاتا ہے۔ سورج کی شکل میں وہ ایسی خدائی نعمت کو دیکھنے لگتا ہے جس کے اظہار سے اس کی زبان عاجز ہے۔ سورج کی شکل میں خدا نے انسان کو جو نعمت دی ہے اس کے اعنت پہلو ہیں۔ مثال کے طور پر زمین کے مقابلے میں سورج کا فاصلہ بے حد موزوں ہے۔ اگر یہ فاصلہ کم ہو کر نصف ہو جائے تو زمین پر گرمی اتنی زیادہ بڑھ جائے گی کہ اس کی گرمی میں انسان اس طرح جھلس اٹھے گا جیسے جلتے ہوئے توے پر ایک کاغذ رکھ دیا جائے۔ اس کے برعکس اگر زمین سے سورج کا فاصلہ موجودہ فاصلہ کا دو گنا ہو جائے تو زمین کی سطح پر اتنی ٹھنڈک ہوگی کہ انسان اس کے اندر ٹھنڈ کر رہ جائے۔

اسی طرح آدمی جب ہوا میں سانس لیتا ہے تو وہ اس کی حکمتوں کو سوچ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ کس طرح یہ ممکن ہو کہ مختلف گیسوں کا تناسب مجموعہ ہوا کی شکل اختیار کرے۔ اس میں مخصوص تناسب کے ساتھ آکسیجن موجود ہو اور اس کے ساتھ دوسروں کے ذریعہ آکسیجن کی سپلائی مسلسل جاری ہو۔ اور پھر یہ ہوا آکسیجن کو لے کر ساری دنیا میں اس کی سپلائی کرے تاکہ کوئی انسان جہاں بھی ہو وہاں سانس لے کر زندہ رہ سکے۔ اسی کے ساتھ انسانی جسم کے اندر یہ

نظام کہ وہ باہر سے آکسیجن کو لے اور اندر سے کاربن ڈائی آکسائیڈ کو خارج کرے۔ اس قسم کی باتیں دہشت ناک حد تک عجیب ہیں۔ جب ایک آدمی ان کا واقعی احساس کرتا ہے تو اس کی زبان سے بے ساختہ طور پر حمد و شکر کا سیلاب جاری ہو جاتا ہے۔

اسی طرح انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کو پانی اور خوراک کی ضرورت ہے اور پھر وہ پاتا ہے کہ صاف و ستھر پانی، طرح طرح کی صحت بخش غذا انہیں زمین پر وہاں مقدمات میں موجود ہیں۔ انسان کو اپنا جسم ڈھانکنے کے لئے کپڑے کی ضرورت ہے اور زمین پر ایسی چیزیں کثیر مقدار میں رکھی گئی ہیں جن میں تصرف کر کے وہ انہیں کپڑے کی صورت دے سکے۔ انسان کو اپنے تمدن کی تعمیر کے لئے بہت سی مادی چیزیں درکار ہیں۔ یہاں وہ پاتا ہے کہ زمین کے اندر مختلف قسم کی معدنیات کا ذخیرہ بہت بڑی مقدار میں پیشگی طور پر رکھ دیا گیا ہے جن کو استعمال کر کے وہ اپنے لئے شاندار تمدنی زندگی کی تعمیر کرے۔

اسی طرح انسان کو زندگی کی بقا اور ترقی کے لئے بے شمار چیزوں کی ضرورت ہے۔ یہ تمام چیزیں موجودہ دنیا میں اس حالت میں ذخیرہ کر دی گئی ہیں کہ انسان انہیں با آسانی دریافت کر لے اور انہیں بڑے پیمانے پر استعمال کر سکے۔ ان میں وہ چیزیں بھی شامل ہیں جن کو انسان نے جان لیا ہے اور وہ چیزیں بھی جن کو انسان نے ابھی تک نہیں جانتا ہے۔

یہی علم اور شعور وہ چیز ہے جس کا لوراک آدمی کے اندر وہ جذبات پیدا کرتا ہے جس کو قرآن میں حمد کہا گیا ہے۔ خدا کی نعمتوں کا یہ شعور آدمی کو خدا سے قریب کرتا ہے۔ وہ خدا کو یاد کرنے والا بن جاتا ہے۔ وہ غیب میں خدا کا اس طرح ادراک کرنے لگتا ہے جیسے کہ وہ اسے دیکھ رہا ہو۔

2-803

کتاب لاریب

قرآن کی پہلی سورۃ الفاتحہ گویا کہ قرآن کا دیباچہ ہے۔ اس مختصر سورۃ کے فوراً بعد سورۃ البقرہ ہے۔ اس سورۃ کا پہلا جملہ یہ ہے: ذالک الکتاب لاریب فیہ (البقرہ ۲) یعنی یہ کتاب ایسی

ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ اس آیت میں الکتب سے مراد قرآن ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے۔  
قرآن قیامت تک کے لئے ہے۔ اس لئے اس قرآنی بیان کا تعلق ان تمام زمانوں سے ہے جو  
قیامت تک انسان کے اوپر گزریں گے۔

اس طرح یہ قرآنی بیان گویا کہ ایک ابدی چیلنج ہے۔ اس میں قرآن کی بابت اس یقینی  
مستقبل کا اعلان کیا گیا ہے کہ کبھی بھی کوئی فرد یا گروہ اس میں شک نہ ڈال سکے گا، یہ کتاب انسانی  
تاریخ کے آخری مرحلے تک ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک رہے گی۔

یہ استثنائی حد تک ایک ایسا انوکھا کلام ہے جس کی نظیر کسی بھی دوسری مذہبی کتاب میں  
موجود نہیں ہے۔ مثال کے طور پر بائبل میں جن باتوں کو رسولوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے ان  
کے بارے میں اہل علم نے اس شک کا اظہار کیا ہے کہ تاریخی طور پر ان باتوں کا انتساب مذکورہ  
رسولوں سے ثابت شدہ نہیں۔ اسی طرح ہندو ازم کی مذہبی کتاب بھاگوت گیتا کے بارے میں اہل  
علم نے یہ شبہ ظاہر کیا ہے کہ وہ فی الواقع میدان جنگ کا کلام ہے جو کرشن نے ارجن سے خطاب  
کرتے ہوئے کہا تھا۔ یا وہ بہت بعد کو زمانوں میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح گوتم بدھ سے جس  
کلام کو منسوب کیا جاتا ہے اس کے بارے میں اہل علم کو یہ شک ہے کہ وہ موجودہ ریکارڈ کے  
مطابق پالی یا سنسکرت میں تھایا کسی اور زبان میں، وغیرہ۔

مگر جہاں تک قرآن کا معاملہ ہے، وہ اس قسم کے شک سے مکمل طور پر پاک ہے۔ اس  
کے نزول کو چودہ سو سال ہو چکے ہیں اس کے باوجود آج تک کوئی صاحب علم اس میں اس شک کی  
گنجائش نہ پاسکا کہ یہ وہی عربی کلام ہے جس کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں خدائی  
کلام کے طور پر پیش کیا تھا۔ آج بھی پورا قرآن اپنی اصل ابتدائی حیثیت میں ہے اور عین اسی زبان  
میں موجود ہے جیسا کہ دو چودہ سو سال پہلے تھا۔

اسی طرح شک کے دوسرے جتنے پہلو ہیں، ان سب کے اعتبار سے قرآن اپنی غیر مشتبہ  
حیثیت کو مسلسل باقی رکھے ہوئے ہے۔ قرآن میں بہت سے ایسے حوالے ہیں جو انسانی علوم سے

تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً حیاتیات، نباتات، ارضیات، فلکیات، معدنیات، معاشیات، اور تاریخ، وغیرہ۔ یہ علوم نزولِ قرآن کے وقت اپنی ابتدائی حالت میں تھے۔ بعد کو ان میں اضافہ ہوتا رہا یہاں تک کہ موجودہ زمانے میں یہ تمام علوم اتنا زیادہ ترقی کر گئے جو نزولِ قرآن کے زمانے میں ناقابلِ قیاس تھا۔

مگر یہ حیرت انگیز بات ہے کہ بعد کے زمانے کی علمی ترقیاں قرآن کے کسی بھی بیان کو مشکوک ثابت نہ کر سکیں۔ قرآن کا ہر بیان اپنی صداقت کو بدستور برقرار رکھے ہوئے ہے۔

مثال کے طور پر قرآن کی ایک آیت ہے: کیا انکار کرنے والوں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین دونوں طے ہوئے تھے پھر ہم نے ان کو کھول دیا۔ (الانبیاء - ۳۰) قرآن کی اس آیت میں جس کا بنیاتی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ نزولِ قرآن کے وقت سراسر غیر معلوم تھی، حتیٰ کہ بعد کی صدیوں میں جب کہ قرآن کی تفسیریں لکھی گئیں تو ان تفسیروں میں بھی اس کی کوئی واضح تشریح نہ کی جا سکی۔ موجودہ زمانے میں علمی ترقی کے بعد اگر بالفرض یہ معلوم ہوتا کہ زمین و آسمان (یا ستارے اور سیارے) اب جس طرح لامحدود خلا میں پھیلے ہوئے ہیں اسی طرح وہ اپنی ابتدا سے ہیں تو کسی کو قرآن کے مذکورہ بیان پر شک کے اظہار کا موقع مل سکتا تھا۔ لیکن بعد کی علمی ترقیوں نے حیرت انگیز طور پر یہ ثابت کیا کہ زمین و آسمان ابتداء میں ایک سپر ایٹم کی صورت میں جڑے ہوئے تھے اس کے بعد اس کے اندر ایک دھماکہ ہوا جس کے نتیجے میں موجودہ پھیلتی ہوئی کائنات وجود میں آئی۔

یہی معاملہ علمِ انسانی کے تمام دوسرے شعبوں کا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن کے ایک تاریخی بیان کو لیجئے۔ قرآن میں حضرت موسیٰ کے ہم عصر فرعون کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ جب وہ غرق ہونے لگا تو خدا نے اس سے کہا: **اليوم نجعلك ببدنك لتكون لمن خلقت آية** (یونس ۹۲) یعنی آج ہم تیرے بدن کو پھائیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لئے نشان بنے۔

اس میں بتایا گیا ہے کہ غرق شدہ فرعون کا جسم بدستور محفوظ ہے تاکہ وہ بعد والوں کے

لئے نشانی ہے۔ مگر نزول قرآن کے وقت یہ واقعہ سراسر غیر معلوم تھا۔ حتیٰ کہ بعد کی صدیوں میں جب کہ قرآن کی تفسیریں کی گئیں، ان میں بھی مفسرین اس کی کوئی واضح تفسیر نہ کر سکے۔ اب اگر ماضی کی طرح بعد کے زمانہ میں بھی فرعون موسیٰ کا جسم غیر معلوم رہتا تو کسی کو یہ موقع مل سکتا تھا کہ وہ قرآن کے اس بیان پر شک ظاہر کرے۔ لیکن یہ حیرت انگیز بات ہے کہ موجودہ زمانہ میں علم کی ترقی نے اس شک سے پردہ اٹھایا اور اس نے قرآن کے اس بیان کی صداقت ثابت کر دی۔

انیسویں صدی کے آخر میں ایک یورپین اسکالر نے مصر کی ایک قدیم عمارت سے موسیائی کی ہوئی ایک لاش نکالی۔ یہ لاش اب قاہرہ کے میوزیم میں شیشہ کے کیس میں رکھی ہوئی ہے۔ بیسویں صدی کے نصف اول میں اس لاش پر مختلف قسم کی تحقیق کی گئی۔ اسی کے ساتھ جدید سائنسی طریقہ کے مطابق اس کی عمر معلوم کی گئی۔ یہاں تک کہ یہ ثابت ہو گیا کہ یہ لاش اسی فرعون کی ہے جو موسیٰ کے زمانہ میں اپنے لشکر کے ساتھ غرق ہوا تھا۔

اسی طرح جس پہلو سے بھی قرآن کا جائزہ لیا جائے وہ ایک ایسی کتاب ثابت ہوتا ہے جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن کی پوری تاریخ غیر مشتبہ طور پر معلوم ہے۔ قرآن کا ہر اعلان اپنی کامل صداقت کو مسلسل برقرار رکھے ہوئے۔ تقریباً ڈیڑھ ہزار سال کی مدت گزرنے کے باوجود اب تک کسی کو یہ موقع نہیں ملا کہ وہ قرآن پر کسی اعتبار سے کوئی شک ظاہر کر سکے۔

## 2-984

### انسان کی تخلیق

قرآن میں انسان کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے کہ — اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے کہا: کیا تو زمین میں ایسے لوگوں کو بنائے گا جو اس میں فساد کریں اور خون بہائیں۔ اور ہم تیری تمہ کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔ اللہ نے کہا میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، اور اللہ نے سکھا دئے آدم کو سارے نام، پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان

لوگوں کے نام بتاؤ۔ فرشتوں نے کہا کہ تو پاک ہے۔ ہم تو دعی جانتے ہیں جو تو نے ہمیں بتایا۔ بے شک تو ہی علم والا اور حکمت والا ہے۔ اللہ نے کہا اے آدم ان کو بتاؤ ان لوگوں کے نام۔ تو جب آدم نے بتائے ان کو ان لوگوں کے نام تو اللہ نے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمانوں اور زمین کے بھید کو میں ہی جانتا ہوں۔ اور مجھ کو معلوم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔ (البقرہ ۳۰-۳۳)

اللہ نے انسان کو ایک آزاد مخلوق کی حیثیت سے پیدا کیا ہے۔ اس بنا پر فرشتوں کو یہ اندیشہ تھا کہ انسان اپنی آزادی کا غلط استعمال کرے گا اور زمین کو فساد اور خونریزی سے بھر دے گا۔ تاریخ کا تجربہ ثابت کرتا ہے کہ انسان کے بارے میں فرشتوں کا یہ اندیشہ بالکل درست تھا۔ ایسی حالت میں یہ سوال ہے کہ اللہ نے انسان کو کیوں پیدا کیا۔ اللہ کو اپنے بندوں سے جو چیز مطلوب ہے وہ فرشتوں کے الفاظ میں، اس کی تحمید و تقدیس ہے، اور ان گنت فرشتے ہر لمحہ یہ مطلوب کامہاری کائنات میں انجام دے رہے ہیں۔ ایسی حالت میں انسان جیسی سرکش مخلوق کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اصل یہ ہے کہ فرشتے جو تحمید و تقدیس کر رہے ہیں وہ مجبورانہ تحمید و تقدیس ہے، کیوں کہ وہ اس کے سوا کچھ اور کر ہی نہیں سکتے۔ اب اللہ نے یہ چاہا کہ وہ ایسی مخلوق پیدا کرے جو خود اپنے آزادانہ فیصلے کے تحت اپنے آپ کو اللہ کی اطاعت میں دے اور ذاتی اختیار کے تحت اللہ کی حمد و تقدیس کرے۔ فرشتوں کے شبہ کو اللہ نے اس طرح رفع کیا کہ پوری نسل انسانی کو اپنی قدرت سے بیک وقت پیدا کیا (الاعراف ۱۷۲) اور اپنی خصوصی قدرت سے آدم کو ان سب سے متعارف کر لیا اور پھر آدم سے کہا کہ ان کا تعارف کر کے فرشتوں کو بتاؤ کہ ان میں کیسے کیسے لوگ پیدا ہوں گے۔ اس تعارف کے بعد فرشتوں نے مانا کہ انسانوں میں اگر ابو جہل اور ابو لہب جیسے لوگ ہوں گے تو اسی کے ساتھ ان میں ابو بکر اور عمر جیسے لوگ بھی پیدا ہوں گے۔ اس تعارف کے بعد فرشتے مطمئن ہو گئے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ نہ صرف فرشتے بلکہ پوری وسیع کائنات اور اس میں پھیلی ہوئی بے

شمار مخلوقات سب کی سب ہر آن خدا کی حمد و تقدیس میں مشغول ہیں، جیسا کہ دوسری آیتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ بے شمار چیزیں جو کچھ کر رہی ہیں وہ اپنے آزاد فیصلے کے تحت نہیں کر رہی ہیں۔ وہ اس لئے ایسا کر رہی ہیں کہ تقدیر الہی کے تحت ان کے لئے کچھ اور کرنا ممکن ہی نہیں۔ یہ صرف انسان ہے جس کو انتہائی استثنائی طور پر موت تک کے لئے اختیار کی آزادی دی گئی ہے۔ دوسری چیزوں کی حمد و تقدیس گویا ایک شیبہ ریکارڈ کی آواز کے مانند ہے اور انسان کی حمد و تقدیس ایک زندہ اور آزاد ہستی کی زبان سے نکلنے والی با اختیار آواز کی مانند۔ اور دونوں میں اتنا زیادہ فرق ہے کہ مجبورانہ حمد و تقدیس اگر پوری کائنات کے برابر ہو تب بھی ایک انسان کی آزاد حمد و تقدیس اس کے اوپر بھاری ہو جائے گی۔

اصل یہ ہے کہ اللہ نے ایک انتہائی نفیس قسم کی معیاری دنیا بنائی جس کا نام جنت ہے۔ ابدی لذت و راحت والی اس دنیا کے لئے اللہ کو کچھ باشندے درکار ہیں جن کو وہاں بسایا جائے۔ انہی خوش نصیب روجوں کے انتخاب کے لئے موجودہ دنیا بنائی گئی۔ ایک محدود مدت تک انسانوں کو ان کا امتحان لینے کے لئے یہاں بھیجا جاتا رہے گا اور جب خدا کا اندازہ مکمل ہو جائے گا اور مطلوب انسانوں کا انتخاب کیا جا چکا ہو گا تو اس کے بعد یہ دنیا ختم کر دی جائے گی۔ اب منتخب افراد کو جنت کی کالونیوں میں ہمیشہ کے لئے بسایا جائے گا۔ اور بقیہ لوگوں کو الگ کر کے انہیں جہنم کے کوڑا خانے میں ڈال دیا جائے گا تاکہ وہ ابدی حسرت کی سزا سنبھالتے رہیں۔

یہ مطلوب انسان وہ ہیں جنہوں نے گمراہیوں کے جنگل میں خدا کو دریافت کیا۔ جنہوں نے ہدی کے اندھیروں میں نیکی کا راستہ تلاش کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ جنہوں نے سرکشی کے ماحول میں خود اپنے آزاد فیصلے کے تحت اپنے آپ کو خدا کی پابندی میں دے دیا۔ جنہوں نے انانیت کے طوفان میں تواضع کی روش اختیار کی۔ جن کے اقدار نے ان کو نہیں بگاڑا۔ جن کو مال ملا مگر وہ فخر کی نفسیات میں مبتلا نہیں ہوئے۔ جن کو موقع تھا کہ وہ اپنی ذات کے لئے جنمیں، اس کے باوجود وہ ایک خدا کے لئے جنے۔ جو ڈرے تو صرف خدا سے ڈرنے اور جنہوں نے محبت کی تو

صرف خدا سے محبت کی۔ جن کی خود پسندی ان کے لئے حق کے اعتراف میں رکاوٹ نہیں بنی۔ جو چلنے کی طاقت رکھتے ہوئے خدا کے خوف سے نہیں چلے۔ جن کے پاس بولنے کے لئے زبان تھی مگر خدا کی پکڑ کے احساس نے انہیں بولنے سے روک دیا۔

یہ مطلوب انسان وہ ہے جس نے غیب کا پر وہ بننے سے پہلے خدا کو دیکھا اور وہ اس کے آگے ڈھ پڑا۔ جس نے آخرت کی پکڑ کو اتنی زیادہ شدت کے ساتھ محسوس کیا کہ آخرت میں احتساب کئے جانے سے پہلے دنیا ہی میں خود اپنا احتساب کر لیا۔ جس کا حال یہ ہو کہ خدا کے ساتھ شدید محبت نے اس کے دل سے دوسری تمام محبتیں نکال دیں۔ اور خدا کے ساتھ شدید خوف نے اس کے لئے دنیا کی تمام خوشیوں اور راحتوں کو بے قیمت بنا دیا۔

2-005

گروہی نجات نہیں

آخرت کی کامیابی کا تعلق کسی بھی درجہ میں گروہ بندی سے نہیں ہے۔ اس کا انحصار تمام تر عمل پر ہے نہ کہ گروہی تعلق پر۔ قرآن کی ایک آیت اس معاملے کو واضح کرتی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے: بے شک جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابی ان میں سے جو شخص ایمان لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور اس نے نیک کام کیا تو اس کے لئے اس کے رب کے پاس اجر ہے۔ اور ان کے لئے نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔ (البقرہ ۶۲)

قرآن کی یہ آیت گروہی نجات کے نظریہ کی نفی کرتی ہے۔ اس آیت میں مسلم گروہ کو بھی دوسرے مذہبی گروہوں کے ساتھ یکساں طور پر بریکٹ کیا گیا ہے۔ اس آیت کے مطابق گروہ کے اعتبار سے خدا کے نزدیک ایک اور دوسرے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ فرق جو کچھ ہے وہ انفرادی ذاتی میرٹ کے اعتبار سے ہے نہ کہ کسی گروہ سے وابستگی کے اعتبار سے۔

آیت میں چار گروہ کا ذکر ہے۔ ایک مسلمان جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں۔ دوسرے یہود جو اپنے کو حضرت موسیٰ کی امت کہتے ہیں۔ تیسرے نصاریٰ جو حضرت مسیح

کی امت ہونے کے دعویدار ہیں۔ چوتھے 'صابی' جو اپنے کو حضرت عیسیٰ کی امت بتاتے تھے۔ اور قدیم زمانے میں عراق کے علاقے میں آباد تھے۔ وہ اہل کتاب تھے اور کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ مگر اب صابی فرقہ ختم ہو چکا ہے۔ دنیا میں اب کہیں اس کا وجود نہیں۔

یہاں مسلمانوں کو دوسرے گروہوں سے الگ نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ ان کا اور دوسرے پیغمبروں سے نسبت رکھنے والی امتوں کا ذکر ایک ساتھ کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ گروہ ہونے کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک سب برابر کا درجہ رکھتے ہیں۔ گروہ کے اعتبار سے ایک گروہ اور دوسرے گروہ میں کوئی فرق نہیں۔ سب کی نجات کا ایک ہی محکم اصول ہے۔ اور وہ ہے ایمان اور عمل صالح۔ کوئی گروہ خواہ اپنے کو مسلمان کہتا ہو یا وہ اپنے کو یہودی یا مسیحی یا صابی یا کچھ اور کہے، ان میں سے کوئی بھی گروہ محض ایک مخصوص گروہ ہونے کی بنا پر خدا کے یہاں کوئی خصوصی درجہ نہیں رکھتا۔ درجہ کا اعتبار اس پر ہے کہ کس نے خدا کی نشا کے مطابق اپنی عملی زندگی کو ڈھالا۔

پیغمبر کے زمانے میں جب اس کے ماننے والوں کا گروہ بنتا ہے تو اس کی بنیاد ہمیشہ ایمان اور عمل صالح پر ہوتی ہے۔ اس وقت ایسا ہوتا ہے کہ نبی کی پکار کو سن کر کچھ لوگوں کے اندر ذہنی اور فکری انقلاب آتا ہے۔ ان کے اندر ایک نیا عزم جاگتا ہے۔ ان کی زندگی کا نقشہ جو اب تک ذاتی خواہشوں کی بنیاد پر چل رہا تھا وہ خدائی تعلیمات کی بنیاد پر قائم ہو جاتا ہے۔ یہی لوگ حقیقی امتوں میں پیغمبر کی امت ہوتے ہیں۔ ان کے لئے پیغمبر کی زبان سے آخرت کی نعمتوں کی بشارت دی جاتی ہے۔

مگر بعد کی نسلوں میں صورت حال بدل جاتی ہے۔ اب خدا کا دین ان کے لئے ایک قسم کی قومی روایت بن جاتا ہے۔ جو بشارتیں ایمان و عمل کی بنیاد پر دی گئی تھیں ان کو محض گروہی تعلق کا نتیجہ سمجھ لیا جاتا ہے۔ وہ گمان کر لیتے ہیں کہ 'ان کے گروہ کا اللہ سے کوئی خاص رشتہ ہے' جو دوسرے لوگوں سے نہیں ہے۔ جو شخص اس مخصوص گروہ سے تعلق رکھے، خواہ عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے وہ کیسا ہی ہو بہر حال اس کی نجات ہو کر رہے گی۔ جنت اس کے اپنے گروہ کے لئے

ہے۔ اور جنم صرف دوسرے گروہوں کے لئے۔

مگر اللہ کا کسی گروہ سے خصوصی رشتہ نہیں۔ اللہ کے یہاں جو کچھ اعتبار ہے وہ صرف اس بات کا ہے کہ آدمی اپنے فکر اور عمل میں کیسا ہے۔ آخرت میں آدمی کے انجام کا فیصلہ اس کے حقیقی کردار کی بنیاد پر ہو گا نہ کہ گروہی نسبتوں کی بنیاد پر۔

جب کوئی دینی تحریک اٹھتی ہے تو دھیرے دھیرے اس کا ایک گروہ بن جاتا ہے۔ لیکن گروہ کی اہمیت جو کچھ ہے وہ صرف دنیا کے اعتبار سے ہے۔ آخرت میں ہر آدمی خدا کے یہاں اکیلا پہنچے گا۔ ہر فرد اپنے ذاتی کردار کی بنیاد پر پارسا کا مستحق قرار پائے گا یا انعام کا۔

## 2-888

### امت وسط

امت محمدی کی حیثیت بتاتے ہوئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اور اسی طرح ہم نے تم کو بیچ کی امت بنا دیا تاکہ تم ہو بتانے والے لوگوں پر اور رسول ہو تم پر بتانے والا۔ اور جس قبیلہ پر تم تھے، ہم نے اس کو صرف اس لئے ظہر یا تھا کہ ہم جان لیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون اس سے الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔ اور بے شک یہ بات بھاری ہے مگر ان لوگوں پر جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے۔ اور اللہ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع کر دے۔ بے شک اللہ لوگوں کے ساتھ شفقت کرنے والا مہربان ہے (البقرہ 143)

وسط کے معنی بیچ کے ہیں۔ امت وسط کا مطلب ہے بیچ کی امت۔ امت محمدی کو امت وسط اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوام عالم کے درمیان بیچ کی کڑی ہے۔ انھیں پیغمبر اسلام سے خدا کے دین کو کسی کی پیشی کے بغیر لینا ہے اور پھر اس کو ٹھیک ویسا ہی اقوام عالم تک پہنچانا ہے۔ یہ عمل نسل در نسل مسلسل جاری رکھنا ہے، یہاں تک کہ قیامت آجائے۔

مفسر ابن زید نے آیت کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ (و كذلك جعلناكم أمة وسطا) قال: هم وسط بين النبي صلى الله عليه وسلم وبين الامم۔ (تفسیر الطبری ۸۷۲)

یعنی آیت کا مطلب یہ ہے کہ اہل اسلام رسول اللہ ﷺ اور دیگر اقوام کے درمیان ہیں۔  
 خدا کے تخلیقی نقشہ کے مطابق، عالم انسانی کی یہ ایک مستقل ضرورت ہے کہ اس کے  
 درمیان نرسل میں اور ہر گروہ میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہیں جو انسانوں کو مسلسل خدا کے تخلیقی  
 نقشہ سے باخبر کرتے رہیں تاکہ انسان دنیا میں غفلت کی حالت میں نہ جنے بلکہ حقیقت سے پوری  
 طرح باخبر ہو کر زندگی گزارے۔ اسی مشن کے تحت پچھلے زمانوں میں بار بار خدا کے پیغمبر آتے  
 رہے۔ پیغمبر اسلام اس سلسلہ نبوت کی آخری کڑی تھے۔ اب آپ کے بعد کوئی پیغمبر آنے والا نہیں۔  
 اب اگرچہ سلسلہ نبوت بند ہو چکا ہے، لیکن کار نبوت اب بھی پوری طرح باقی ہے۔ تا  
 کہ انسانیت کی اگلی لسوں تک بھی اسی طرح حق کا پیغام پہنچتا رہے جس طرح وہ پچھلی لسوں تک  
 پہنچتا رہا۔ بعد کے زمانے میں پیغام رسائی کے اسی کام کو جاری رکھنے کے لئے امت محمدی کو امت  
 وسط بنایا گیا۔ یہ امت محمدی کی لازمی ذمہ داری ہے۔ اگر وہ مسلسل پیغام رسائی کے اس کام کو انجام  
 نہ دے تو اس کا امت محمدی ہونا ہی اللہ کی نظر میں مشتبہ ہو جائے گا۔

2-007

روزہ اسلام میں

قرآن میں اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے کہ اے ایمان والو، تم پر روزہ  
 فرض کیا گیا جس طرح وہ تم سے انگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم متقی بنو (البقرہ ۱۸۳) اس کے  
 بعد یہ حکم دیا گیا ہے کہ اہل ایمان ہر سال رمضان کے مہینے میں پورے مہینہ کا روزہ رکھیں۔ اس کی  
 حکمت یہ بتائی گئی کہ اس سے ان کے اندر شکر کا جذبہ پیدا ہوگا۔ اس کے فوراً بعد فرمایا کہ۔ اور  
 جب میرے بندے تم سے میری بابت پوچھیں تو میں نزدیک ہوں پکارنے والے کی پکار کا جواب  
 دیتا ہوں۔ تو چاہئے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر یقین رکھیں تاکہ وہ ہدایت پائیں۔ (البقرہ ۱۸۶)  
 روزہ کا تفصیلی حکم قرآن میں اسی ایک مقام پر آیا ہے۔ ان آیات کے مطالعے سے روزہ  
 کے بارے میں جو بنیادی احکام معلوم ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ پہلی بات یہ بتائی گئی کہ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا حکم پچھلے پیغمبروں کی شریعت میں بھی دیا جاتا رہا ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے، پچھلے پیغمبر ہر زمانے میں اور ہر مقام پر آتے رہے ہیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ روزہ کا تعلق زمانی حالات یا جغرافیائی اسباب سے نہیں ہے۔ وہ نماز کی طرح ایک مطلق عبادت ہے۔ روزہ ہمیشہ اور ہر حال میں فرض رہا ہے۔ اور ہمیشہ رہے گا۔ شرعی عذر کے سوا کوئی اور چیز اس کو ساقط کرنے والی نہیں۔

۲۔ روزہ کا ایک مقصد قرآن میں تقویٰ بتایا گیا ہے۔ یعنی روزہ آدمی کے اندر اللہ کا ڈر پیدا کرتا ہے۔ اللہ سے ڈرنا کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آدمی ہر چیز کے بارے میں یہ یقین کرے کہ وہ خدا کا عیب ہے۔ اور خدا جب چاہے ان چیزوں کو چھین لے اور ہمیں محروم کر کے رکھ دے۔ رمضان کا روزہ آدمی کے اندر یہی احساس پیدا کرنے کی ایک سالانہ تدبیر ہے۔ اس مہینے میں آدمی خود اپنے ارادہ سے اپنے آپ کو کھانے اور پینے سے وقتی طور پر محروم کرتا ہے۔ اس طرح اپنے آپ پر بھوک اور پیاس طاری کر کے یہ تجربہ کرتا ہے کہ اگر خدا اس کو مستقل طور پر کھانے اور پینے سے محروم کر دے تو وہ کتنی بڑی مصیبت میں مبتلا ہو جائے گا۔ یہ احساس اس کے اندر وہ ربانی کیفیت پیدا کرتا ہے جس کو قرآن میں تقویٰ کہا گیا ہے۔

۳۔ روزہ کا دوسرا فائدہ قرآن میں یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ آدمی کے اندر شکر کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ آدمی اپنا سارا دن بھوک اور پیاس میں گزارتا ہے۔ یہاں تک کہ اس حال میں شام آجاتی ہے اور سورج غروب ہوتا ہے۔ اب وہ اپنا روزہ توڑتا ہے اور سیر ہو کر کھاتا اور پیتا ہے۔ اس کے بعد آدمی کا حال وہ ہو جاتا ہے جس کو ایک مسنون دعا میں اس طرح بتلایا گیا ہے: **ذهب الظمأ وابتلت العروق (پیاس چلی گئی اور رگیں تر ہو گئیں)**

روزہ کے بعد انظار کا طریقہ آدمی کو تجرباتی طور پر اس حقیقت کی یاد دلاتا ہے کہ خدا نے پانی اور غذا کی صورت میں انسان کے لئے کتنی بڑی نعمت پیدا کی ہے۔ اور پھر ایک نعمت کے بارے میں یہ تجربہ آدمی کو دوسری تمام نعمتوں کی یاد دلاتا ہے۔ اور اس کا سینہ شکر خداوندی کے

جذبہ سے بھر جاتا ہے۔ اس طرح روزہ آدمی کو اس قائل بناتا ہے کہ وہ شکر کرنے والا بن کر خدا کی دنیا میں رہے۔

۴۔ روزہ کی عبادت آدمی کے اندر ایک اور اہم صفت پیدا کرتی ہے۔ اور وہ دعا ہے۔ روزہ کا مہینہ روزہ دار کے لئے روحانی تربیت کا مہینہ ہے۔ اس مہینہ میں آدمی بھوک پیاس کی مشقت اٹھا کر اپنے وجود کے مادی پہلو کو بھاتا ہے اور اس کے غیر مادی پہلو کو ابھارتا ہے۔ نمازوں کی کثرت اس کے اندر عبدیت کے احساس کو بیدار کرتی ہے۔ قرآن کو زیادہ سے زیادہ سننے اور پڑھنے سے اس پر قرآن کے معانی کھلتے ہیں۔ اور اس کے اندر خدا کی عظمت کا شعور جاگتا ہے۔ وہ خدا سے ڈرنے والا، خدا کا شکر کرنے والا اور اس کی بڑائی کرنے والا بن جاتا ہے۔

اس طرح روزہ آدمی کو اس قائل بناتا ہے کہ وہ خدا سے ہمتی دعا کرنے والا بن جائے۔ اس کی دعا کیفیات سے بھری ہوئی دعا ہو۔ اس کی دعا ایک ترپنے والے انسان کی دعا ہو۔ اس کی دعا ایک ایسے انسان کی دعا ہو جو خدا کے پاس پہنچ جائے، جو خدا کے عین قریب ہو کر اس کو پکارنے لگے۔

## 2-000

### قانون فطرت

قوموں کے مردج و زوال کے باب میں فطرت کا ایک قانون بتاتے ہوئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے: کتنی ہی چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (البقرہ ۲۴۹)

اس آیت میں لڑنا اللہ سے مراد فطرت کا قانون ہے اور فطرت کا یہ قانون صبر کے اصول پر مبنی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں کوئی چھوٹا گروہ محض چھوٹا ہونے کی بنا پر مغلوب نہیں ہو جاتا۔ اگر وہ صبر کا ثبوت دے تو عین ممکن ہے کہ وہ اپنے سے بڑے گروہ پر غالب آجائے۔ یہ معاملہ کوئی پراسرار معاملہ نہیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو نفسیات انسانی کے جائزہ اور قوموں کی تاریخ کے مطالعہ سے سمجھی جاسکتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ ہر انسان پیدا کنشی طور پر اقتداء

صلاحیت کا مالک ہوتا ہے مگر یہ صلاحیت عام حالات میں آدمی کے اندر چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ اس چھپی ہوئی صلاحیت کو جو چیز جگاتی ہے وہ چیلنج ہے۔ جس فرد یا قوم کو اپنے ماحول کی طرف سے چیلنج پیش آئے، اس کی صلاحیت جاگ اٹھے گی۔ وہ پہلے اگر صرف ایک بشر (man) تھا تو چیلنج کی زد میں آنے کے بعد وہ فوق البشر (super man) بن جائے گا۔ اب وہ ایسے کارنامے انجام دے گا جس کا تصور بھی چیلنج سے پہلے نہیں کیا جاسکتا تھا۔

جس سماج میں دو گروہ ہوں، ایک اقلیتی گروہ اور دوسرا اکثریتی گروہ، ایسے سماج میں ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ اکثریت کی طرف سے اقلیت کو چیلنج پیش آتا ہے۔ زندگی کے ہر محاذ پر اقلیت کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اکثریت اس کو دبا لے گی۔ وہ اکثریت کے مقابلہ میں مغلوب ہو کر رہ جائے گا۔ یہ صورت حال اقلیت کے لئے ایک سخت امتحان ہوتی ہے۔ اب اس کے لئے رد عمل کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک صابرانہ رد عمل، دوسرا غیر صابرانہ رد عمل۔ غیر صابرانہ رد عمل یہ ہے کہ اقلیتی گروہ شکایت اور احتجاج کی نفسیات میں مبتلا ہو جائے۔ وہ منفی طریقوں سے اس کا جواب دینے کی کوشش کرے۔ یہ گویا چیلنج کے مقابلہ میں منفی جواب (negative response) دینا ہے۔ اور جو اقلیت چیلنج کے مقابلہ میں اس قسم کا منفی جواب دے وہ مایوسی اور پست ہمتی کا شکار ہو کر رہ جائے گی۔ اس کی فطری صلاحیتیں ہڈ ستور خرابیدہ حالت میں پڑی رہیں گی۔ ایسی اقلیت چیلنج کے اندر گھر کر اسی طرح ختم ہو جائے گی جس طرح چھوٹی چڑیاں طوفان میں گھر کر ختم ہو جاتی ہیں۔

اس کے برعکس جو اقلیت چیلنج کے مقابلہ میں صابرانہ روش کا ثبوت دے وہ گویا طوفان کی بڑی چڑیا (big bird of the storm) ہے۔ وہ اپنے طاقتور بازوؤں سے اڑ کر اوپر چلی جائے گی اور اس طرح اپنے آپ کو طوفان کی زد سے بچالے گی۔

چیلنج کے مقابلہ میں صبر کا رویہ اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی مقابلہ کی نفسیات کے ساتھ اس کا استقبال کرے۔ وہ اپنے آپ کو اس سے بچائے کہ اس کا دماغ درہم برہم ہو جائے

اور وہ پیش آمدہ صورت حال کے مقابلہ میں مثبت طور پر سوچنے کے قابل نہ رہے۔ جو فرد یا گروہ چیلنج کے مقابلہ میں اس طرح مثبت جواب (positive response) کا انداز اختیار کرے اس کا فائدہ اس کو یہ ملتا ہے کہ اس کے اندر نیا حوصلہ ابھر آتا ہے۔ اس کی سوئی ہوئی صلاحیتیں جاگ اٹھتی ہیں۔ اس کے اندر وہ فکری انقلاب پیدا ہوتا ہے جس کو نفسیات کی زبان میں دماغی طوفان (brain storm) کہا جاتا ہے۔

یہ چیزیں اقلیتی افراد کے اندر سوسے ہوئے انسان کو بیدار کر دیتی ہیں۔ ایسے افراد زندگی کے ہر میدان میں اکثریت سے زیادہ عمل کا ثبوت دیتے ہیں۔ وہ اپنے ذہنی ارتقاء کی بنا پر اس قابل ہوتے ہیں کہ مسائل کا برتر حل (superior solution) تلاش کر سکیں۔ اقلیتی گروہ میں یہ تمام صفات صبر کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں اور فطرت کا یہ قانون ہے کہ زندگی کے سفر کے میں جو صبر کا ثبوت دیں اس دنیا میں وہ لازماً غلبہ حاصل کریں گے۔ حتیٰ کہ اکثریتی گروہ کے مقابلہ میں بھی۔

2-009

ایک دعاء

سورہ البقرہ کا خاتمہ ایک دعا پر ہوتا ہے۔ وہ دعایہ ہے: رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِينَا اَوْ اٰخِطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اَصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلٰی الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلٰی الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ (البقرہ ۲۸۶)

اے ہمارے رب ہم کو نہ پکڑ اگر ہم بھولیں یا ہم غلطی کریں۔ اے ہمارے رب ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ڈالا تھا ہم سے اگلوں پر۔ اے ہمارے رب ہم پر وہ بوجھ نہ رکھ جس کی طاقت ہم کو نہیں اور درگزر کر ہم سے اور ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر۔ تو ہمارا کارساز ہے۔ پس انکار کرنے والوں کے مقابلہ میں ہماری مدد کر۔

دعا کیا ہے۔ دعا بندے کے قلبی احساسات کا خدا کے سامنے اظہار ہے۔ جب ایک انسان ایک طرف اپنے کامل عجز کو اور دوسری طرف خدا کی کامل قدرت کو دریافت کرتا ہے تو اس کے بعد فطری طور پر ایسا ہوتا ہے کہ وہ بے تابانہ طور پر خدا کو پکارنے لگتا ہے۔ اس کے اندر یہ تڑپ لگاگ اٹھتی ہے کہ وہ اپنے سارے احساسات اور اپنے سارے جذبات کو اپنے رب کے سامنے پیش کر دے۔ وہ اپنی عبدیت اور خدا کی معبودیت کا کامل اظہار میں جائے۔ یہ لطیف احساسات جب لفظوں کی صورت میں ڈھل جائیں تو اسی کا نام دعا ہے۔

مذکورہ الفاظ بظاہر قرآن کے الفاظ ہیں مگر اپنی حقیقت کے اعتبار سے وہ فطرت انسان کی کار ہے۔ ان الفاظ میں گویا کہ خود انسان کے خالق نے ایک بچے انسان کے اندر اٹھنے والے رہائی جذبات کو لفظوں میں ڈھال دیا ہے۔

ایک آدمی کو جب سچا ایمان حاصل ہوتا ہے تو وہ بے تابانہ طور پر یہ چاہنے لگتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہمہ تن خدا کی اطاعت میں دے دے۔ مگر ایک طرف خدا کی بے پناہ عظمت اور دوسری طرف اپنے بے پناہ عجز کی بنا پر اس کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ اطاعت الہی کا حق لدا نہیں کر سکتا۔ اس کے یہ احساسات مذکورہ قسم کے دعا یہ الفاظ میں ڈھل جاتے ہیں۔ وہ یہ نہیں کہہ پاتا کہ لیا میں تیرے دربار میں اعمال کا تختہ لے کر آیا ہوں تو اس کو قبول فرما۔ اس کی نظر اپنے کئے پر نہیں ہوتی بلکہ اس پر ہوتی ہے جو وہ نہ کر سکا ہو۔

ان احساسات کے تحت وہ پکار اٹھتا ہے کہ خدایا! میری غلطیوں اور خطاؤں کا مجھ سے حساب لے۔ مجھ کو ان آزمائشوں میں نہ ڈال جن سے میرے پیش روؤں کو گزرنا پڑا۔ خدایا! مجھ سے جوڑے عمل کو قبول کر لے، کیوں کہ میرے اندر زیادہ عمل کی طاقت نہیں۔ خدایا جب تو میرا حساب لے تو میرے ساتھ معافی اور درگزر کا معاملہ فرما۔ اور مجھ کو اپنی رحمتوں کے سایہ میں لے لے۔ خدایا تو میرے دشمنوں کے خلاف میری مدد فرما، اور میری طرف سے ان کے مقابلہ کے لئے کافی ہو جا۔

### حکم، تشابہ

قرآن میں بتلایا گیا ہے کہ اس کی آیتیں بنیادی طور پر دو قسم کی ہیں۔ حکم اور تشابہ۔ اس سلسلے میں قرآن کا ایمان یہ ہے: وہی ہے جس نے تمہارے اوپر کتاب اتاری۔ اس میں آیتیں حکم ہیں، وہ کتاب کی اصل ہیں۔ اور دوسری آیتیں تشابہ ہیں۔ پس جن کے دلوں میں نور ہے وہ تشابہ آجوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں فتنہ کی تلاش میں اور اس کے مطلب کی تلاش میں۔ حالانکہ ان کا مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور جو لوگ پختہ علم والے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جو ان پر ایمان لائے۔ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ اور بصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔ (آل عمران ۷)

قرآن کی اس آیت میں تشابہات کا مطلب متاخرات ہے۔ یعنی تمثیلات کی زبان۔ قرآن میں غیب کی باتوں کو تمثیل کی زبان میں واضح کیا گیا ہے اور موجودہ معلوم دنیا کی باتوں کو حکم زبان میں۔

قرآن میں دو طرح کے مضامین ہیں۔ ایک وہ جو انسان کی معلوم و معروف دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً تاریخی واقعات، کائناتی نشانیاں، دنیوی زندگی کے احکام وغیرہ۔ دوسرے وہ جن کا تعلق ان غیبی امور سے ہے جو آج کے انسان کے لئے ناقابل اور اک ہیں۔ مثلاً خدا کی صفات، جنت دوزخ کے احوال، فرشتوں کی نوعیت، وغیرہ۔ پہلی قسم کی باتوں کو قرآن میں حکم اندازہ بالفاظ دیگر اور است اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔ دوسری قسم کی باتیں انسان کی نامعلوم دنیا سے متعلق ہیں، وہ انسانی زبان کی گرفت میں نہیں آتیں۔ اس لئے ان کو تشابہ انداز یعنی تمثیل و تشبیہ کے اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً انسان کا ہاتھ کہا جائے تو یہ براہ راست زبان کی مثال ہے اور اللہ کا ہاتھ تمثیلی زبان کی مثال۔

جو لوگ اس فرق کو نہیں سمجھتے وہ تشابہ آجوں کا مفہوم بھی اس طرح متعین کرنے لگتے

ہیں جس طرح محکم آجیوں کا مفہوم متعین کیا جاتا ہے۔ یہ اپنے فطری دائرہ سے باہر نکلنے کی کوشش ہے۔ اس قسم کی کوشش کا انجام اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ آدمی ہمیشہ بھٹکتا رہے اور کبھی منزل پر نہ پہنچے۔ کیوں کہ ”انسان کے ہاتھ“ کو متعین طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ مگر ”خدا کے ہاتھ“ کو موجودہ عقل کے ساتھ متعین طور پر سمجھنا ممکن نہیں۔

قرآن فہمی کا یہ اصول عین فطرت کے اصول کے مطابق ہے۔ انسان کو ہر معاملے میں بھی کرنا پڑتا ہے کہ وہ کچھ باتوں کو کامل طور پر جاننے کی کوشش کرے، اور کچھ دوسری باتوں کے سلسلے میں اعلیٰ علم پر اکتفا کرے۔ یہی عام اصول قرآن کو سمجھنے کے لئے بھی ضروری ہے۔ جو لوگ اس اصول کو ملحوظ نہ رکھیں وہ قرآن کو پڑھ کر اس سے صرف ذہنی انتشار کی غذا حاصل کریں گے، وہ اس سے حقیقی استفادہ نہیں کر سکتے۔

### 2-11

#### خدا کا عطیہ

قرآن میں جس طرح عبادت کے احکام ہیں اسی طرح قرآن میں تاریخ میں تبدیلی کے قوانین بھی بتائے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں قرآن کا ایک حصہ یہ ہے: تم کہو کہ اے اللہ، سلطنت کے مالک، تو جس کو چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے۔ اور تو جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل کرے۔ تیرے ہاتھ میں ہے سب خوبی۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ اور تو بے جان سے جان دار نکالتا ہے اور تو جاندار سے بے جان کو نکالتا ہے۔ اور تو جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ (آل عمران ۲۶-۲۷)

قرآن کی یہ آیت انسانی تاریخ کے بارے میں ایک اہم خدائی قانون کو بتاتی ہے۔ اور وہ یہ کہ دنیا میں کسی کو اقتدار کا ملنا اور کسی سے اقتدار کا چھین جانا دونوں تمام تر خدا کے فیصلے کے تحت ہوتے ہیں۔ جس طرح زمین پر رات اور دن کا آنا تمام تر خدائی نظام کے تحت ہوتا ہے اسی طرح

اقتدار کا بھی کسی سے چھٹا اور کسی کو دیا جاتا تمام تر خدائی معاملہ ہے نہ کہ محض ایک انسانی معاملہ۔ اس دنیا میں اقتدار کو نشانہ بنا کر مہم چلانا ایسا ہی ہے جیسے رات اور دن کے نظام کو بدلنے کے لئے مہم چلانا۔ اقتدار کے نظام میں تبدیلی خدائی مصلحتوں کے تحت ہوتی ہے نہ کہ انسانی کوششوں کے تحت۔ ایسی حالت میں آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنے حاصل شدہ دائرہ میں اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرے، اور اقتدار کے دائرہ میں قناعت کے اصول کو اختیار کرے۔

ہر قسم کی عزت و طاقت اللہ کے اختیار میں ہے۔ وقت کے بڑے بڑے جس کو بے حقیقت سمجھ لیں، خدا چاہے تو اسی کے حق میں عزت و سر بلندی کا فیصلہ کر دے۔ علم کی گدیوں پر بیٹھنے والے جس کے جہل کا فتویٰ دیں، خدا چاہے تو اسی کے ذریعہ علم کا چشمہ جاری کر دے۔ خدا کی نظر میں اگر کوئی عزت و طاقت کا مستحق ہو سکتا ہے تو وہ جو اس کو خالص خدا کی چیز سمجھے اور خدا کی نظر میں اس کا سب سے زیادہ غیر مستحق اگر کوئی ہے تو وہ جو اس کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھ لے۔

خدا وسیع تر کائنات میں روزانہ بہت بڑے پیمانہ پر یہ کرشمہ دکھا رہا ہے کہ وہ تاریکی کو روشنی کے اوپر اوڑھا دیتا ہے اور روشنی کو تاریکی کے اوپر ڈال دیتا ہے۔ وہ مردہ عناصر سے زندگی وجود میں لاتا ہے اور زندہ چیزوں کو مردہ عناصر میں تبدیل کرتا ہے۔ خدا کی یہی قدرت اگر انسانی تاریخ میں ظاہر ہو تو اس میں تعجب کی کیا ضرورت۔

3-812

ربانی بنو

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: کسی انسان کا یہ کام نہیں کہ اللہ اس کو کتاب اور حکمت اور نبوت دے اور وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو کہے گا کہ تم اللہ والے بنو اس واسطے کہ تم دوسروں کو کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور خود بھی اس کو پڑھتے ہو۔ (آل عمران ۷۹)

اس آیت کے مطابق خدا کے پیغمبروں نے انسان کو جو تعلیم دی وہ یہ تھی کہ اے لوگو! تم لوگ ربانی بنو۔ ربانی کا مطلب ہے رب والا۔ یہ لفظ قرآن میں اس انسان کے لئے استعمال ہوا ہے

جو غیر خدا پرستانہ زندگی کو چھوڑ کر خدا پرستانہ زندگی اختیار کرے، جو غیر اللہ میں جینے کے بجائے صرف اللہ میں جینے لگے۔ جس کے صبح و شام صرف آخرت کی یاد میں بسر ہوں نہ کہ ان دنیوی اور مادی چیزوں میں جن کے درمیان موجودہ زندگی میں آدمی کو رہنا پڑتا ہے۔

عام انسان کی غذا اگر مادیت ہے تو ربانی انسان کی غذا روحانیت۔ عام انسان کی دلچسپیاں اگر ظاہری چیزوں میں بکھری ہوئی ہوتی ہیں تو ربانی انسان اعلیٰ حقیقتوں کو اپنی دلچسپی کا مرکز بناتا ہے۔ عام انسان اگر مخلوقات میں جیتتا ہے تو ربانی انسان خالق کائنات میں۔

ربانی انسان کو تواضع میں لذت ملتی ہے نہ کہ فخر میں۔ ربانی انسان معاف کرنے کو محبوب سمجھتا ہے نہ کہ انتقام لینے کو۔ ربانی انسان کو سادگی پسند ہوتی ہے نہ کہ نمائش اور تکلف۔ ربانی انسان پھمکی سیٹ پر بیٹھنا پسند کرتا ہے نہ کہ اگلی سیٹ پر۔ ربانی انسان وہ ہے جو بولے کم اور سوچے زیادہ۔ جو دوسروں کے احتساب سے زیادہ اپنے احتساب میں دلچسپی رکھتا ہو۔ جس کو پانے میں خوشی نہ ہو اور کھانا جس کو خشکین نہ کرے۔ جس کی توجہات کا مرکز کل والی دنیا ہوتی نہ کہ آج والی دنیا۔

### 3-813

#### اسلامی روحانیات

اسلام کے مطابق، روحانیت کا سرچشمہ کسی پر اسرار قسم کی ورزش یا عملیات میں نہیں ہے بلکہ اس کا سرچشمہ حقائق عالم میں غور و فکر ہے۔ غور و فکر کے ذریعہ آدمی یہاں ایسے فیضات حاصل کرتا ہے جو اس کے اندر روحانی تموج پیدا کریں اور اس کو مادی انسان سے اٹھا کر روحانی انسان بنادیں۔ یہ حقیقت قرآن کی ان آیتوں سے معلوم ہوتی ہے:

آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے باری باری آنے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے رہتے ہیں۔ وہ کہہ اٹھتے ہیں اے ہمارے رب تو نے یہ سب بے مقصد نہیں بنایا۔ تو پاک ہے، پس ہم کو آگ کے عذاب سے بچا۔ اے ہمارے رب تو نے جس کو آگ

میں ڈالا اس کو تو نے واقعی رسوا کر دیا۔ اور خالوں کا کوئی مددگار نہیں۔ اے ہمارے رب ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف پکار رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ پس ہم ایمان لائے۔ اے ہمارے رب ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری برائیوں کو ہم سے دور کر دے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر۔ اے ہمارے رب تو نے جو وعدے اپنے رسول کی معرفت ہم سے کئے ہیں ان کو ہمارے ساتھ پورا کر اور قیامت کے دن ہم کو رسوائی میں نہ ڈال۔ بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف کرنے والا نہیں۔ (آل عمران ۱۹۰-۱۹۳)

اسلام کے مطابق، روحانیت کسی پر اسرار دنیا میں گم ہونے کا نام نہیں ہے اور نہ وہ ایک ایسی تلاش ہے جو خود اپنی ذات سے شروع ہوتی ہے اور اپنی ذات ہی پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس اسلامی روحانیت یہ ہے کہ آدمی حقیقت خداوندی کا زندہ عرفان حاصل کرے۔ وہ حقیقتوں کی اہدی دنیا میں اپنے لئے ایک باشعور مقام پالے۔ اسلامی روحانیت کا سزا معلوم راستوں سے ہو کر گزرتا ہے نہ کہ نامعلوم دلوں سے۔

کائنات اپنے پورے وجود کے ساتھ ایک خاموش اعلان ہے۔ آدمی جب اپنے کان اور آنکھ سے مصنوعی پردوں کو ہٹاتا ہے تو وہ اس خاموش اعلان کو ہر طرف سننے اور دیکھنے لگتا ہے۔ اب اس کو ناممکن نظر آتا ہے کہ ایک ایسی کائنات جس کے ستارے اور سیارے کھریوں سالوں تک بھی ختم نہیں ہوتے وہاں انسان اپنی تمام خواہشوں اور تمنوں کو لئے ہوئے صرف پچاس سال اور سو سال میں ختم ہو جائے۔ ایک ایسی دنیا جہاں درختوں کا حسن اور پھولوں کی لطافت ہے۔ جہاں ہوا اور پانی اور سورج جیسی بے شمار با معنی چیزوں کا اہتمام کیا گیا ہے وہاں انسان کے لئے حزن اور غم کے سوا کوئی اور انجام نہ ہو۔

پھر یہ بھی اس کو ناممکن نظر آتا ہے کہ ایک ایسی دنیا جہاں یہ اتنا امکان رکھا گیا ہے کہ یہاں ایک چھوٹا سا بیج زمین میں ڈالا جائے تو اس کے اندر سے ہرے بھرے درخت کی ایک پوری کائنات نکل آئے۔ وہاں آدمی نیکی کی زندگی اختیار کر کے بھی اس کا کوئی پھل نہ پاتا ہو۔ ایک ایسی

دنیا جہاں ہر روز تاریک رات کے بعد روشن دن آتا ہے وہاں صدیاں گزر جائیں اور عدل و انصاف کا اجالا اپنی چمک نہ دکھائے۔ ایک ایسی دنیا جس کی گود میں زلزلے اور طوفان سوسے ہیں وہاں انسان ظلم پر ظلم کرتا رہے مگر کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا سامنے نہ آئے۔

جو لوگ حقیقتوں میں جیتے ہیں اور گہرائیوں میں اتر کر سوچتے ہیں ان کے لئے ناقابل یقین ہو جاتا ہے کہ ایک ہا معنی کائنات بے معنی انجام پر ختم ہو جائے۔ غور و فکر کے بعد وہ جان لیتے ہیں کہ حق کا داعی جو پیغام دے رہا ہے وہ نطق کی زبان میں اسی بات کا اعلان ہے جو خاموش زبان میں ساری کائنات میں نشر ہو رہا ہے۔ ان کے لئے سب سے بڑا مسئلہ یہ بن جاتا ہے کہ جب سچائی کھلے اور جب انصاف کا سورج نکلے تو اس دن وہ ناکام و نامر لوث ہو جائیں۔ وہ اپنے رب کو پکارتے ہوئے اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں، وہ مفاد اور مصلحت کی تمام حدود کو توڑ کر داعی حق کے ساتھ ہو جاتے ہیں تاکہ جب کائنات کا "اجالا" اور کائنات کا "اندھیرا" ایک دوسرے سے الگ کئے جائیں تو کائنات کا مالک ان کو اجا۔ لے میں جگہ دے، وہ ان کو اندھیرے میں ٹھو کریں کھانے کے لئے نہ چھوڑے۔

یہ ذہنی دریافت آدمی کی پوری زندگی کو بدل دیتی ہے۔ اب وہ ایک نیا انسان بن جاتا ہے، ایک ایسا انسان جو دنیا میں ہا معنی زندگی کی تعمیر کرے اور آخرت میں بھی اپنے لئے ایک ہا معنی زندگی حاصل کرے۔

#### 4-814

### شرک ناقابل معافی

اسلام میں گناہ کا یہ تصور نہیں کہ ایک بار اس کا ارتکاب کرنے کے بعد اس کی معافی نہیں ہو سکتی۔ اسلام کے مطابق، توبہ اور اعتراف کے بعد ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ البتہ شرک ایک ایسا گناہ ہے جو خدا کے یہاں قابل معافی نہیں۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشنے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ لیکن اس کے علاوہ جو

کچھ ہے اس کو جس کے لئے چاہے گا بخش دے گا۔ اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا اس نے بڑا  
 طوفان ہاندھا۔ (النساء: ۴۸)

شرک کیا ہے۔ شرک یہ ہے کہ ان چیزوں میں کسی کو اللہ کا شریک اور ہم سر ٹھہرایا جائے۔  
 جو صرف خدا کے لئے خاص ہیں۔ مثلاً کائنات کی تخلیق اللہ نے تنہا اپنی قدرت سے کی ہے۔ اب  
 اگر کوئی شخص تخلیق کے اس عمل میں کسی اور کو شامل کرے تو وہ شرک ہوگا۔ اللہ کائنات کے  
 نظام کو تنہا چلا رہا ہے۔ اب اگر کوئی شخص کسی اور کو بھی کائنات کے نظام میں متصرف مانے تو یہ  
 شرک ہوگا۔ ہر قسم کا اختیار حقیقی طور پر صرف ایک اللہ کو حاصل ہے۔ اب اگر کوئی مانے کہ ان  
 اختیارات میں کوئی اور بھی حصہ دار ہے تو یہ شرک ہوگا۔ انسان کو دنیا میں جو مختلف قسم کا رزق ملا  
 ہے وہ تمام تر اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص سمجھے کہ کوئی اور بھی ہے جو رزق  
 رسائی کا اختیار رکھتا ہے تو یہ شرک ہوگا۔

اسی طرح اللہ یا معبود کا درجہ صرف ایک خدا کو حاصل ہے۔ اب اگر کوئی شخص کسی اور کو  
 معبود مانے تو یہ شرک ہوگا۔ اسی طرح عبادت کی قسم کے تمام اعمال صرف ایک خدا کا حق ہیں۔  
 اب اگر کوئی شخص خدا کے ساتھ کسی اور کی عبادت کرنے لگے تو یہ خدا کے ساتھ شرک ہوگا۔  
 اسی طرح قرآن کے مطابق محبہ شدید اور خوف شدید بھی صرف ایک خدا کا حق ہے۔ اب اگر  
 کوئی شخص ایک خدا کے سوا کسی اور کی محبہ شدید یا خوف شدید میں مبتلا ہو جائے تو یہ بھی شرک  
 جیسا ایک عمل ہوگا وغیرہ۔

شرک ناقابل معافی کیوں ہے۔ اس لئے کہ یہ خدا کی دنیا میں کسی اور کو خدائی کا درجہ دینا  
 ہے۔ یہ خدا کے غیر مشترک حقوق میں کسی اور کو حصہ دار بنانا ہے۔ یہ قرآن کے لفظوں میں کسی  
 اور کو خدا کے ساتھ اس کا درجہ (ہمسر) ٹھہرانا ہے۔ اس قسم کا فعل اپنی نوعیت کے اعتبار سے عین  
 وہی چیز ہے جس کو عام دنیوی اصطلاح میں ریاست سے غداری (treason) یا ریاست سے  
 بغاوت (rebellion) کہا جاتا ہے۔ غداری اور بغاوت جس طرح دنیوی سلطان کے یہاں ناقابل

معافی جرم کبھے جاتے ہیں، اسی طرح سلطان حقیقی کے یہاں بھی اس قسم کا فضل یا قابل معافی جرم کی حیثیت رکھتا ہے۔ شرک بلاشبہ اللہ کی سب سے بڑی ناقدری ہے۔ اللہ بشری تقاضے کے تحت پیش آنے والے کسی گناہ کو معاف کر سکتا ہے مگر جو لوگ جان بوجہ کر خدا کی ناقدری کی جسارت کریں وہ یقیناً قابل معافی نہیں ہو سکتے۔

4-815

### تھاکم ابی الطافوت

قرآن میں اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے یہ حکم دیا گیا: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں اہل اختیار کی اطاعت کرو۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹو، اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بات اچھی ہے اور اس کا انجام بہتر ہے۔ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے ہیں اس پر جو اتار آگیا ہے تمہاری طرف اور جو اتار آگیا ہے تم سے پہلے، وہ چاہتے ہیں کہ قضیہ لے جائیں طافوت کی طرف، حالاں کہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ اس کو نہ مانیں اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر بہت دور ڈال دے۔ (النساء ۵۹-۶۰)

اس آیت میں طافوت سے مراد قدیم مدینہ کا یہودی سردار کعب بن اشرف ہے۔ (تفسیر القرطبی ۱۵/۲۶۳) اصل یہ ہے کہ مدنی دور کے ابتدائی سالوں میں وہاں اسلام کا کامل اقتدار قائم نہیں ہوا تھا۔ ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی جن کے پاس لوگ اپنے نزاعات اور مقدمات کا فیصلہ لینے کے لئے آتے تھے۔ دوسری طرف کعب بن اشرف تھا جس کو وہاں عرصہ سے ایک قسم کی عدالتی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ جب بھی مدینہ (یثرب) کے دو آدمیوں میں نزاع قائم ہوتی تو دونوں کعب بن اشرف کے پاس آتے اور اس سے اپنے نزاع کا فیصلہ کراتے۔

اس زمانے میں بعض ایسے واقعات ہوئے جب کہ کسی کمزور مسلمان نے اپنے مقدمے

کے فیصلہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کعب بن اشرف کی طرف رجوع کیا۔ اس امید میں کہ وہ وہاں اپنی مرضی کے موافق فیصلہ لے سکے گا۔ اس پر یہ آیت اتری اور کہا گیا کہ جو مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کعب بن اشرف کے یہاں اپنا مقدمہ لے جاتے ہیں وہ شیطان کی بھڑکی کر رہے ہیں۔

موجودہ زمانے میں یہ قرآنی حکم ان تمام ملکوں پر چسپاں ہوتا ہے جہاں سیکولر عدالتیں قائم ہیں۔ ان ملکوں کے مسلمانوں کے درمیان جب بھی کوئی نزاع قائم ہو، خواہ وہ مالی ہو یا غیر مالی، تو ان پر فرض کے درجہ میں ضروری ہے کہ وہ اپنے نزاعی معاملے کا فیصلہ قرآن و سنت سے کرائیں۔ یعنی ان ملکوں کے دارالافتاء یا دارالافتاء علماء کی مجلس کے سامنے مقدمہ پیش کیا جائے اور وہ قرآن و سنت کی روشنی میں جو فیصلہ دیں اس کو دونوں فریق بے چون و چرا مان لیں۔ ان ملکوں کے مسلمان اگر ایسا نہ کریں بلکہ وہ اپنے مقدمات اور نزاعات کو سیکولر عدالتوں میں لے جائیں اور وہاں سے اپنا مرضی کے مطابق فیصلے حاصل کریں تو ایسے مسلمان بلاشبہ کورہ آیت کا مصداق ہوں گے۔ یہ آیت سیاسی معنی میں نہیں ہے یعنی اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان ہر جگہ اسلامی حکومت قائم کریں اور اس کے تحت شرعی عدالت کا نظام بنائیں تاکہ ان کے مقدمات کا فیصلہ شریعت کی روشنی میں کیا جاسکے۔ اس آیت کا تعلق حاکمانہ نظام قانون سے نہیں ہے بلکہ خود اپنی طبیعت سے اسلامی حکم کو تسلیم کرنے سے ہے۔ چنانچہ یہ آیت ہر جگہ قابل عمل ہے۔ اسلامی حکومت میں اسلامی عدالتوں کے ذریعہ۔ اور جہاں اسلامی حکومت نہ ہو وہاں علماء اسلام کی مجلس فتویٰ یا مجلس قضاء کے ذریعہ۔

جس ملک میں اسلامی حکومت قائم ہو وہاں کے لئے اس قرآنی حکم کا مطلب یہ ہو گا کہ مسلمانوں کے لوہر حاکمانہ طاقت کے ذریعہ اسلامی قانون کا نفاذ کیا جائے۔ اور جہاں اسلامی حکومت قائم نہ ہو وہاں بھی یہ اسلامی حکم بدستور مطلوب رہے گا، صرف اس فرق کے ساتھ کہ اسلامی حکومت میں اگر اس کا نفاذ حاکمانہ طاقت سے کیا جائے گا تو غیر اسلامی حکومت میں ہر مسلمان پر یہ

فرض ہو گا کہ دور ضاکر نہ طور پر خود اپنی مرضی سے اس کو اپنے اوپر عائد کرے۔

4-818

### یکساں محاسبہ

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ آخرت میں انسانوں کا جو محاسبہ ہو گا اس میں ایک اور دوسرے کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا جائے گا، بلکہ ایک ہی اصول انصاف کی بنیاد پر سب کا حساب ہو گا۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے: تمہاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر۔ جو کوئی بھی برا کرے گا وہ اس کا بدلہ پائے گا۔ اور وہ نپائے گا اللہ کے سوا اپنا کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔ اور جو شخص کوئی نیک کام کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہو، تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہو گا۔ (النساء۔ ۱۲۳-۱۲۴)

مغیبر کی روحانی جدوجہد کے نتیجے میں جو لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں، وہ مغیبر کی امت کہے جاتے ہیں۔ اس امت کی پہلی نسل کے افراد کا ایمان زندہ ایمان ہوتا ہے۔ ان کی زندگی عمل صالح کا نمونہ ہوتی ہے۔ مگر امت کی بعد کی نسلوں میں ایمان ہو عمل کا جذبہ کمزور ہو جاتا ہے۔ اب وہ عمل کے بجائے آرزوؤں اور خوش گمانوں میں جینے لگتے ہیں۔ وہ ذاتی عمل کے بجائے مغیبر کی امت سے گروئی ہوئی بنگلی ہی کو عبادت کے لئے کافی سمجھ لیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے یہود کا پہلی حال ہو چکا تھا جو اپنے آپ کو موسیٰ کی امت سمجھتے تھے۔ تاہم یہ صرف یہود کی صفت نہیں ہے بلکہ وہ اس زوال کا نتیجہ ہے جو ہر امت پر لازماً پیش آتا ہے اور قرآن اور حدیث کے بیان کے مطابق خود امت مسلمہ پر بھی پیش آنے والا ہے۔ قرآن کی یہ آیت بتاتی ہے کہ اس معاملہ میں خود مسلمانوں کے ساتھ بھی خدا کا قانون وہی ہے جو کہ یہود کے ساتھ تھا۔

امت مسلمہ کے ساتھ بھی یہی پیش آئے گا کہ پہلی نسل میں اس کے افراد زندہ ایمان کے حامل ہوں گے۔ ان کا سارا اٹھنا عمل صالح پر ہو گا۔ ان کی ساری توجہ اس پر رہے گی کہ وہ

دنیا میں سچے ایمان اور حقیقی عمل کا ثبوت دیں تاکہ آخرت میں وہ خدا کی عدالت میں خدا کی رحمتوں کے مستحق قرار پائیں۔ مگر بعد کی نسلوں میں جب وہ زوال کے شکار ہوں گے تو یہ صورت حال بالکل بدل جائے گی۔

اب آخرت کی کامیابی کو پانے کے لئے صرف خوش فہمیاں ان کو کافی نظر آنے لگیں گی۔ ان کے درمیان طرح طرح کے پراسرار عقیدے پیدا ہو جائیں گے جن کی کوئی اصل قرآن و سنت میں نہ ہوگی۔ مگر جو نئے قصے کہانیوں اور مفروضہ بزرگوں کے خوش نما اقوال کی بنیاد پر وہ ان پر اس طرح یقین کر لیں گے جیسے کہ وہ بر اور راست آسمان سے ان کے اوپر اتاری گئی ہیں۔ کچھ ظاہری اعمال، کسی بزرگ کی سفارش، کسی بڑے گروہ سے وابستگی، کچھ پاک کلمات کا درود، حتیٰ کہ نعت خوانی اور قبروں کی زیارت، بس اس قسم کے سنتے اور نمائشی اعمال سے وہ یہ امید قائم کر لیں گے کہ وہ ان کو جہنم سے بچانے کے لئے کافی ہو جائیں گے اور ان کو یقینی طور پر جنت کی پر بہار باغوں میں داخل کر دیں گے۔ مگر قرآن کے مطابق، یہ سب بے بنیاد خوش فہمیاں ہیں جو نہ یہود کے کام آنے والی ہیں اور نہ مسلمانوں کے کام آنے والی۔

اس قسم کی خوش خیالیاں خواہ ان کو کتنے ہی خوب صورت الفاظ میں بیان کیا گیا ہو، وہ خدا کی میزان عدل میں سراسر بے حقیقت ہیں۔ اللہ کا نظام حد درجہ حکم نظام ہے۔ اس کے یہاں تمام فیصلے حقیقتوں کی بنیاد پر ہوتے ہیں نہ کہ محض آرزوئیں کی بنیاد پر۔ اللہ کی عدالت میں ہر آدمی کا اپنا عمل دیکھا جائے گا اور جیسا جس کا عمل ہو گا ٹھیک اسی کے مطابق اس کا فیصلہ ہو گا۔ اللہ کے قانون عدل کے سوا کوئی بھی دوسری چیز نہیں جو اللہ کے یہاں فیصلہ کی بنیاد بننے والی ہو۔

4-817

www.KitaboSunnat.com  
عادلانہ زندگی

قرآن میں اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے خوب گواہی دینے والے بنو، چاہے وہ تمہارے یا تمہارے ماں باپ

یا عزیزوں کے خلاف ہو۔ اگر کوئی مال دار ہے یا محتاج تو اللہ تم سے زیادہ دونوں کا خیر خواہ ہے۔ پس تم خواہش کی پیروی نہ کرو کہ حق سے ہٹ جاؤ۔ اور اگر تم کچی کرو گے یا پہلو جی کرو گے تو جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ (النساء ۱۳۸)

اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دنیا میں عدل کا نظام یا عدل کی حکومت قائم کرو۔ یہ کوئی سیاسی آیت نہیں ہے اس کا خطاب تمام تر فرد سے ہے۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ فرد مسلم دنیا میں کس طرح رہے۔ اس کے مطابق ہر شخص کو چاہئے کہ اپنی ذاتی زندگی کو عدل و انصاف کے اصول پر قائم کرے۔ اس معاملے میں وہ اپنا نگران آپ بن جائے۔

انسان کی زندگی میں بار بار ایسا ہوتا ہے کہ اس کے سامنے ایسا معاملہ آتا ہے جس میں ایک راستہ اپنے مفاد اور خواہش کا ہوتا ہے اور دوسرا حق اور انصاف کا۔ جو لوگ اللہ کی طرف سے غافل ہوتے ہیں، جن کو یقین نہیں ہوتا کہ اللہ ہر وقت ان کو دیکھ رہا ہے وہ ایسے موقع پر اپنی خواہش کے رخ پر چل پڑتے ہیں۔ وہ اس کو کامیابی سمجھتے ہیں کہ حق کی پروا نہ کریں اور معاملہ کو اپنے مفاد اور اپنی مصلحت کے مطابق طے کریں۔ مگر جو آدمی اللہ سے ڈرتا ہے، جو اللہ کو اپنا نگران بنائے ہوئے ہے وہ تمام ٹرانساف کے پہلو کو دیکھتا ہے اور وہی کرتا ہے جو حق و انصاف کا تقاضا ہو۔ اس کی کوشش ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ اس کو موت آئے تو اس حال میں کہ اس نے کسی کے ساتھ بے انصافی نہ کی ہو، وہ اپنے آپ کو مکمل طور پر قسط اور عدل پر قائم کئے ہوئے ہو۔

ایسے آدمی کی انصاف پسندی کا جذبہ اتنا بڑھا ہوتا ہے کہ اس کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے کہ وہ انصاف سے ہٹا ہوا کوئی رویہ دیکھے اور اس کو برداشت کر لے۔ جب بھی ایسا کوئی معاملہ سامنے آتا ہے کہ ایک شخص دوسرے کے ساتھ نا انصافی کر رہا ہو تو وہ ایسے موقع پر حق کا اعلان کرنے سے باز نہیں رہتا۔ اگر انصاف کا اعلان کرنے میں اس کے قریبی تعلق والوں پر زبردستی ہو، اس کی اپنی مصلحتیں مجروح ہوتی ہوں تب بھی وہ وہی کہتا ہے جو انصاف کی رو سے اسے کہنا چاہئے۔ اس کی زبان کھلتی ہے تو اللہ کے لئے کھلتی ہے نہ کہ کسی اور چیز کے لئے۔ اسی طرح یہ ہانا

جی خلاف عدل ہے کہ صاحب معاملہ طاقت ور ہو تو اس کو اس کا حق دیا جائے اور اگر صاحب معاملہ کمزور ہو تو اس کا حق اس کو نہ دیا جائے۔ ممکن وہ ہے جو ہر آدمی کے ساتھ انصاف کرے خواہ وہ زور آور ہو یا کمزور۔

جب کوئی آدمی با انصافی کا ساتھ دے تو وہ یہ کہہ کر ایسا نہیں کرتا کہ میں با انصافی کرنے والے کا ساتھی ہوں۔ بلکہ وہ اپنی با انصافی کو انصاف کا رنگ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ دو میں ایک رو بہ اختیار کرتا ہے۔ یا تو وہ یہ کہتا ہے کہ اصل بات کو بدل دیتا ہے۔ وہ معاملہ کی نوعیت کو ایسے الفاظ میں بیان کرتا ہے جس سے ظاہر ہو کہ یہ با انصافی کا معاملہ نہیں بلکہ عین انصاف کا معاملہ ہے، جس کے ساتھ زیادتی کی جارہی ہے وہ اسی کا مستحق ہے کہ اس کے ساتھ ویسا کیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی خاموشی اختیار کر لے۔ یہ جانتے ہوئے کہ یہاں با انصافی کی جارہی ہے۔ وہ اس کے معاملے میں غیر جانب دار بن جائے۔ پھر جو کہنے کی بات ہے اس کو وہ زبان پر نہ لائے۔ اس قسم کا طرز عمل ثابت کرتا ہے آدمی اپنے اوپر اللہ کو گراں نہیں سمجھتا۔ وہ اس آنے والے دن سے بے فکر ہے جب کہ خدا اس کو پکڑے گا اور اس سے اس کے قول پور فصل کا حساب لے گا۔

5-818

استحکام دین

ہجرت کے دسویں سال قرآن کی وہ آیت اتری جس کو تکمیل دین کی آیت کہا جاتا ہے۔ وہ آیت یہ ہے: **اليوم ينس اللہین کفروا من دینکم فلا تعشومہم و اعشونہم الیوم اکملت لک دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً (الناس ۳)** یعنی آج انکار کرنے والے لوگ تمہارے دین کی طرف سے مایوس ہو گئے۔ پس تم ان سے نہ ڈرو، صرف مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی پھر تمہارے لئے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا۔

اس آیت میں تکمیل سے مراد فہرست احکام کی تکمیل نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ ثابت ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد بھی قرآن میں نئی احکام آئے۔ (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ۶/۷۳)

مزید یہ کہ اس آیت میں تکمیل دین کا فائدہ دیتے ہوئے یہ نہیں کہا گیا کہ اب تم کو ہر حکم قرآن میں مل جائے گا کیوں کہ سارے ممکن احکام قرآن میں اتار دئے گئے ہیں۔ بلکہ اس کے بجائے یہ کہا گیا کہ اب منکرین اور مخالفین اس سے بے یاس ہو چکے ہیں کہ وہ تمہارے خلاف کچھ کر سکیں۔ اب تمہارے لئے حیثیت (ڈر) کا مسئلہ خدا کی طرف سے ہے نہ کہ انسانوں کی طرف سے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہاں تکمیل دین سے مراد دین کا استحکام ہے نہ کہ فہرست احکام کی تکمیل۔ جب یہ آیت اتری اس وقت کہ فتح ہو چکا تھا اور عرب کے تمام قبائل مدینہ کی اسلامی ریاست کے تحت آچکے تھے۔ مشرک کی مغلوبیت اور توحید کے قلب کا مقصد پوری طرح حاصل ہو چکا تھا۔ اس طرح واضح ہو گیا تھا کہ اسلام ایک محکم دین کی حیثیت حاصل کر چکا ہے۔ اس سلسلے میں یہاں دو حوالے نقل کئے جاتے ہیں:

وقیل: "اکملت لکم دینکم" بأن اعلکت (لکم) عدوکم و اظہرت دینکم علی الدین کلہ کما نقول: قد تم لنا ما نرید اذا کفیت عدوک۔ (تفسیر القرطبی، ۶/۷۴)

بنسوا من دینکم ان یظہروہ لان اللہ تعالیٰ و فی ہو عدہ من اظہارہ علی الدین کلہ.....

(اکملت لکم دینکم) بأن کفیت عدوکم و اظہرتکم علیہم کما یقول الملوک الیوم کمل لنا الملک امی کفینا من کنا نخافہ (تفسیر النسفی، ۱/۲۷۰)

یعنی اللہ نے دین اسلام کو اس طرح کامل کر دیا کہ اسلام کے دشمن ہمیشہ کے لئے مغلوب ہو گئے اور دین اسلام کو تمام دینوں کے اوپر غالب کر دیا۔ اب دشمن تمہارے ہارے میں مایوس ہو گئے ہیں کہ وہ اس دین کو مغلوب کر سکیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے بادشاہ لوگ کہتے ہیں کہ آج ہمارا

اقتدار مکمل ہو گیا یعنی آج ہمارے دشمنوں سے کوئی خطرہ نہیں رہا۔

دین اسلام کے مستحکم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ اس طرح محفوظ ہو چکا ہے کہ اس کی محفوظیت کے لئے اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔ دنیا کے انقلابات اب کبھی بھی اسلام کو منانے میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ دنیا کی کوئی بھی علمی ترقی اسلام کی صداقت کو مشتبہ نہ کر سکے گی۔ بعد کے زمانے کی دریافتیں اسلام کی صداقت کو ثابت کرنے والی ہوں گی نہ کہ اس کی تردید کرنے والی۔ ہر دور میں اسلام کو ایسے حامی اور مددگار ملتے رہیں گے جو اس کو ایک سچے دین کی حیثیت سے زندہ رکھیں، وغیرہ۔

قرآن کی یہ آیت قرآن کے کتاب الہی ہونے کا ایک کھلا ثبوت ہے۔ کیوں کہ چودہ سو سال پہلے کا ایک اعلان ہر قسم کے اختلاف کے باوجود اپنی معنویت کو باقی رکھے ہوئے ہے۔ یہ اعلان استثنائی طور پر ابدی اعلان بنا ہوا ہے۔

### 5-818

#### مومن کی پہچان

قرآن میں اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو اور اس کے اس عہد کو یاد کرو جو اس نے تم سے لیا ہے۔ جب کہ تم نے کہا کہ ہم نے سنا اور ہم نے مانا۔ اے ایمان والو! اللہ کے لئے قائم رہنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو۔ اور کسی گروہ کی دشمنی تم کو اس پر نہ ابھارے کہ تم انصاف نہ کرو، انصاف کرو۔ یہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو۔ (المائدہ ۷-۸)

ایمان ایک عہد ہے جو بندے اور خدا کے درمیان قرار پاتا ہے۔ بندہ یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ دنیا میں اللہ کی مرضی کے مطابق رہے گا۔ بندے کو اپنے عہد میں پورا اترنے کے لئے دو باتوں کا ثبوت دینا ہے۔ ایک یہ کہ وہ قوام اللہ بن جائے۔ یعنی وہ خدا کی باتوں پر خوب قائم رہنے والا ہو۔ اس کا وجود ہر موقع پر صحیح ترین جواب پیش کرے جو بندے کو اپنے رب کے لئے پیش کرنا چاہئے۔

وہ جب کائنات کو دیکھے تو اس کا ذہن خدا کی قدرتوں اور عظمتوں کے تصور سے سرشار ہو جائے۔ وہ جب اپنے آپ کو دیکھے تو اس کو اپنی زندگی سر پناہ اللہ کا فضل اور اس کا احسان نظر آئے۔ اس کے جذبات اٹھیں تو خدا کے لئے اٹھیں۔ اس کی توجہات کسی چیز کو اپنا مرکز بنائیں تو خدا کو بنائیں۔ اس کی محبت خدا کے لئے ہو۔ اس کے اندیشے خدا سے وابستہ ہوں۔ اس کی یادوں میں خدا سمایا ہو۔ وہ خدا کی عبادت و اطاعت کرے۔ خدا کے راستہ میں اپنے اللہ کو خرچ کرے۔ وہ اپنے آپ کو خدا کے دین کے راستہ میں لگا کر خوش ہوتا ہو۔

عہد پر قائم رہنے کی دوسری شرط بندوں کے ساتھ انصاف ہے۔ انصاف کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے ساتھ کئی بیشی کئے بغیر وہ سلوک کرنا جس کا وہ ہاتھ بڑا واقعہ مستحق ہے، معاملات میں حق کو اپنانا نہ کہ اپنی خواہشات کو۔ اس معاملہ میں بندے کو اتنا زیادہ پابند بنانا ہے کہ وہ ایسے مواقع پر بھی اپنے کو انصاف سے باندھے رہے جب کہ وہ دشمنوں اور باطل پرستوں سے معاملہ کر رہا ہو، جب کہ شکایتیں اور تلخ یادیں اس کو انصاف کے راستہ سے پھیرنے لگیں۔

دین میں خدا نشانوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی ایسے دلائل کی صورت میں جس کی گات آدمی کے پاس موجود نہ ہو۔ جب آدمی کے پاس خدا کی دلیل آئے اور وہ اس کو ماننے کے بجائے اس پر لفظی ٹھکرار کرنے لگے تو اس نے خدا کی نشانی کو چھلایا۔ ایسے لوگ خدا کے یہاں سخت سزا پائیں گے۔ اور جن لوگوں نے اس کو مان لیا وہ خدا کے انعام کے مستحق ہوں گے۔

5-428

أمر بالسرف خصي عن المنكر

قرآن میں بتلایا گیا ہے کہ — نئی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر لعنت کی گئی، داؤد اور ابن مریم کی زبان سے۔ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے اس برائی سے جو وہ کرتے تھے۔ نہایت ہر اکام تھا جو وہ کر رہے تھے۔ (المائدہ ۸۰-۷۹)

لعنت کا مطلب ہے خدا کی رحمت سے دور ہونا۔ قرآن یا حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت زکریا یا حضرت یحییٰ نے نبی اسرائیل سے یہ کہا تو کہ اے نبی اسرائیل تم پر لعنت ہو یا یہ کہ تم لوگ ملعون ہو۔ ایسی حالت میں سواہل یہ ہے کہ ان پیغمبروں کے ذریعہ نبی اسرائیل پر جو لعنت کی گئی اس کی صورت کیا تھی۔

قرآن و حدیث نیز بائبل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پیغمبروں نے یہ کیا کہ ان کو ایک پوز (expose) کر دیا۔ یعنی وہ اندر سے دینی اسپرٹ سے خالی ہو چکے تھے لیکن اوپر سے وہ دین داری کا شاعر لہاؤں سے ہوتے تھے۔ ان پیغمبروں نے یہ کیا کہ ان کی اس منافقت اور نمائشی دیدار ہی کا پردہ کھول دیا۔ اور انہیں بتایا کہ اس قسم کی بے روح مذہبیت خدا کے یہاں کچھ کام آنے والی نہیں ہے۔

بائبل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اسرائیل اپنے زوال کے زمانے میں بالکل بے دین نہیں ہو گئے تھے۔ ان کے یہاں تورات کو پڑھتے اور پڑھانے کے ادارے قائم تھے ان کے یہاں نماز (عبادت) بھی موجود تھی۔ وہ ذریعہ اور میں عشر نکالتے تھے۔ ان کے علماء حوام کے سامنے مذہبی موضوعات پر خوش نما تقریریں کرتے تھے۔ اس قسم کی بہت سی مذہبی سرگرمیاں ان کے درمیان جاری تھیں۔ مگر انہوں نے ایک خدائی حکم کو بالکل چھوڑ رکھا تھا۔ وہ ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ یعنی اپنی قوم کے لوگوں کو برائیوں سے منع کرنا اور انہیں ظلم کو چھوڑ کر عدل کا طریقہ اختیار کرنے کی تلقین کرنا۔

یہودی علماء چاہتے تھے کہ وہ اپنی قوم کے درمیان اچھے بنے رہیں۔ انہیں قوم کے لوہے کی سیادت حاصل رہے۔ سب کا وہ چہ ہے کہ وہ اپنی قوم کے لوگوں کو برائی اور زیادتی کرتے دیکھتے تھے مگر وہ ایسے افراد کی مذمت نہیں کرتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اپنی قوم کے درمیان برے بھی نہ بنیں اور دین کا کریڈٹ بھی انہیں حاصل رہے۔ مگر قرآن و حدیث کی واضح تصریح کے مطابق ایسا ہونا ممکن نہیں۔ علماء کو اپنی قوم کی زیادتیوں اور ان کی مشدائد کارروائیوں کے خلاف اٹھنا ہوگا۔ اس

کے بغیر صرف اوپری قسم کی دین داری یا رول اور ان قسم کی مذہبیت ان کو خدا کی پکڑ سے بچانے والی نہیں۔

5-821

### جنت کی قیمت

قرآن میں ایک صالح گروہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: اور جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر اتارا گیا ہے تو تم دیکھو گے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اس سبب سے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا۔ وہ پکار اٹھتے ہیں کہ لے ہمارے رب ہم ایمان لائے۔ پس تو ہم کو گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔ اور ہم کیوں نہ ایمان لائیں اللہ پر اور اس حق پر جو ہمیں پہنچا ہے جب کہ ہم یہ آرزو رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہم کو صالح لوگوں کے ساتھ شامل کرے۔ پس اللہ ان کو اس قول کے بدلہ میں ایسے باغ دے گا جن کے نیچے مہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ (المائدہ ۸۳-۸۵)

ان آیات کے مطابق، اللہ نے مذکورہ گروہ کے لئے جنت کا فیصلہ فرمایا۔ اور یہ فیصلہ ان کے ایک قول کی بنا پر تھا (فَالَّذِينَ آمَنُوا بِمَا قَالُوا جنت)۔ یہاں بات حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ جس شخص نے کہا کہ اللہ کے سوا کئی معبود نہیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (من قال لا اله الا الله دخل الجنة)

اس آیت میں جنت کو ”قول“ کا بدلہ قرار دیا گیا ہے۔ مگر وہ قول کیا تھا جس نے اس کے ظلمین کو ابدی جنت کا مستحق بنایا۔ وہ قول ان کی پوری ہستی کا نمائندہ تھا۔ وہ ان کی شخصیت کے لئے کی آواز تھا۔ انھوں نے اللہ کے کلام کو اس طرح سنا کہ اس کے اندر جو حق تھا اس کو وہ پوری طرح پائے۔ وہ ان کے دل و دماغ میں اتر گیا۔ اس نے ان کے اندر ایسا انقلاب برپا کیا کہ ان کے جملوں اور تمناؤں کا مرکز بدل گیا۔ تعصب اور مصلحت کی تمام دیواریں ڈھ پڑیں۔ انھوں نے اللہ کے ساتھ اپنے آپ کو اس طرح شامل کیا کہ اس سے الگ ان کی کوئی ہستی باقی نہ رہی۔ وہ اس کو گواہ بن گئے، اور گواہ بنا ایک حقیقت کا انسان کی صورت میں مجسم ہوتا ہے۔ قرآن اب ان

کے لئے محض ایک کتاب نہ رہا بلکہ مالک کائنات کی زندہ نشانی بن گیا۔ یہ رہانی تجربہ جو ان پر گزرا بظاہر اس کا اظہار اگرچہ لفظوں کی صورت میں ہوا تھا لیکن ان کے یہ الفاظ الفاظ نہ تھے بلکہ وہ ایک زلزلہ تھا جس نے ان کے پورے وجود کو ہلادیا۔ حتیٰ کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہ پڑیں۔

قول اپنی حقیقت کے اعتبار سے کسی قسم کے لسانی تلفظ کا نام نہیں۔ وہ آدمی کے عمل کو معنویت کا روپ دینے کی اعلیٰ ترین صورت ہے جس کا اختیار معلوم کائنات میں صرف انسان کو حاصل ہے۔ ایک حقیقی قول سب سے زیادہ لطیف اور سب سے زیادہ با معنی واقعہ ہے۔ قول آدمی کی ہستی کا سب سے بڑا اظہار ہے۔ قول گویا ایک مطلق عمل ہے۔ اس لئے جب کوئی شخص قول کی سطح پر اپنی عہدیت کا ثبوت دے دے تو وہ جنت کا یقینی استحقاق حاصل کر لیتا ہے۔

سچا قول بلاشبہ سب سے بڑا عمل ہے۔ انسان جیسی ایک آزاد اور با اختیار مخلوق کی زبان سے ایک حقیقی کلمہ اعتراف اتنا عظیم ہے کہ زمین و آسمان کی عظمت بھی اس کے برابر نہیں ہو سکتی۔ اس قسم کا ایک قول بندے کی طرف سے اپنے رب کے لئے ایک نادر تحفہ ہے۔ اور جنت اسی نادر تحفہ کا خدائی انعام۔

6-822

### تالون التباس

مکرمین کے ایک مطالبہ کے جواب میں قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اور وہ کہتے ہیں کہ پیغمبر کے اوپر فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا۔ اور اگر ہم کوئی فرشتہ اتارتے تو معاملہ کا فیصلہ ہو جاتا پھر انھیں کوئی مہلت نہ ملتی۔ اور اگر ہم کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجے تو اس کو بھی آدمی بناتے اور ان کو اسی شہہ میں ڈال دیتے جس میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں۔ (الانعام ۸-۹)

پیغمبر کے معاصرین نے پیغمبر سے کہا کہ آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ کے پاس خدا کا فرشتہ خدا کی وحی لے کر آتا ہے تو یہ فرشتہ پوشیدہ طور پر کیوں آتا ہے، اس کو عطا یہ طور آپ کے پاس آنا چاہئے تاکہ ہم اس کو دیکھیں اور پھر آپ پر ایمان لانا ہمارے لئے آسان ہو جائے۔ اس کے

جواب میں کہا گیا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ اس دنیا میں انسان کا امتحان یہ ہے کہ وہ غیب کی حالت میں رہتے ہوئے ایمان لائے۔ خدا کو وہ ایمان مطلوب ہی نہیں جو سب کچھ دیکھ لینے کے بعد وجود میں آیا ہو۔

اس سنت الہی کی بنا پر موجودہ دنیا میں ہر چیز کے ساتھ ایک شبہ کا عنصر (element of doubt) شامل رکھا گیا ہے۔ خدا کا طریقہ یہ ہے کہ انسان کو حقیقتیں غیر برہنہ صورت میں دکھائی جائیں۔ اور پھر وہ اپنی عقل اور بصیرت کو استعمال کرتے ہوئے ان کو برہنہ صورت میں دریافت کرے اور ان پر ایمان لائے۔

اس دنیا میں دعوت حق کا سارا معاملہ خدا کے قانون التباس پر مبنی ہے۔ یہاں حق کے اوپر شبہ کا ایک پہلو ہمیشہ باقی رہتا ہے تاکہ آدمی اقرار کے دلائل کے ساتھ کچھ انکار کے وجوہ بھی پاسکتا ہو۔ آدمی کا اصل امتحان یہ ہے کہ وہ اس شبہ کے پردے کو بھاڑ کر اپنے کو یقین کے مقام پر پہنچائے۔ وہ شبہ کے پہلوؤں کو حذف کر کے یقین کے پہلوؤں کو لے لے۔ آدمی کا اصل امتحان یہ ہے کہ وہ دیکھے بغیر مانے۔ جب حقیقت کو دکھا دیا جائے تو اس کے بعد ماننے کی کوئی قیمت نہیں۔

انسان موجودہ کائنات میں ایک غیر معمولی قسم کی مخلوق ہے۔ اس کو استثنائی طور پر عقل اور تمیز کی صلاحیت دی گئی ہے۔ وہ اپنی بصیرت سے حق اور نا حق کے درمیان فریق کر سکتا ہے۔ وہ یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ ظاہر میں باطن کو دریافت کرے۔ وہ دیکھے بغیر ان چیزوں کو جان لے جو ظاہر دکھائی نہیں دیتیں۔

انسان کی یہ خصوصی صلاحیت اس کی آزمائش کے عین مطابق ہے۔ اس دنیا میں انسان سے عین وہی امتحان لیا جا رہا ہے جس کا اہل بنا کر اس کو پیدا کیا گیا۔ ایسی حالت میں حقیقتوں کے ساتھ شبہ کا عنصر ہونا انسان کے لئے کوئی عذر نہیں۔ اس کو بہر حال یہ کرنا ہے کہ شبہ کے باوجود حقیقتوں کو پہچانے۔ جو آدمی اس امتحان میں ناکام ہو جائے اس کو کوئی بھی چیز آخرت کی پکڑ سے بچانے والی نہیں۔

یہ امتحان سب سے زیادہ دماغی حق کے معاملہ میں ہوتا ہے۔ حق کا دماغی ہمیشہ اپنے ہم زمانہ لوگوں کو ایک عام انسان کے روپ میں دکھائی دیتا ہے۔ اس کی یہ تصویر لوگوں کو اکثر شبہ میں مبتلا رکھتی ہے۔ دماغی کی زندگی اور اس کے کلام میں واضح طور پر یہ ثبوت ہوتا ہے کہ وہ حق کا دماغی ہے لیکن لوگ شبہات میں پڑ کر اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ دماغی حق کے ساتھ اس کے معاصرین کا یہ سلوک بلاشبہ ایک ناقابل معافی جرم ہے، کوئی بھی عذر انہیں اس کوتاہی سے بری الذمہ کرنے والا نہیں۔

8-828

### نتیجہ کی اہمیت

قرآن میں اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: اور اللہ کے سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں ان کو گالی نہ دو ورنہ یہ لوگ حد سے گزر کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں گے۔ اسی طرح ہم نے ہر گروہ کی نظر میں اس کے عمل کو خوشنما بنا دیا ہے۔ پھر ان سب کو اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے۔ اس وقت اللہ انہیں نادمے کا جوہہ کرتے تھے۔ (الانعام ۱۰۸)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں ایک ایسا کام کرنا جائز نہیں جو بظاہر درست نظر آئے مگر وہ بالآخر نتیجہ پیدا کرنے والا (counter-productive) ہو۔ کسی اقدام کے وقت صرف اس کی اصولی حیثیت نہیں دیکھی جائے گی بلکہ یہ بھی دیکھا جائے گا کہ عملی طور پر اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ اگر عملی نتیجہ اٹنی صورت میں نکلے تو فرض کے درجہ میں ضروری ہو گا کہ اہل ایمان اس سے کھل طور پر پرہیز کریں۔

شرکیں کے بتوں یا ان کے نہ ہی اکابر کو برا کہا جائے تو بظاہر یہ کوئی غلط بات نہیں۔ لیکن کوئی گروہ جب لمبی مدت سے ایک عمل کو مقدس سمجھ کر رہا ہو تو اس کے ساتھ اس کی عصبیتیں جڑ جاتی ہیں۔ ایسی حالت میں اگر اہل ایمان ان کو برا کہیں تو وہ مختل ہو جائیں گے اور جذبات سے مغلوب ہو کر اسلامی عصبیتوں، حتیٰ کہ خود خدہ کو برا کہنے لگیں گے۔ اس لئے اہل ایمان کو چاہئے کہ

وہ اس قسم کی برائی پیدا کرنے کا سبب نہیں۔

ممانعت کا یہ حکم تنقیص یا سببِ دشمنی کے لئے ہے۔ جہاں تک دلیل پر مبنی تنقید و تجزیہ کا تعلق ہے، وہ اسلام میں نہ صرف جائز بلکہ مطلوب ہے۔ قرآن میں اور رسول اللہ کے کلام میں اس کے واضح نمونے موجود ہیں۔

B-024

زعمہ انسان

قرآن میں ہدایت پائے ہوئے لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوا ہے: کیا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندگی دی اور ہم نے اس کو ایک روشنی دی کہ اس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہے، وہ اس سے نکلنے والا نہیں۔ اس طرح منکروں کی نظر میں ان کے اعمال خوش نمایاں کیے گئے ہیں۔ (الانعام ۱۱۲)

اس آیت میں مومن اور غیر مومن کا فرق زعمہ انسان اور مردمان کی مثال کے ذریعہ بتایا گیا ہے۔ جس آدمی کو حق نہ ملا ہو اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ غیر حقیقی افکار اور تضادات میں گھرا ہوتا ہے۔ حق بات سامنے آئے تو وہ حق پر غور کرنے کے بجائے اس کو پاش کرنے والے کی شخصیت کو دیکھے گا اور جب وہ اس کو غیر اہم نظر آئے گی تو وہ اس کی بات کو نظر انداز کر دے گا۔

اس طرح اس کے ذہن پر اپنے باہمی مفادات کا ظہر ہو گا جب اس کو دکھائی دے گا کہ حق کا ساتھ دینے میں اس کے مفادات بدمردج ہو رہے ہیں تو وہ مفادات کو بڑی چیز سمجھ کر لے لے گا اور حق کو چھوٹی چیز سمجھ کر اسے چھوڑ دے گا۔ ایک خاص گروہ سے لمبی مدت تک وابستہ رہنے کی بنا پر وہ تضادات حد تک اس سے جڑ جائے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ جب کسی اور گروہ سے اس کا تعارف ہو گا تو خواہ وہ کتنا ہی برحق ہو مگر اپنے گروہ کے مقابلے میں دوسرے گروہ کی صداقت اس کو نظر نہ آئے گی۔

یہ تقریباً وہی حالت ہے جس کو متعید سوچ (conditioned thinking) کہا جاتا ہے۔

آدمی لمبی وابستگی کے بعد ایک خاص روش سے اتنا زیادہ مانوس ہو جاتا ہے کہ وہ بس اسی میں جینے لگتا ہے۔ اس کے باہر کسی چیز کی اہمیت اسے نظر نہیں آتی۔ یہی وہ شخص ہے جس کو قرآن میں مردہ انسان کہا گیا ہے۔ ایسا انسان حیاتِ حقیقی اعتبار سے زندہ مگر وہ شعور کے اعتبار سے مردہ ہوتا ہے۔

اس کے مقابلے میں دوسرا انسان وہ ہے جس کی فطرت ابھی زندہ تھی اس کے سامنے حق آیا تو اس نے کھلے ذہن سے اس پر غور کیا۔ یہاں تک کہ حق اس کے قلب اور روح میں اتر گیا۔ حق کو پانے کے بعد اس کا حال ایسا ہوا جیسے ایک سو کھادر رخت پانی ملنے کے بعد ہرا بھرا ہو جائے۔ حق نے اس کو حیوان کی سطح سے بلند کر کے حقیقی انسان کی سطح پر پہنچا دیا۔

اب اس کا حال یہ ہو گیا کہ اس کی پوری زندگی حق کی روشنی میں گزرنے لگی۔ ایک طرف اس کا ذہن صحیح سمت میں ارتقاء کرنے لگا۔ صحیح و شام کے روحانی تجربات اس کی شخصیت کی مثبت تعمیر کرنے لگے۔ اس کی زندگی با اصول انسان کی زندگی بن گئی۔ دوسری طرف وہ اپنے ماحول میں ایک روشنی کی مانند بن گیا۔ وہ لوگوں کو حق کا راستہ دکھانے لگا۔ اس کو ایک ایسا رہانی مشن مل گیا جس کے لئے وہ اپنی ساری عمر کام کرتا رہے۔

اس تقسیم میں پہلا انسان گویا ایک مردہ انسان ہے، اور دوسرا انسان حقیقی معنوں میں ایک زندہ انسان۔ جو آدمی حیوانیت کی سطح پر جے وہ آدمیت کی حیثیت سے ایک مردہ انسان بن گیا۔ اور جو آدمی حیوانیت سے بلند ہو کر انسانیت کی سطح پر جی رہا ہو، وہی اس قابل ہے کہ اس کو حقیقی معنوں میں زندہ انسان کہا جائے۔

## 6-925

### ہدایت اور ضلالت

ہدایت اور گمراہی کا اصول قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: اللہ جس کو چاہتا ہے کہ ہدایت دے تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے کہ گمراہ کرے تو اس کے سینہ کو بالکل تنگ کر دیتا ہے، جیسے کہ اس کو آسمان پر چڑھنا پڑ رہا ہو۔ اس طرح اللہ گمراہی ڈال

دیتا ہے ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔ (الانعام ۱۲۵)

اس آیت میں بظاہر ہدایت اور ضلالت کو خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے مگر حقیقت اس کی نسبت انسانی فطرت کی طرف ہے جو ہر ایک کو خدا کی طرف سے ملی ہوئی ہے۔ جو آدمی اپنی فطرت کو اس کی اصل حالت پر باقی رکھے اس کے لئے اس کی فطرت ایک خدائی رہنما بن جائے گی۔ اس کے برعکس جو آدمی اپنی فطرت کو بگاڑ دے یا اس کو کند گراڈالے وہ فطرت کی رہنمائی سے محروم ہو کر گمراہیوں میں بھٹکتا رہے گا۔

حق اپنی ذات میں اتنا واضح ہے کہ اس کا سمجھنا کبھی کسی آدمی کے لئے مشکل نہیں ہو سکتا۔ پھر بھی ہر زمانہ میں بے شمار لوگ حق کی وضاحت کے باوجود حق کو قبول نہیں کرتے۔ اس کی وجہ ان کے اندر کی وہ رکاوٹیں ہیں جو وہ اپنی نفسیات میں پیدا کر لیتے ہیں۔ کوئی اپنے آپ کو مقدس ہستیوں سے اتنا زیادہ وابستہ کر لیتا ہے کہ ان کو چھوڑتے ہوئے اس کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ بالکل برباد ہو جائے گا۔ کسی کا حال یہ ہوتا ہے کہ اپنی مصلحتوں کا نظام ٹوٹنے کا اندیشہ اس کے اوپر اتنا زیادہ چھا جاتا ہے کہ اس کے لئے حق کی طرف اقدام کرنا ممکن نہیں رہتا۔ کسی کو نظر آتا ہے کہ حق کو ماننا اپنی بزدائی کے بیٹار کو اپنے ہاتھ سے ڈھا دینا ہے۔ کسی کو محسوس ہوتا ہے کہ ماحول کے رواج کے خلاف ایک بات کو اگر میں نے مان لیا تو میں سارے ماحول میں اجنبی بن کر رہ جاؤں گا۔ اس طرح کے خیالات آدمی کے اوپر اتنا مسلط ہو جاتے ہیں کہ حق کو ماننا اس کو ایک بے حد مشکل بلندی پر چڑھائی کے ہم معنی نظر آنے لگتا ہے جس کو دیکھ کر ہی آدمی کا دل تنگ ہونے لگتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

اس کے برعکس معاملہ ان لوگوں کا ہے جو نفسیاتی پیچیدگیوں میں مبتلا نہیں ہوتے، جو حق کو ہر دوسری چیز سے اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ وہ پہلے سے سچے سچے متلاشی بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لئے جب حق ان کے سامنے آتا ہے تو بلا تاخیر وہ اس کو پہچان لیتے ہیں۔ تمام عذرات اور اندیشوں کو نظر انداز کر کے وہ اس کو قبول کر لیتے ہیں۔

خدا اپنے حق کو نشانیوں (اشاراتی حقائق) کی صورت میں لوگوں کے سامنے لاتا ہے۔ اب جو لوگ اپنے دلوں میں کمزوریاں لئے ہوئے ہیں وہ ان اشارات کی خود ساختہ تاویل کر کے اپنے لئے اس کو نہ ماننے کا جوڑ بنا لیتے ہیں۔ اور جن لوگوں کے سینے کھلے ہوتے ہیں وہ اشارات کو ان کی اصل گہرائیوں کے ساتھ پالیتے ہیں۔ اور ان کو اپنے ذہن کی غذا بنا لیتے ہیں۔ ان کی زندگی فی القور اس سیدھے راستے پر چل پڑتی ہے جو خدا کی براہ راست رہنمائی میں طے ہوتا ہے اور بالآخر آدمی کو ابدی کامیابی کے مقام پر پہنچا دیتا ہے۔

8-926

حجت بالذہ

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: جنہوں نے شرک کیا وہ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا کرتے اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کر لیتے۔ اس طرح جھٹلایا ان لوگوں نے بھی جو ان سے قبل ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھا۔ کہو کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جس کو تم ہمارے سامنے پیش کرو۔ تم تو صرف گمان کی پیروی کر رہے ہو اور محض انکل سے کام لیتے ہو۔ کہو کہ حجت بالذہ (دلیل محکم) تو اللہ کی ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ (الانعام ۱۳۸-۱۳۹)

موجودہ دنیا کو اس کے خالق نے اس طرح بنایا ہے کہ یہاں حقیقی دلیل صرف توحید کے لئے ہو، شرک و الجاد کے لئے اس دنیا میں ظن و قیاس کے سوا کوئی اور چیز نہ پائی جائے۔ انسان کی پوری فکری تاریخ قرآن کے اس بیان کی تصدیق کرتی ہے۔

مثلاً کچھ لوگوں نے شرک کا عقیدہ گھڑا اور اس کے ثبوت میں یہ کہا کہ دنیا کے مظاہر میں جب تعدد ہے تو اس دنیا کا خدا بھی کئی ہونا چاہئے۔ لیکن جب انسانی علم بڑھا اور دنیا کے بارے میں زیادہ واقفیت حاصل ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ تعدد محض ظاہری ہے۔ دنیا کی تمام مختلف چیزیں آخر کار ایک ہی مادی اکائی (ایٹم) سے تشکیل پا کر بنیں۔ حتیٰ کہ پوری وسیع کائنات ایک ہی فطری قانون

کے تحت چل رہی ہے۔ اس طرح مشرکانہ فکر آخر کار ایک فرضی قیاس ثابت ہوا اور موحدانہ فکر کے بارے میں علمی طور پر ثابت ہوا کہ وہ محکم دلیل کی بنیاد پر قائم ہے۔

اسی طرح خدا کے وجود پر شک ظاہر کرتے ہوئے کچھ لوگوں نے کہا کہ اگر خدا نے کائنات کو پیدا کیا ہے تو خدا کو کس نے پیدا کیا۔ لیکن جب علم کا دریا آگے بڑھا تو معلوم ہوا کہ یہ سوال ایک بے بنیاد سوال ہے۔ جدید علم بتاتا ہے کہ اس دنیا میں ہمارے لئے جو انتخاب (choice) ہے وہ بے خدا کائنات (Universe without God) اور باخدا کائنات (Universe with God) میں نہیں ہے بلکہ ہمارے لئے اصل انتخاب باخدا کائنات (Universe with God) یا غیر موجود کائنات (no universe at all) کے درمیان ہے۔ اب چونکہ ہمارے لئے غیر موجود کائنات کا انتخاب ممکن نہیں، اس لئے واحد ممکن صورت یہ ہے کہ ہم خدا کے وجود کا اقرار کریں۔

### ۱۱-۵۲۱

#### حرام و حلال

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: کہو، آؤ میں سنوں وہ چیزیں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں۔ یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو اور اپنی اولاد کو سفلی کے ڈر سے قل نہ کرو۔ ہم تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی۔ اور بے حیائی کے کام کے پاس نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ۔ اور جس جان کو اللہ نے حرام ٹھہرایا اس کو نہ مارو مگر حق پر۔ یہ باتیں ہیں جن کی خدا نے تمہیں ہدایت فرمائی ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔ اور حیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ سے جو بہتر ہو۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔ اور تاپ تول میں پورا انصاف کرو۔ ہم کسی کے ذمہ وہی چیز لازم کرتے ہیں جس کی اسے طاقت ہو۔ اور جب بولو تو انصاف کی بات بولو خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار کا ہی ہو۔ اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ یہ چیزیں ہیں جس کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔ اور اللہ نے حکم دیا کہ جی میری سیدھی شاہراہ ہے۔ پس اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تم کو اللہ کے راستے سے جدا

کر دیں گے۔ یہ اللہ نے تم کو حکم دیا ہے تاکہ تم بچتے رہو۔ (الانعام ۱۵۱-۱۵۳)

یہ باتیں جو ان آیتوں میں بیان کی گئی ہیں وہ قرآن کے مطابق، خدا کے صراطِ مستقیم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اہل دین کو چاہئے کہ وہ انہیں باتوں پر سب سے زیادہ زور دیں۔ اس کے علاوہ دوسری باتوں پر زور دینا گویا شاہراہ سے ہٹ کر اطراف کے چھوٹے راستوں میں بھٹکتا ہے۔ اور جو لوگ ادھر ادھر کے راستوں میں بھٹک جائیں وہ منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔

### 6-828

#### فرق برائے امتحان

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا اور تم میں سے ایک کا رتبہ دوسرے پر بلند کیا۔ تاکہ وہ آزمائے تم کو اپنے دئے ہوئے میں۔ تمہارا رب جلد سزا دینے والا ہے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (الانعام ۱۶۵)

دنیا میں ایک انسان اور دوسرے انسان کے درمیان برابری نہیں، سیاسی اعتبار سے بھی اور غیر سیاسی اعتبار سے بھی۔ یہ نامر ابرہی خدا کے تخلیقی نقشہ کی بنا پر ہے، وہ کوئی خرابی یا برائی نہیں ہے۔ نامر ابرہی کا یہ نظام نہ ہو تو لوگوں کی آزمائش نہیں کی جاسکتی۔ اسی نامر ابرہی کی وجہ سے وہ تمام حالات پیدا ہوتے ہیں جو لوگوں کے لئے آزمائش کا پرچہ بن سکیں۔

دنیا کا نظام یہ ہے کہ یہاں ایک شخص جاتا ہے اور دوسرا اس کی جگہ آتا ہے۔ ایک قوم پیچھے ہٹا دی جاتی ہے اور دوسری قوم اس کے بجائے زمین کے ذرائع و وسائل پر قبضہ کر لیتی ہے۔ یہ واقعہ بار بار یاد دلاتا ہے کہ یہاں کسی کا اقتدار دائمی نہیں۔ مگر انسان کا حال یہ ہے کہ جب کسی کو زمین پر موقع ملتا ہے تو وہ گزرے ہوئے لوگوں کے انجام کو بھول جاتا ہے۔ وہ اپنے ظلم اور سرکشی کو جائز ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کے دلائل گھڑ لیتا ہے۔ مگر جب خدا حقیقتوں کو برہنہ کرے گا تو آدمی دیکھے گا کہ اس کی ان باتوں کی کوئی قیمت نہ تھی جن کو وہ اپنے موقف کے جواز کے لئے مضبوط دلیل سمجھے ہوئے تھا۔

دنیا میں آدمی کی سرکشی کی وجہ اکثر یہ ہوتی ہے کہ وہ دنیا کی چیزوں کو اپنے حق میں خدا کا انعام سمجھ لیتا ہے۔ حالانکہ دنیا میں جو کچھ کسی کو ملتا ہے وہ صرف بطور آزمائش ہے نہ کہ بطور انعام۔ دنیا کی چیزوں کو آدمی اگر انعام سمجھے تو اس کے اندر فخر پیدا ہو گا اور اگر وہ ان کو آزمائش سمجھے تو اس کے اندر عجز پیدا ہو گا۔ فخر کی نفسیات سرکشی پیدا کرتی ہے اور عجز کی نفسیات اطاعت۔

7-929

### شیطان کی بیروی

قرآن میں انسان کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: اور ہم نے تم کو پیدا کیا، پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی۔ پھر فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ پس انہوں نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ خدا نے کہا کہ تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا جب کہ میں نے تجھ کو حکم دیا تھا۔ ابلیس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھ کو آگ سے بنایا ہے اور آدم کو مٹی سے۔ خدا نے کہا کہ تو اتر یہاں سے۔ تجھے یہ حق نہیں کہ تو اس میں گھمنڈ کرے۔ پس نکل جا، یقیناً تو ذلیل ہے۔ ابلیس نے کہا کہ اس دن تک کے لئے تو مجھے مہلت دے جب کہ سب لوگ اٹھائے جائیں گے۔ خدا نے کہا کہ تجھ کو مہلت دی گئی۔ ابلیس نے کہا کہ چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، میں بھی لوگوں کے لئے تمہاری سیدھی راہ پر بیٹھوں گا۔ پھر ان پر آؤں گا ان کے آگے سے ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے، اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔ خدا نے کہا کہ نکل یہاں سے ذلیل اور ٹھکر لیا ہوا۔ جو کوئی ان میں سے تمہاری راہ پر چلے گا تو میں تم سے جہنم کو بھر دوں گا۔ (الاعراف ۱۱-۱۸)

خدا نے انسان کو اس دنیا میں جو کچھ دیا ہے اس لئے دیا ہے کہ اس کا نفسیاتی جواب وہ شکر کی صورت میں پیش کرے۔ مگر یہی وہ چیز ہے جس کو آدمی اپنے رب کے سامنے پیش نہیں کرتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان اس کے اندر دوسرے دوسرے جذبات ابھار کر اس کو شکر کی نفسیات سے دور کر دیتا ہے۔

آدم اور ابلیس کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ہدایت اور گمراہی کا معرکہ کہاں برپا ہوتا ہے۔ یہ معرکہ ان مواقع پر برپا ہے جہاں آدمی کے اندر حسد اور گھمنڈ کی نفسیات جاگتی ہیں۔ امتحان کی اس دنیا میں بار بار ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی سے اوپر اٹھ جاتا ہے۔ کبھی کوئی شخص دولت و عزت میں دوسرے سے زیادہ حصہ پالیتا ہے۔ کبھی دو آدمیوں کے درمیان ایسا معاملہ پڑتا ہے کہ ایک شخص کے لئے دوسرے کو اس کا جائز حق دینا اپنے کو نیچے گرانے کے ہم معنی نظر آتا ہے۔ کبھی کسی شخص کی زبان سے خدا ایک سچائی کا اعلان کرتا ہے اور لوگوں کو محسوس ہوتا ہے کہ اس کا اعتراف کرنا اس کے مقابلہ میں اپنے کو چھوٹا کرنے کے ہم معنی ہے۔ ایسے مواقع پر شیطان آدمی کے اندر حسد اور گھمنڈ کی نفسیات جگا دیتا ہے۔ ”میں بہتر ہوں“ کے احساس کی بنا پر وہ دوسرے کے فضل کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ یہی خدا کی نظر میں شیطان کے راستہ پر چلنا ہے۔ جس شخص نے ایسے مواقع پر حسد اور گھمنڈ اور بے اعتنائی کا طریقہ اختیار کیا۔ اس نے اپنے کو جہنمی انجام کا مستحق بنا لیا جو شیطان کے لئے مقدر ہے اور جس نے ایسے مواقع پر شیطان کے پیدا کئے ہوئے جذبات کو اپنے اندر رکھ لیا اس نے اس بات کا ثبوت دیا کہ وہ اس قابل ہے کہ اس کو جنت کے باغوں میں بسایا جائے۔

اس دنیا میں جو کچھ کسی کو ملتا ہے وہ خدا کی طرف سے ملتا ہے۔ اس لئے کسی کی فضیلت کا اعتراف دراصل خدا کی تقسیم کے برحق ہونے کا اعتراف ہے اور اس کی فضیلت کو نہ ماننا خدا کی تقسیم کو نہ ماننا ہے۔ اس طرح جب ایک شخص کسی حق کی بنا پر دوسرے کے آگے جھکتا ہے تو وہ کسی آدمی کے آگے نہیں جھکتا بلکہ خدا کے آگے جھکتا ہے۔ کیوں کہ ایسا وہ خدا کے حکم کی بنا پر کر رہا ہے نہ کہ اس آدمی کے ذاتی فضل کی بنا پر۔ شکر تمام نیکیوں کی چیز ہے اور کبر تمام برائیوں کی چیز۔ یہی وجہ ہے کہ شکر سب سے بڑی عبادت ہے اور کبر سب سے بڑا گناہ۔

7-038

پیغمبر صالح کی مثال

حضرت صالح ایک پیغمبر تھے جو قوم ثمود کی طرف بھیجے گئے۔ قوم ثمود نے حضرت صالح

کے ساتھ سرکشی کی۔ اس سلسلے میں قرآن میں ارشاد ہوا ہے: پھر انہوں نے اونٹنی کو کاٹ ڈالا اور اپنے رب کے حکم سے پھر گئے۔ اور انہوں نے کہا، اے صالح اگر تم پیغمبر ہو تو وہ عذاب ہم پر لے آؤ جس سے تم ہم کو ڈراتے تھے۔ پھر انہیں زلزلہ نے آچکڑا اور وہ اپنے گھر میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔ اور صالح یہ کہتے ہوئے ان کی بستی سے نکل گئے کہ اے میری قوم، میں نے تم کو اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی مگر تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے (الاعراف ۷۸-۷۹)

حضرت صالح کی اونٹنی کو مارنے والا اگرچہ قوم کا صرف ایک سرکش آدمی تھا۔ مگر یہاں اس کو پوری قوم کی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا "ان لوگوں نے اونٹنی کو ہلاک کر دیا" اس سے معلوم ہوا کہ کسی گروہ کا ایک شخص برا عمل کرے اور دوسرے لوگ اس کے برے فعل پر راضی رہیں تو سب کے سب اس بجرمانہ فعل میں شریک قرار دئے جاتے ہیں۔

جو قوم خواہش پرستی کا شکار ہو اس کو حقیقت پسندی کی باتیں اپیل نہیں کرتیں۔ وہ ایسے شخص کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہوتی جو اس کو سنجیدہ عمل کی طرف بلاتا ہو۔ اس کے برعکس جو لوگ خوش نما الفاظ بولیں اور جھوٹی امیدوں کی تجارت کریں ان کے گرد بھیڑ کی بھیڑ جمع ہو جاتی ہے۔ سچے خیر خواہ کے لئے اس کے اندر کوئی کشش نہیں ہوتی۔ البتہ ان لوگوں کی طرف وہ تیزی سے دوڑ پڑتی ہے جو اس کا استعمال کرنے کے لئے اٹھے ہوں۔ یہی مطلب ہے حضرت صالح کے اس قول کا کہ میں نے تمہارے ساتھ خیر خواہی کی مگر تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔

7-831

غفلت، مگر اسی کا سبب

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اور ہم نے جنات اور انسان میں سے بہتوں کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے۔ ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں، ان کے آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں،

ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں۔ وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی زیادہ بے رلو۔ یہی لوگ ہیں غافل۔ (الاعراف۔ ۱۷۹)

اس آیت میں ہدایت اور گمراہی کا فطری قانون بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو آنکھ اور کان دئے ہیں جن کے ذریعہ وہ معلومات حاصل کرے۔ اسی کے ساتھ اللہ نے ہر انسان کو ذہن دیا جس کے ذریعہ وہ باتوں کو سمجھے اور حق اور باطل کے درمیان تمیز کرے۔ لیکن جو لوگ غفلت میں پڑ جائیں ان کو کوئی چیز ہدایت دینے والی نہیں۔

سچائی ایک ایسی چیز ہے جسے ہر آدمی کو خود پانا ہے۔ خدا نے ہر آدمی کو دل اور آنکھ اور کان دئے ہیں۔ آدمی انہی صلاحیتوں کو استعمال کر کے سچائی کو پاتا ہے۔ اور جو شخص ان صلاحیتوں کو استعمال نہ کرے وہ یقیناً سچائی کو پانے سے محروم رہے گا۔ خواہ سچائی اس سے کتنا زیادہ قریب موجود ہو۔

سچائی کو پانا ہر آدمی کا ایک شعوری اور ارادی فعل ہے۔ سچائی کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس نے اپنے دل کے دروازے اس کے لئے کھلے رکھے ہوں۔ اس کو وہی دیکھ سکتا ہے جس نے اپنی آنکھوں پر مصنوعی پردے نہ ڈالے ہوں۔ اس کی آواز اسی کو سنائی دے سکتی ہے جس نے اپنے کان میں کسی قسم کے ڈاٹ نہ لگا رکھے ہوں۔ ایسے لوگ سچائی کی آواز کو پہچان کر اس کے آگے اپنے کو ڈال دیں گے۔ اور جس شخص کا معاملہ اس کے برعکس ہو وہ چپالیوں کی طرح نا سمجھ بنا رہے گا۔ پہاڑ جیسے دلائل کا وزن محسوس کرنا بھی اس کے لئے ممکن نہ ہوگا۔ اس کے سامنے خدا کی تجلیاں ظاہر ہوں گی مگر وہ اس کو دیکھنے سے عاجز ہوگا۔ اس کے پاس خدا کا نعمہ چھیڑا جائے گا مگر وہ اس کو سننے سے محروم رہے گا۔ سچائی ہمیشہ بیدار لوگوں کو ملتی ہے۔ غافلوں کے لئے کوئی سچائی نہیں۔

7-832

شیطان کی دوسرہ اندازی

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: درگزر کرو۔ نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے نہ الجھو۔ اور اگر تم کو

کوئی دوسرہ شیطان کی طرف سے آئے تو اللہ کی پناہ چاہو۔ بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ (الاعراف ۱۹۹-۲۰۰)

اس آیت میں دعائی کا کردار بتایا گیا ہے۔ دعائی پر لازم ہے کہ وہ عموماً کے مقابلے میں ہمیشہ اعراض اور غنودہ گزر کا طریقہ اختیار کرے۔ اس کے بغیر دعوت کا کام معتدل انداز میں انجام نہیں پاسکتا۔ اگر کبھی ایسا ہو کہ مدعو کی طرف سے کسی ناخوش گوار رویہ پر دعائی کے اندر انتقامی جذبہ بھڑک اٹھے تو ایسے جذبہ کو سراسر شیطانی دوسرہ سمجھنا چاہئے اور اللہ سے توفیق مانگنا چاہئے کہ اس کے سینہ کو اس قسم کے منفی جذبہ سے پاک کر دے۔

7-833

حسایت ڈھال ہے

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: جو لوگ ڈر رکھتے ہیں جب کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال انہیں چھو جاتا ہے تو وہ فوراً چونک پڑتے ہیں اور پھر اسی وقت ان کو سوجھ آ جاتی ہے۔ اور جو لوگ شیطان کے بھائی ہیں وہ ان کی گمراہی میں کھینچے چلے جاتے ہیں پھر وہ کمی نہیں کرتے۔ (الاعراف ۲۰۱-۲۰۲)

تعمیراً حسایت اس دنیا میں سب سے بڑا چمک ہے۔ آدمی کے اندر اگر یہ حسایت ہو تو وہ برائیوں سے محفوظ رہے گا اور اگر یہ حسایت نہ ہو تو کوئی بھی دوسری چیز اس کو برائیوں سے بچانے والی نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دنیا میں ہر شخص نفس اور شیطان کے حملوں کی زد میں ہے۔ ایسی حالت میں جو چیز آدمی کو بچانے والی ہے وہ صرف اللہ کا ڈر ہے۔ اللہ کا ڈر آدمی کو بے حد حساس بنا دیتا ہے۔ یہی حسایت موجودہ امتحان کی دنیا میں آدمی کی سب سے بڑی ڈھال ہے۔ جب بھی آدمی کے اندر کوئی غلط خیال آتا ہے یا کسی قسم کی منفی نفسیات ابھرتی ہے تو اس کی حسایت فوراً اس کو بتا دیتی ہے کہ وہ پھسل گیا ہے۔ ایک لمحہ کی غفلت کے بعد اس کی آنکھ کھل جاتی ہے اور وہ

اللہ سے معافی مانگتے ہوئے دوبارہ اپنے کو درست کر لیتا ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ اللہ کے ڈر سے خالی ہوتے ہیں ان کے اندر شیطان داخل ہو کر اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ ان کو محسوس بھی نہیں ہوتا کہ وہ شیطان کے ساتھی بن کر کسی جہاں کن گڑھے کی طرف چلے جا رہے ہیں۔ حساسیت آدمی کی سب سے بڑی محافظ ہے جب کہ بے حسی آدمی کو شیطان کے مقابلہ میں آخری حد تک غیر محفوظ بنا دیتی ہے۔

### 8-834

#### مومن کی صفات

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: ایمان والے لوگ وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل دھل اٹھیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کے سامنے پڑھی جائیں تو وہ ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ حقیقی مومن ہیں۔ ان کے لئے ان کے رب کے پاس درجے اور مغفرت ہیں اور ان کے لئے عزت کی روزی ہے۔ (الانفال ۲-۴)

ایمان عظیم ترین حقیقت کی دریافت ہے۔ جب یہ حقیقت کسی آدمی کے سینے میں اترتی ہے تو وہ اس کی پوری شخصیت میں زلزلہ پیدا کر دیتی ہے۔ ایسے انسان کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب اس کو کسی حق کی یاد دلائی جائے تو وہ فوراً ہی اسے قبول کر لیتا ہے۔ خدا کو قادر مطلق کے طور پر دریافت کرنا اس کے اندر فطری طور پر اکتھو کی صفت پیدا کر دیتا ہے۔

ایسے انسان کے اندر فطری طور پر ہر قسم کی اعلیٰ صفات پیدا ہونے لگتی ہیں۔ وہ ایک طرف اللہ کا سچا عبادت گزار بن جاتا ہے اور دوسری طرف بندوں کا سچا دوست اور خیر خواہ۔

خدا کو اس کی عظمت و کمال کے ساتھ دریافت کرنا کوئی سادہ بات نہیں۔ یہ ایک ایسی دریافت ہے جو آدمی کے اندر سے نکل اور برتری کے تمام احساسات کو مٹا دیتی ہے۔ وہ اس کو حقیقی معنوں میں ایک مومن بنا دیتی ہے اور حقیقی مومن ہی کا دوسرا نام حقیقی انسان ہے۔

## حق و باطل میں امتیاز

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو تو وہ تمہارے لئے فرکان بہیم پہنچائے گا۔ اور تم سے تمہارے گناہوں کو دور کر دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (الانفال ۲۹)

حق انسان وہ ہے جس کے سینہ میں اندیشہ ناک دل ہو جو ایک طرف خدا کی رحمت کا امیدوار ہو اور اسی کے ساتھ اللہ کی پکڑ سے بہت زیادہ ڈرنے لگے۔ ایسا انسان صحیح اور غلط کے معاملے میں بہت زیادہ حساس ہو جاتا ہے۔ وہ اس کا تحمل نہیں کر سکتا کہ ایک چیز کو حق جانے اور اس کے باوجود وہ اس کو اختیار نہ کرے۔ اسی طرح وہ اس کا تحمل نہیں کر سکتا کہ وہ ایک چیز کو باطل جانے اور اس کے باوجود وہ اس میں ملوث ہو جائے۔

اس قسم کی اندیشہ ناک نفسیات آدمی کے اندر وہ صلاحیت پیدا کر دیتی ہے جس کو یہاں فرکان کہا گیا ہے۔ یعنی حق اور باطل کے درمیان تمیز کرنے والا۔ جس آدمی کے اندر یہ صلاحیت پیدا ہو جائے وہ اس کے لئے اس بات کی ضامن بن جائے گی کہ وہ ہمیشہ صحیح انداز میں سوچے، اور اپنی عملی روش کے لئے ہمیشہ صحیح رویہ اختیار کرے۔

## صلح کی حکمت

قرآن میں دشمن طاقتوں کا ذکر کرتے ہوئے پیغمبر اسلام سے کہا گیا ہے: اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کے لئے جھک جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور اگر وہ تم کو دھوکا دینا چاہیں گے تو اللہ تمہارے لئے کافی ہے۔ وہی ہے جس نے اپنی نصرت اور مومنین کے ذریعہ تم کو قوت دی۔ (الانفال ۶۱-۶۲)

اس سے معلوم ہوا کہ فریق مخالف اگر یہ پیش کش کرے کہ آؤ، ہم مقابلہ آرائی کا طریقہ

چھوڑ کر آپس میں صلح کر لیں تو اہل ایمان کو چاہئے کہ وہ اس پیش کش کو قبول کر لیں۔ اگر بالفرض یہ اندیشہ ہو کہ فریق مخالف کا دل صاف نہیں ہے اور وہ دھوکہ دینے کے ارادے سے ایسا کر رہا ہے تب بھی اہل ایمان کو چاہئے کہ اللہ کے بھروسے پر اس کی پیش کش کو قبول کر لیں۔

اس قرآنی اصول میں ایک اہم حکمت چھپی ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ صلح اہل ایمان کو عمل کے میدان سے ہٹاتی نہیں، بلکہ وہ ان کو دوسرے زیادہ بڑے عمل کی طرف موڑ دیتی ہے۔ اور یہ تعمیر و استحکام کا عمل ہے۔ جنگ و مقابلہ کی حالت میں تعمیری سرگرمیاں رکھتی ہیں جب کہ صلح تعمیر کے مواقع کو کھول دینے والی ہے۔ اگر صلح کے ذریعہ حاصل ہونے والے مواقع کو تعمیر و استحکام کے لئے استعمال کیا جائے تو یقیناً ممکن ہے کہ اس سے اتنا بڑا مثبت فائدہ حاصل ہو جائے جو جنگ و قتال کے ذریعہ ہرگز ممکن نہیں۔

9-837

### دعوت و تبلیغ ہر حال میں

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص تم سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے دو تاکہ وہ اللہ کا کلام سنے پھر اس کو اس کی امان کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس لئے کہ وہ لوگ علم نہیں رکھتے۔ (التوبہ، ۶)

قرآن کی یہ آیت دور اول کے ان مخالفین اسلام کے بارے میں ہے جو اس زمانے کے مسلمانوں سے برسرِ جنگ تھے۔ اس کے باوجود انھیں حسبِ حالات اسلام سے متعارف کرانے کا حکم دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نہ صرف عام حالت میں بلکہ ہنگامی حالت میں بھی دعوت و تبلیغ کے عمل کو جاری رہنا چاہئے۔

جنگ کے زمانہ میں اگر دشمن کا کوئی فرد یہ کہے کہ میں اسلام کو سمجھنا چاہتا ہوں تو مسلمانوں کو حکم ہے کہ اس کو امان دے کر اپنے ماحول میں آنے کا موقع دیں اور اسلام کے پیغام سے اس کو متعارف کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے باوجود اگر وہ اسلام کی طرف راغب نہ ہو تو

اپنی حفاظت میں اس کو اس کے ٹھکانے تک پہنچادیں۔ بظاہر اگرچہ وہ دشمن گروہ کا ایک فرد ہے مگر یہ درست نہ ہوگا کہ اس کو دشمن سمجھ کر اس کے ساتھ سخت معاملہ کیا جائے۔

جنگ کے زمانہ میں دشمن کو اس کی رعایت دینا انتہائی نازک ہے۔ کیوں کہ عین ممکن ہے کہ دشمن کا کوئی جاسوس اس رعایت سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کے اندر تمس آئے اور ان کے فوجی راز معلوم کرنے کی کوشش کرے۔ مگر اسلام کی نظر میں دعوت و تبلیغ کا مسئلہ اتنا زیادہ اہم ہے کہ اس نازک خطرہ کے باوجود اس کا دروازہ بند نہیں کیا گیا۔

9-838

### جارحیت نہیں

اجتماعی معاہدات کا ذکر کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے: ان مشرکوں کے لئے اللہ اور اس کے رسول کے ذمہ کوئی عہد کیسے رہ سکتا ہے، مگر جن لوگوں سے تم نے عہد کیا تھا مسجد حرام کے پاس، پس جب تک وہ تم سے سیدھے رہیں تم بھی ان سے سیدھے رہو، بے شک اللہ پر ہیزگاروں کو پسند کرتا ہے۔ (التوبہ ۷)

قرآن کی اس آیت سے بین الاقوامی تعلق کا بنیادی اصول معلوم ہوتا ہے۔ وہ اصول یہ ہے کہ جب تک فریق ثانی یا بھی تعلق میں مستقیم رہے اہل ایمان کو بھی ان کے ساتھ مستقیم رہنا چاہئے۔ اگر فریق ثانی اس شرط کو توڑ دے تو اس کے بعد اہل ایمان بھی حسب حال اپنے بچاؤ کے لئے ضروری اقدام کر سکتے ہیں۔

مستقیم ہونے کی دو بڑی صورتیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ دونوں فریقوں کے درمیان باقاعدہ طور پر کوئی تحریری معاہدہ ہو۔ ایسی حالت میں مستقیم ہونے یا نہ ہونے کا معیار معاہدہ کی یہ تحریر ہوگی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی انٹرنیشنل قانون یا رواج موجود ہو جس کو عمومی طور پر قوموں کے درمیان تسلیم کیا جاتا ہو۔ ایسی حالت میں اس بین الاقوامی رواج یا قانون کو بھی مسلمہ معیار کی حیثیت حاصل ہوگی جس کی بنیاد پر یہ طے کیا جائے گا کہ فریق ثانی مستقیم ہونے کے

مطلوب معیار پر قائم ہے یا نہیں۔

بین اقوامی تعلقات یا صلح و جنگ کے لئے یہی بنیادی اصول ہے۔ اس اصول کی تعمیل ہر حال میں مطلوب ہے کسی بھی حال میں اس کی خلاف ورزی کرنا کسی مسلم کردہ کے لئے جائز نہیں۔

2-838

زوال کی علامت

قدیم اہل کتاب کو خطاب کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے: انہوں نے احبار اور اپنے رہبان کو اللہ کے سوا رب بنا ڈالا اور مسیح ابن مریم کو بھی۔ حالانکہ ان کو صرف یہ حکم تھا کہ وہ ایک معبود کی عبادت کریں۔ وہ چاک ہے اس سے جو وہ شریک کرتے ہیں (التوبہ: ۳۱)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی امت زوال کا شکار ہوتی ہے تو اس کے اندر کیا خاص کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ یہ کہ ایسی امت برسی طور پر تو خدا کو مانتی ہے مگر عملی طور پر اس کا پورا دین احبار اور رہبان کی بنیاد پر قائم ہو جاتا ہے۔ خدا کی کتاب اب ان کے یہاں صرف برکت کی چیز بن جاتی ہے۔ وہ اپنا دین علماء کے اقوال اور بزرگوں کے طغوفات سے لینے لگتے ہیں نہ کہ ھیوٹ خدا اور اس کے رسول کے کلام سے۔

وہ خدا کی عظمت سے بے خبر ہو کر اپنی کچھ شخصیتوں کو اکابر کا درجہ دے دیتے ہیں۔ ان مفروضہ اکابر کے ارد گرد پر اسرار کہانیوں کا ایک ظلماتی ہالہ بن جاتا ہے۔ ان بے اصل کہانیوں پر لوگ اس طرح یقین کر لیتے ہیں جیسے کہ وہ بالکل واقعہ ہوں۔ ایسے لوگ بظاہر اپنی زبان سے خدا کا انکار نہیں کرتے مگر عملاً وہ اپنے اکابر کو وہی درجہ دے دیتے ہیں جو صرف خدا کا ہونا چاہئے۔ اسی عملی حالت کی بنا پر اس آیت میں انہیں اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا رب بنانے کا مجرم قرار دیا گیا۔

8-840

ایک گروہ ضروری

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اور یہ ممکن نہ تھا کہ اہل ایمان سب کے سب نکل کھڑے

ہوں۔ تو ایسا کیوں نہ ہو کہ ان کے گروہ میں سے ایک حصہ نکل کر آتا تاکہ وہ دین میں سمجھ پیدا کرے اور واپس جا کر اپنی قوم کے لوگوں کو آگاہ کرے تاکہ وہ بھی پرہیز کرنے والے بنتے۔ (التوبہ ۱۲۴)  
 اسلام میں یہ مطلوب ہے کہ ہر زمانہ کے مسلمانوں میں کم از کم ایک داعی گروہ موجود ہو۔ اس مقصد کے لئے ملت کے اندر ایک باقاعدہ تعلیمی نظام ہونا ضروری ہے، تاکہ نسل در نسل ہر زمانہ میں ایسے دعوتی افراد تیار ہوتے رہیں اور دعوت کے عمل کا تسلسل ہر انسانی نسل میں جاری رہے۔  
 اس مقصد کے لئے جو تعلیمی نظام بنایا جائے اس کا بنیادی نصاب مذکورہ آیت کے مطابق، دو قسم کے اجزاء پر مشتمل ہونا چاہئے۔ ایک یہ کہ وہ حق کا پورا علم اور اس کے کامل فہم کی استعداد پیدا کرتا ہو۔ دوسرے یہ کہ افراد ان دیگر علوم سے مسلح ہوں جو دعوت کی نسبت سے ضروری ہے۔ مثلاً دعوتی زبان جاننا اور زمانہ کے افکار سے واقف ہونا، وغیرہ۔

ملت کے اوپر فرض کے درجہ میں ضروری ہے کہ وہ تعلیم و تربیت کا ایسا انتظام کرے جس کے ذریعہ ہر نسل اور ہر دور میں ایسے داعی افراد تیار ہوتے رہیں۔ کوئی بھی دوسری سرگرمی اس ذمہ داری کا بدل نہیں بن سکتی۔ مثال کے طور پر مسلمان کسی زمانہ میں اس قسم کے داعی گروہ تیار نہ کریں تو وہ اللہ کے یہاں صرف اس لئے بری الذمہ نہیں ہو سکتے کہ انہوں نے ہر جگہ عالی شان مسجدیں کھڑی کر دی ہیں۔

10-341

فطرت کا لارم

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اور انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہم کو پکارتا ہے۔ پھر جب ہم اس سے اس کی تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو وہ ایسا ہو جاتا ہے گویا اس نے کبھی اپنے کسی برے وقت پر ہم کو پکارا ہی نہ تھا۔ اس طرح حد سے گذرنے والوں کے لئے ان کے اعمال خوش نما بنائے گئے ہیں۔ (یونس ۱۲)  
 دنیا کا نظام اس طرح بنا ہے کہ آدمی بار بار کسی نہ کسی تکلیف یا حادثہ کی زد میں آ جاتا ہے۔

جب ایسا ہوتا ہے تو آدمی محسوس کرنے لگتا ہے کہ خارجی طاقتوں کے مقابلہ میں وہ بالکل بے بس ہے۔ اس وقت آدمی بے اختیار ہو کر خدا کو پکارنے لگتا ہے۔ وہ خدا کی قدرت کے مقابلہ میں اپنے عجز کا اعتراف کر لیتا ہے۔ مگر یہ حالت صرف اس وقت تک رہتی ہے جب تک وہ مصیبتوں کی لہر میں ہو، مصیبت سے نجات پاتے ہی وہ دوبارہ ویسا ہی غافل اور سرکش بن جاتا ہے جیسا کہ وہ اس سے پہلے تھا۔ ایسے لوگوں کے اظہار بندگی کو خدا تسلیم نہیں کرتا۔ کیوں کہ اظہار بندگی وہ مطلوب ہے جو آزادانہ حالات میں کی جائے، مجبورانہ حالات میں ظاہر کی ہوئی بندگی کی خدا کے نزدیک کوئی قیمت نہیں۔

حقیقت کی تلاش کا پہلا مرحلہ اپنے عجز کی دریافت ہے۔ آدمی جب اس تجربہ سے گزرتا ہے تو وہ محسوس کرتا ہے کہ خدا کے بغیر اس کا وجود بالکل بے معنی ہے۔ اس وقت وہ بے تابانہ طور پر خدا کا اعتراف کرنے لگتا ہے۔ مگر اکثر انسانوں کا یہ حال ہے کہ ان کا یہ اعتراف حالات کے دباؤ کے تحت ہوتا ہے نہ کہ حقیقہ شعوری فیصلہ کے تحت۔ چنانچہ ایسے لوگ حالات بدلتے کے بعد کسی خود ساختہ توجیہ کا سہارا لے کر خدا کو بھول جاتے ہیں اور دوبارہ اپنے آپ کو بے خدا زندگی پر اصرار کر لیتے ہیں۔

اس دنیا میں لازمی طور پر حالات کا اتار چڑھاؤ پیش آتا ہے۔ یہ حالات ہر انسان کے لئے قدرت کا الارم ہیں۔ یہ الارم انسان کی سوئی ہوئی فطرت کو جگا دیتے ہیں۔ خوش قسمت انسان وہ ہے جو فطرت کی اس بیداری سے سچا سبق لے لے اور اپنی زندگی کو مستقل طور پر خدا پرستانہ زندگی بنا دے۔

10-042

خلافت ارضی

قرآن میں گزری ہوئی قوموں کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر اس کے بعد ان کی جگہ لینے والی نئی قوموں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: پھر ہم نے ان کے بعد تم کو ملک میں جانشین بھیجا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسا عمل کرتے ہو۔ (یونس ۱۳)

دنیا کی قوموں کا معاملہ سمندر اور پہاڑ جیسا نہیں ہے کہ ایک ہی قوم ہزاروں سال تک زمین پر آباد رہے۔ بلکہ تھوڑی تھوڑی مدت کے بعد لوگ مرتے رہتے ہیں اور ایک قوم کے بعد دوسری قوم زمین پر آباد ہوتی ہے اور اپنا اقتدار قائم کرتی ہے۔ اسی انسانی نظام کو قرآن میں خلافت کہا گیا ہے، یعنی ایک کا جانا اور اس کے بعد دوسرے کا اس کی جگہ لینا۔

اس دنیا میں کسی قوم کو خلیفہ (با اقتدار جانشین) بنانا اعزاز کے لئے نہیں بلکہ امتحان کے لئے ہوتا ہے۔ جانشین بنانے کا مطلب ایک کے بعد دوسرے کو کام کا موقع دینا ہے، ایک قوم کے بعد دوسری قوم کو امتحان کے میدان میں کھڑا کرنا ہے۔

مثال کے طور پر ہندوستان میں پہلے مختلف دیسی راجا حکومت کر رہے تھے اس کے بعد ان کی جگہ مغلوں کو یہ منصب دیا گیا۔ پھر ان کو ہٹا کر انگریز ان کے جانشین بنائے گئے۔ اس کے بعد انھیں ملک سے نکال کر اس ملک کے اکثریتی فرقہ کے لئے جگہ خالی کی گئی۔ ان میں سے ہر بعد کو آنے والا اپنے پہلے کا خلیفہ (سیاسی جانشین) تھا۔

خلافت یا سیاسی جانشینی دراصل امتحان کا پرچہ ہے۔ اس دنیا میں آنے والا ہر انسانی گروہ خدا کی طرف سے ذریعہ امتحان ہے۔ ہر گروہ کو بہر حال آزمائش کے مرحلہ سے گزرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دنیا میں خلافت یا سیاسی اقتدار مستقل طور پر کسی ایک گروہ کو نہیں ملتا بلکہ وہ بار بار بدلتا رہتا ہے تاکہ باری باری ہر ایک کا امتحان لیا جاسکے۔

10-043

شفاء قلب

قرآن میں اس کتاب ہدایت کے نزول کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: اے لوگو، تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے نصیحت (خدا کی کتاب) آگئی اور اس کے لئے شفاء جو سینوں میں ہوتا ہے اور نکل ایمان کے لئے ہدایت اور رحمت۔ (یونس ۵۷)

حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ اس نے کہا کہ مجھے اپنے

دل سے شکایت ہے۔ آپ نے فرمایا تم قرآن پڑھا کرو۔ اس کے بعد آپ نے قرآن کی مذکورہ آیت تلاوت فرمائی (جاء رجل الى النبي ﷺ و قال الى اشكى صدرى ، قال اقرأ القرآن يقول الله تعالى وشفاء لما فى الصدور التفسير المظهرى المجلد الخامس ، ۳۵۔

قرآن دل کی بیماری کے لئے شفاء ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی سچا طالب ہو وہ جب قرآن کو پڑھے گا تو قرآن کے صفحات میں اس کو اپنے ذہنی سوالات کا جواب اور قلبی بیماریوں کا علاج معلوم ہو تارہے گا۔ مثال کے طور پر ایک شخص کو خدا کے وجود کے بارے میں شک ہے۔ وہ اپنے اس ذہن کو لے کر قرآن کو پڑھنا شروع کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس آیت پر پہنچتا ہے ”ألمى الله شك فاطر السموات والارض“ (ابراہیم ۱۰) وہ جب اس آیت پر غور کرے گا تو اس کو اس آیت میں خدا کے وجود کا خالص عقلی ثبوت مل جائے گا۔ اس طرح یہ آیت اس کے شک کو یقین میں بدلنے کا ذریعہ بن جائے گی (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تذکیر القرآن، ۵۴۲)

اسی طرح ایک شخص کسی اشتعال انگیز بات پر غضبناک ہو گیا ہے اس کے دل میں اشتعال کی آگ بھڑک رہی ہے۔ اب وہ قرآن پڑھنا شروع کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اس آیت پر پہنچتا ہے ”واذا ما غضبوا هم يغفرون“ (الثورى ۳) جب وہ اس آیت پر سمجھدگی کے ساتھ غور کرے گا تو وہ اس میں زندگی کا ایک نہایت اہم نکتہ پا جائے گا۔ وہ یہ کہ اشتعال انگیزی کا جواب غضبناک ہونا نہیں ہے بلکہ اس کو نظر انداز کر دینا ہے۔ اسی روش میں انسان کی صلاح کار ہونا چھپا ہوا ہے۔

ایک شخص کو کسی سے ظلم و زیادتی کا تجربہ ہوتا ہے۔ وہ ظاہری واقعات کی بناء پر اس کو اپنی محرومی کا ذمہ دار سمجھ لیتا ہے۔ وہ چاہنے لگتا ہے کہ اس کے خلاف احتجاج اور حقوق طلبی کی ہم چلائے۔ اب وہ اس معاملہ میں قرآن سے رجوع کرتا ہے۔ قرآن کو پڑھتے ہوئے وہ اس آیت پر پہنچتا ہے ”وما اصابكم من مصيبة فبما كبت ايديكم“ (الثورى ۳۰) یہ آیت اس کو

جھجھوڑتی ہے، وہ معاملہ پر از سر نو غور کرنا شروع کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس پر کھلتا ہے کہ اس کے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ صرف اس کی داخلی کمی کی بنا پر پیش آیا ہے۔ ایسی حالت میں کسی مفروضہ دشمن کے خلاف شروع کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس سے سبق لے کر وہ اپنی داخلی کمی کو دور کرنے میں لگ جاتا ہے یہاں تک کہ وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔

اس طرح ایک شخص کے ساتھ کوئی ناخوشگوار تجربہ پیش آتا ہے۔ مثلاً اس کی بیوی بظاہر اس کی پسند کے مطابق نہیں۔ وہ اس طرح کے تجربہ کی تلخ یاد اپنے سینہ میں لئے ہوئے ہے۔ اس کے بعد وہ قرآن پڑھتا ہے، قرآن کو پڑھتے ہوئے وہ اس آیت تک پہنچتا ہے "وعسى ان نكروها شيئا و هو خير لكم وعسى ان نكروها شيئا و هو شر لكم (البقرہ ۲۱۶)

یہ آیت اس کو سوچنے کا ایک نیا رخ دے دیتی ہے۔ اس پر غور کرتے ہوئے وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ظاہری پسند اور ظاہری نا پسند کی حیثیت بالکل اضافی ہے۔ محض ظاہر کی بنیاد پر کسی چیز کے بارے میں صحیح رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ میں ممکن ہے کہ ظاہر کے اعتبار سے کوئی چیز اچھی نہ لگتی ہو، مگر اپنی داخلی حقیقت کے اعتبار سے اس کے اندر کوئی بہت بڑی خوبی موجود ہو۔ جب اس کا ذہن اس طرح سوچے گا تو میں ممکن ہے کہ وہ جس چیز کو بظاہر نا پسندیدہ چیز سمجھے ہوئے تھا، اس کے اندر اس کو کوئی ایسا پسندیدہ پہلو مل جائے جو اتنا زیادہ قیمتی ہو کہ اس کی ظاہری نا پسندیدگی اس کو خیر اہم دکھائی دینے لگے۔

ایسی طرح ایک انسان جس کو قلبی سکون حاصل نہیں۔ اس نے محنت کر کے اپنا ایک گھر بنایا۔ اس نے لمبی جدوجہد کے بعد اپنی ایک اقتصادی دنیا تعمیر کی۔ اس نے ایک پسندیدہ خاتون سے نکاح کیا، اس سے اس کے یہاں کئی بچے پیدا ہوئے۔ اس کا گھر بھر پور خاندان والا گھر بن گیا۔ ان سب کے باوجود وہ محسوس کر رہا ہے کہ اس کو حقیقی معنوں میں خوشی اور سکون حاصل نہیں۔ وہ اب بھی اسی بے چینی میں جی رہا ہے۔ اب اس نے قرآن کو پڑھنا شروع کیا۔ قرآن کو پڑھتے ہوئے وہ اس آیت پر پہنچا: **الا بلذکر اللہ تطمئن القلوب۔ (الرعد ۲۸)** یہ آیت اس کو بے چینی

ہے، وہ اس پر غور کرنا شروع کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس پر ایک ایسی حقیقت منکشف ہوتی ہے جس کو وہ اس سے پہلے جانتا تھا۔ وہ یہ کہ سکون کے حصول کا ذریعہ مادی چیزیں نہیں ہیں۔ بلکہ اس کا ذریعہ صرف ایک ہے اور وہ خدا کا ذکر (یاد) ہے۔

اصل یہ ہے کہ انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے ایک معیار پسند (idealist) مخلوق ہے۔ جب کہ دنیا کی تمام چیزیں اپنی نوعیت کے اعتبار سے معیار سے کم تر ہیں۔ ہر چیز نقص یا محدویت کا شکار ہے۔ دنیا کی ہر چیز آدمی کو اس کی طلب سے کم دکھائی دیتی ہے۔ اس کے برعکس خدا آخری حد تک ایک کامل ہستی ہے۔ وہ ہر قسم کے نقص سے پاک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آدمی کو سکون صرف اس وقت ملتا ہے جب کہ وہ خدا کو پالے، وہ اس کی یادوں میں زندگی گزارنے لگے۔

قرآن میں بلاشبہ دلوں کے لئے شفاء ہے، مگر یہ شفاء صرف اس کے لئے ہے جو قرآن سے اپنے لئے رہنمائی کا طالب ہو۔ جو کھلے ذہن کے ساتھ قرآن کو پڑھے اور کسی شرط کے بغیر قرآن کے پیغام کو ماننے کے لئے تیار ہو۔ اس دنیا میں کوئی بھی مطلوب چیز صرف اس کے طالب ہوتی ہے نہ کہ اس کو جو سرے سے اس کا طالب ہی نہیں۔

18-844

اللہ کے اولیاء

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: من لو، اللہ کے اولیاء کے لئے نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ ٹھکن ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور ڈرتے رہے، ان کے لئے خوش خبری ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں، اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔ (یونس ۶۲-۶۳)

اولیاء اللہ، قرآن کے مطابق، کسی پر امر ارگروہ کا نام نہیں۔ یہ معلوم انسان ہیں اور ان کی صفات مذکورہ آیت میں بیان کر دی گئی ہیں۔ وہ صفات یہ ہیں کہ۔۔۔ وہ صاحب ایمان ہوں، یعنی انہیں معرفت کے درجہ میں اللہ کا تعلق حاصل ہو جائے۔ وہ اپنی زندگی کے تمام معاملات میں وہ

روش اختیار کریں جو اللہ کے خوف کے تحت بنتی ہے۔ یہ صفات جن لوگوں کے اندر حقیقی طور پر پیدا ہو جائیں ان کو دنیا ہی میں ایک ربانی زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ اللہ کی توفیق سے اس راستہ پر چل پڑتے ہیں جس کی آخری منزل جنت ہے۔ یہ اللہ کے اہل قانون کے تحت ہوتا ہے۔ اس میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں۔

اولیاء اللہ کا لفظ اسی طرح ایک معلوم شرعی لفظ ہے جس طرح مومن اور متقی کا لفظ۔ اولیاء اللہ کا درجہ کسی کو معلوم شرعی قوانین کے ذریعہ ملتا ہے نہ کہ کسی پر امر اور نہی کے ذریعہ۔

10-845

### ہدایت و ضلالت

قرآن میں ہدایت و ضلالت کا قانون بتاتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: اور کسی شخص کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر ایمان لائے۔ اور اللہ ان لوگوں پر گندگی ڈال دیتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ (یونس ۱۰۰)

”کوئی شخص خدا کے اذن کے بغیر ایمان نہیں لاسکتا“ کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ دنیا میں کسی کو ایمان کی نعمت ملے گی تو اس طریقہ کی پیروی کر کے ملے گی جو خدا نے اس کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ موجودہ دنیا میں ایمان کو پانے کا راستہ یہ ہے کہ آدمی ایمان کی دعوت کو اپنی عقل کے استعمال سے سمجھے۔ اللہ نے انسان کو عقل دی ہے۔ جس شخص کی عقل کے اوپر اس کی دنیوی مصلحتیں غالب آجائیں اس کی عقل گویا گندگی کی کچھڑ میں لت پت ہو گئی ہے۔ ایسے شخص کے لئے اس دنیا میں ایمان کی نعمت پانے کا کوئی امکان نہیں۔

انسان کو عقل اسی لئے دی گئی ہے کہ وہ اس کے ذریعہ حق اور باطل میں تمیز کرے۔ وہ عقل کو استعمال کر کے سچائی کو دریافت کرے۔ یہی اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا حق کا راستہ ہے۔ جو لوگ اپنی عقل کو بے آمیز طور پر استعمال کریں گے وہ حق کو پائیں گے۔ اور جو لوگ اپنی خدا داد عقل کو بے آمیز طور پر استعمال کرنے میں ناکام رہیں وہ حق کو پانے میں ناکام ہو جائیں گے۔

18-845

## جنت والے

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اور اپنے رب کے سامنے عاجزی کی، وہی لوگ جنت والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (ہود ۲۳)

آیت میں اخبات کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں عاجزی کرنا۔ عربی میں کہتے ہیں ”تھو خبیث القلب“ (وہ شکستہ دل ہے) یہی ایمان کا خلاصہ ہے۔ ایمان نہ کوئی وراثت ہے اور نہ کسی لفظی مجموعہ کی لسانی ادائیگی۔ ایمان ایک ذہنی دریافت ہے۔ آدمی جب اپنے سمجھ و لہجہ (بالفاظ دیگر شعور) کو استعمال کر کے خدا کو پاتا ہے اور اس کے مقابلہ میں اپنی حیثیت کا ادراک کرتا ہے تو اس وقت اس کے اوپر جو کیفیت طاری ہوتی ہے اسی کا نام عجز (اخبات) ہے۔ عجز خدا کے مقابلہ میں اپنی حیثیت واقعی کی پہچان کا لازمی نتیجہ ہے۔

ایمان، اخبات اور عمل صالح تینوں ایک ہی حقیقت کے مختلف پہلو ہیں۔ ایمان خدا کے وجود اور اس کی صفات کمال کی شعوری دریافت ہے۔ اخبات اس قلبی حالت کا نام ہے جو خدا کی دریافت کے نتیجہ میں لازماً آدمی کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ عمل صالح اسی شعور اور اسی کیفیت سے پیدا ہونے والی خارجی صورت ہے۔ آدمی جب خدا کے ذہن سے سوچتا ہے۔ جب اس کا دل خدائی کیفیات سے بھر جاتا ہے تو اس کے عین فطری نتیجہ کے طور پر اس کی ظاہری زندگی خدا کی پسند والے اعمال میں عمل جاتی ہے۔ اسی کا نام عمل صالح ہے۔ جو شخص ایمان، اخبات اور عمل صالح کا پیکر بن جائے وہی خدا کا مطلوب انسان ہے۔ اور وہی وہ انسان ہے جس کو جنت کے ابدی ہانوں میں بسایا جائے گا۔

18-847

## بیئات کی سلامتی

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اور تم نماز قائم کرو، دن کے دنوں حصوں میں اور رات کے چم حصہ میں۔ بے شک نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو۔ یہ یاد دہانی ہے یاد دہانی حاصل کرنے

انسان کی تخلیق اس طرح ہوئی ہے کہ اس سے ہر بار غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ وقتی اثرات کے تحت وہ گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ انسان کے اندر ضمیر کا مادہ رکھا گیا ہے۔ جب بھی انسان سے کوئی کوتاہی سرزد ہوتی ہے تو اس کا ضمیر جاگ اٹھتا ہے۔ وہ اس کو ملامت کرنے لگتا ہے کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔

اب انسان کیا کرے۔ ایک طرف بشری تقاضے کے تحت اس سے ایک گناہ سرزد ہو چکا۔ دوسری طرف اس کا ضمیر اندر سے ملامت کر کے اس کو مسلسل بے چین کئے ہوئے ہے۔ نہ کو وہ آیت میں اسی مسئلہ کا حل بتایا گیا ہے۔ آدمی اس آیت پر عمل کر کے اپنے دل کے بوجھ کو ہٹا کر سکتا ہے۔ اسی کے ساتھ وہ اللہ سے اپنے تعلق کو دوبارہ قائم کر سکتا ہے۔

یہ قرآنی تدبیر کیا ہے، یہ ہے برائی کے بعد بھلائی کرنا۔ یہ بھلائی اسی طرح برائی کو دھو دے گی جس طرح پانی گندگی کو دھو دیتا ہے۔ اس بھلائی کی مختلف صورتیں ہیں۔ مثلاً دل سے توبہ کرنا، نماز پڑھنا، ذکر و دعا میں مشغول ہونا، مالی صدقہ کرنا، ضرورت مندوں کے کام آنا، اس آدمی کے حق میں نیک دعائیں کرنا جس کے ساتھ زیادتی ہو گئی ہو وغیرہ۔

11-048

### اختلاف کی حکمت

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اور اگر تمہارے رب چاہتا تو لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا مگر وہ ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے سو ان کے جن پر تمہارے رب رحم فرمائے۔ اور اس نے اسی لئے ان کو پیدا کیا ہے۔ اور تمہارے رب کی بات پوری ہوئی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سے اکٹھے بھر دوں گا۔ (ہود، ۱۱۸-۱۱۹)

اس آیت میں جس اختلاف کا ذکر ہے، اس سے مراد یہی اختلاف ہے۔ یعنی دنیا میں مختلف مذاہب کا ہونا اور لوگوں کا الگ الگ مذہب اختیار کرنا۔ مجاہد اور قتادہ سے اس کی یہی تفسیر

منقول ہے۔ تفسیر القرطبی میں ہے: ای علی ادیان شی، قالہ مجاہد و قتادہ۔ (القرطبی الجزء التاسع، صفحہ ۱۱۳)

قرآن میں تالا گیا ہے کہ صراط مستقیم یا دین حق صرف ایک ہے، اس کے سوا جو کچھ ہے، وہ گمراہی ہے۔ (یونس ۳۲) ایسی حالت میں یہ سوال ہے کہ دنیا میں بہت سے دین کیوں۔ جب اللہ کے نزدیک ایک ہی دین ہے جو انسان کو جنت کی طرف لے جانے والا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ایسا کیوں نہیں کیا کہ دنیا میں صرف ایک ہی دین ہوتا۔ دین حق کے سوا دوسرے لوہاں یہاں سرے سے موجود ہی نہ ہوتے۔ تاکہ انسان فلطاً انتخاب کی گمراہی سے بچ جائے اور جنت کے راستہ پر چلنا اس کے لئے آسان ہو جائے۔

جواب یہ ہے کہ یہ اللہ کی انیم ہی نہیں۔ اللہ نے اس دنیا میں امتحان کا وہ طریقہ رکھا ہے جس کو تعلیمی اصطلاح میں اکتشافی طریقہ (discovery method) کہا جاتا ہے۔ یعنی مختلف اور متفرق چیزوں کو سامنے بکھیر دینا اور طالب علم کو یہ موقع دینا کہ وہ اپنی سمجھ کو استعمال کر کے ان کی ایک وحدت بنائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ایسا کیا کہ ایک دین حق کے ساتھ دوسرے بہت سے غیر صحیح ادیان کو زندہ رہنے کا موقع دیا۔ اب ہر انسان کو یہ کرنا ہے کہ وہ اپنی خدا داد عقل کو استعمال کر کے صحیح اور غلط کے درمیان تمیز کرے۔ وہ ادیان باطلہ کو پہچان کر انہیں رد کرے اور دین حق کی معرفت حاصل کر کے اسے اختیار کر لے۔

اسی مصلحت کی بنا پر اللہ نے انسان کو بے اختیار مخلوق نہیں بنایا جیسا کہ دوسری مخلوقات کا معاملہ ہے۔ مثلاً حیوانات اپنی جبلت کے تابع ہیں اور جمادات قانونِ فطرت کے تابع۔ بلکہ انسان کو مکمل اختیار دے کر زمین پر آباد کیا گیا۔ انسان سے یہ مطلوب ہے کہ وہ کسی جبر کے بغیر خود اپنی آزادی سے حق کا راستہ اختیار کرے۔ وہ خود اپنے فیصلہ کے تحت ایک چیز کو چھوڑے اور خود اپنے فیصلہ کے تحت دوسری چیز کو اختیار کرے۔

خدا کی رحمت اس شخص کو ملتی ہے جو اپنے شعور کو اتنا جگائے کہ وہ امتحانی اختیار کے اندر

اپنی حقیقی بے اختیاری کو جان لے۔ وہ انسانی قدرت کے پردہ میں خدا کی قدرت کو دیکھ لے۔ یہ شعور ایسے آدمی سے سرکشی کی طاقت چھین لیتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ جب خدا اپنی رحمت کو اس کا حق کہہ کر پیش کرے تو اس کا شعور حقیقت پکار اٹھے۔ خدایا یہ بھی تیری رحمتوں کا ہی ایک کرشمہ ہے۔ ورنہ میرا عمل تو کسی قیمت کا مستحق نہیں۔

یہ انکشافی طریقہ غیر معمولی حکمت پر مبنی ہے۔ اسی کی وجہ سے انسانوں کے اندر سرگرمیاں وجود میں آتی ہیں۔ اسی کے ذریعہ فکری اور روحانی ترقی ہوتی ہے۔ اسی عمل کے ذریعہ یہ ممکن ہوتا ہے کہ انسانی شخصیت ابتدائی حالت سے ترقی کر کے اعلیٰ انسانی درجہ تک پہنچ سکے۔ اگر ایسا نہ ہو تو انسان بھی اسی طرح یکساں ذہنی حالت پر ٹھہر کر رہ جائے گا جیسا کہ ہم حیوانات کی مثال میں دیکھتے ہیں۔

12-848

### حقیقت کا اعتراف

قرآن میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ اس کے مطابق، قدیم مصر کی ایک معزز خاتون نے حضرت یوسف کو بہکانا چاہا، جو اس وقت ایک نوجوان تھے۔ حضرت یوسف اس کے بہکاوے میں نہیں آئے اور اپنے لئے پابندی کے طریقہ کا انتخاب کیا۔ اس پر وہ عورت بگڑ گئی اور اس نے ان پر الزام لگا کر انہیں قید خانہ بھجوا دیا۔ مگر بعد کو حقیقت کھلی اور یہ ثابت ہوا کہ حضرت یوسف بے قصور تھے۔

مذکورہ معزز خاتون اگرچہ مجبور تھی تاہم اس کا ضمیر جاگ اٹھا اور اس نے صاف لفظوں میں کہا کہ اب حق کھل گیا۔ میں نے ہی اس کو پھسلانے کی کوشش کی تھی اور بلاشبہ وہ سچا ہے۔ (یوسف 51)

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذکورہ مصری خاتون اگرچہ وقتی طور پر اپنے جذبات سے مغلوب ہو گئی تھی مگر اس کی فطرت زنجیر تھی اور اس کے اندر انسانی صفات موجود تھیں۔ چنانچہ جب معاملہ واضح ہوا تو وہ پکار اٹھی کہ میں ہی غلطی پر تھی، اس معاملہ میں یوسف کی کوئی غلطی نہیں۔ یہ اعتراف سب سے بڑی انسانی صفت ہے۔ جس عورت یا مرد میں اعتراف کا مادہ ہو اس کو

کسی نہ کسی مرحلہ میں خدا کی مدد حاصل ہوگی اور وہ حق کو پا جائے گا۔ اس کے برعکس جو لوگ اعتراف کی انسانی مفت کھودیں وہ مگر اسی میں جیتے رہیں گے اور آخر کار اسی حال میں مر جائیں گے۔

12-458

### غیر مسلم حکومت میں

قرآن میں حضرت یوسف علیہ السلام کا جو قصہ بیان ہوا ہے، اس کا ایک جزو یہ ہے کہ مصر کا مشرک بادشاہ ایک خاص مرحلہ میں ان کی شخصیت سے متاثر ہو گیا اور ان کو اپنے قریبی معززین میں شامل کرنا چاہا۔ اس وقت حضرت یوسف نے منگٹو کے دوران بادشاہ سے کہا کہ: مجھ کو ملک کے خزانوں پر مقرر کر دو، میں نگہبان ہوں اور جاننے والا ہوں (یوسف 55) بادشاہ نے اس کو منظور کر لیا۔ چنانچہ حضرت یوسف مصر کے اس مشرک بادشاہ کی حکومت میں ایک اعلیٰ وزیر کے منصب پر فائز ہو گئے۔

تعمیر کے اس واقعہ سے یہ شرعی اصول اخذ ہوتا ہے کہ غیر مسلم حکومت کے تحت ایک مسلمان کے لئے ذمہ دارانہ عہدہ کو قبول کرنا اصولاً بالکل جائز ہے، حتیٰ کہ حسب حال وہ ایسا بھی کر سکتا ہے کہ خود اپنی طرف سے اس حکومتی عہدہ پر اپنے تقرر کی تجویز پیش کرے۔

12-451

### فصرت کا اصول

حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے سوتیلے بھائیوں نے کم عمری میں ایک اندھے کنویں میں ڈال دیا۔ سو اگر وہ ان کے ایک قافلہ نے ان کو کنویں سے نکالا اور مصر کے بازار میں لے جا کر انھیں غلام کی حیثیت سے بیچ دیا۔ اس کے بعد آپ کے ساتھ مختلف قسم کے واقعات پیش آئے جن کا ذکر قرآن میں (اور بائبل میں) آیا ہے۔ مختلف مرحلوں سے گزرتے ہوئے آخر کار وہ وقت آیا جب کہ ان کو مصر میں وہ اعلیٰ حیثیت حاصل ہو گئی جس کا قرآن میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے: اور ہم نے یوسف کو ملک میں با اختیار بنا دیا اور اس میں جہاں چاہے جگہ بنائے۔ ہم جس پر چاہیں اپنی

توجہ کریں۔ (یوسف ۵۶)

آخری مرحلہ میں پورے قصبہ کا خلاصہ حضرت یوسف کی زبان سے ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: اور جو شخص تقویٰ اختیار کرے اور صبر کرے تو اللہ ایسے محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (یوسف ۹۰) تقویٰ یہ ہے کہ آدمی زندگی کی ہر دو جہد کے دوران ہمیشہ حق پر قائم رہے، وہ کسی بھی حال میں حق سے انحراف نہ کرے۔ دوسری چیز یہ کہ وہ زندگی کے مراحل میں صبر و تحمل سے کام لے۔ نتیجہ میں تاخیر کو دیکھ کر وہ بے صبر نہ ہو جائے۔ جو لوگ تقویٰ اور صبر کی ان دونوں صفاتوں کے حامل ہوں وہ اللہ کے نزدیک محسنین، یعنی حسن عمل والے لوگ ہیں۔ ایسے لوگ بہر حال اللہ کی نصرت کے حق دار ٹھہریں گے اور آخر کار کامیابی کی منزل پر پہنچ جائیں گے۔

12-052

### حروج و زوال کے اسباب

قوموں کا حروج و زوال فطرت کے ایک اٹل قانون کی بنیاد پر ہوتا ہے جو اللہ نے مقرر کیا ہے۔ یہ قانون اس آیت سے معلوم ہوتا ہے: بے شک اللہ کسی گروہ کے مایقوم کو نہیں بنا سکتا جب تک وہ اپنے ماہا نفس کو نہ بدل ڈالے۔ اور جب اللہ کسی قوم پر کوئی آفت لانا چاہتا ہے تو اس کے بچنے کی کوئی صورت نہیں اور اللہ کے سوا اس کے مقابلہ میں کوئی ان کا مددگار نہیں (الزمر ۱۱)

اس آیت میں مایقوم سے مراد قومی حالت ہے اور ماہا نفس سے مراد اس کی انفرادی حالت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی قوم کی اجتماعی حالت اس قوم کے افراد کی حالت سے بندھی ہوئی ہے۔ افراد کے اندر جتنی صلاحیت ہوگی اتنی ہی صالح معاشرہ ان کے درمیان ظہور میں آئے گا۔ بات کو ایک حدیث رسول میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ: تم لوگ جیسے ہو گے ویسے ہی رہو گے (کما تکونون، کفنا لک یومر علیکم) مشکاۃ المصابیح ۱۰۹۷/۲۔ گویا کہ فرد اور مجتمع (سماج) کے درمیان وہی نسبت ہے جو بیج اور فصل کے درمیان ہوتی

ہے۔ جیسا جی ویسی ہی فصل، اسی طرح جیسے افراد ویسا ہی مجتمع۔

یہ قانون اتنا زیادہ اٹل ہے کہ اس میں کوئی استثناء نہیں۔ جس معاشرہ کے افراد کے اندر بگاڑ آجائے، وہ معاشرہ لازماً تباہ ہو کر رہتا ہے۔ اس قانون کی زد میں آنے کے بعد کسی بھی گروہ کے لئے بچنا ممکن نہیں۔

اس قانون سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی معاشرہ کو بہتر معاشرہ بنانا ہے تو اس عمل کا آغاز کہاں سے ہوگا۔ یہ آغاز کامیاب طور پر صرف افراد کی اصلاح سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس اگر معاشرہ کی سطح سے اصلاحی عمل کا آغاز کیا جائے تو خدا کی دنیا میں ایسے معکوس عمل کا انجام ناکامی کے سوا اور کچھ نہیں۔

13-053

نفع بخش

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اللہ نے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر نالے اپنی اپنی مقدار کے موافق بہہ نکلے۔ پھر سیلاب نے ابھرتے جھاگ کو اٹھالیا اور اسی طرح کا جھاگ ان چیزوں میں بھی ابھر آتا ہے جن کو لوگ زیور یا اسباب بنانے کے لئے آگ میں پھلاتے ہیں۔ اس طرح اللہ حق اور باطل کی مثال بیان کرتا ہے۔ پس جھاگ تو سوکھ کر جاتا رہتا ہے اور جو چیز انسانوں کو نفع پہنچانے والی ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔ اللہ اسی طرح مثالیں بیان کرتا ہے۔ (الرعد ۱۷)

اس آیت میں مادی تمثیل کے ذریعہ فطرت کے قانون کو بتایا گیا ہے۔ وہ قانون یہ ہے کہ اس دنیا میں قیام اور استحکام ان انسانوں کو ملتا ہے جو یہاں نفع بخشی کا ثبوت دیں۔ جو لوگ نفع بخشی کی صلاحیت کھودیں، ان کے لئے خدا کی اس دنیا میں کوئی جگہ نہیں۔

ایک فرد کو اپنے خاندان میں نفع بخش بنانا ہے۔ اسی طرح اس کو اپنے سماج میں نفع بخش بنانا ہے، اس نفع بخش کے بغیر کسی کو نہ اپنے خاندان میں عزت کی جگہ ملے گی اور نہ اپنے سماج میں۔ یہی معاملہ قومی زندگی اور بین الاقوامی زندگی کا ہے یہاں بھی وہی لوگ عزت کا مقام پائیں گے جو

اپنے کو نفع بخش ثابت کر سکیں۔

ایک نفع بخشی وہ ہے جو باہمی معنی میں ہو۔ دوسری نفع بخشی وہ ہے جو اخلاقی معنی میں ہو۔ لیکن اس سے بڑی نفع بخشی یہ ہے کہ کوئی فرد یا گروہ دنیا والوں کو سچائی کا تھمہ پیش کر سکے۔

13-854

اطمینان قلب

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: وہ لوگ جو ایمان لائے اور جن کے دل اللہ کی یاد سے مطمئن ہوتے ہیں۔ سنو، اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ (الرعد ۲۸)

اس آیت میں ایمان سے مراد معرفت ہے اور ذکر سے مراد خدا کی پھیلی ہوئی نشانیوں پر غور کرنا ہے۔ ذکر اللہ کی تشریح کے تحت تفسیر قرطبی میں ایک قول یہ نقل کیا گیا ہے کہ یعنی وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اس کی نشانیوں پر غور کرتے ہیں۔ پھر وہ اللہ کے کمالات کو اپنی بصیرت سے پہچان لیتے ہیں اور اس سے ان کے دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ (وقیل، بذکر اللہ) ای یذکرون اللہ ویعلمون آیاتہ ليعرفون کمال قدرته عن بصیرتہ) تفسیر القرطبی ۳۱۵/۹۔  
دل کا اطمینان کیا ہے۔ دل کا اطمینان یہ ہے کہ آدمی اس چیز کو پائے جس کو دہانا چاہتا تھا۔ اس کے برعکس دل کی بے اطمینانی یہ ہے کہ آدمی اس چیز کو پانے سے محروم رہے جس کو پانے کا شوق وہ اپنے دل میں لئے ہوئے تھا۔ اللہ کو چھوڑ کر کوئی آدمی دنیا کی جن چیزوں میں اطمینان و محو ہوتا ہے وہ سب کی سب محروم اور ناقص ہیں۔ وہ انسان کی اصل طلب سے بہت زیادہ کم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیوی یا مادی چیزوں کا پانا آدمی کو مطمئن نہیں کرتا۔ پانے سے پہلے آدمی ان چیزوں کے بارے میں بھرم میں رہتا ہے۔ مگر پانے کے بعد اس کا یہ بھرم ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کا حال یہ ہو جاتا ہے گویا کہ پانا اور نہ پانا دونوں اس کے لئے برابر تھا۔

مگر اللہ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ جب ایک آدمی اللہ کو دریافت کرتا ہے تو اس کو محسوس ہوتا ہے کہ اس نے اپنے طلب کے پورے جواب کو پایا ہے۔ جب آدمی اللہ کو یاد کرتا

ہے اور روحانی سطح پر اللہ سے اس کا تعلق قائم ہوتا ہے تو یہ اس کی پوری شخصیت کے لئے ایک مکمل یافت کے ہم معنی بن جاتا ہے۔ کائنات کی نشانیوں میں جب وہ نمود کرتا ہے تو اس میں اس اپنے فکری تقاضوں کا جواب مل جاتا ہے۔ یہی وہ اعلیٰ تجربہ ہے جس کو اس آیت میں اطمینانِ قلب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

14-835

### زیادتوں پر صبر

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ پیغمبروں کی دعوت و توحید کے بعد جب مدعو قوموں کی طرف سے حقیقی رد عمل سامنے آیا تو پیغمبروں کا جواب یہ تھا: اور ہم کیوں نہ اللہ پر بھروسہ کریں جب کہ اس نے ہم کو ہمارے راستے بتائے۔ اور جو تکلیف تم ہمیں دو گے ہم اس پر صرف صبر کریں گے اور بھروسہ کرنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے (ابراہیم ۱۲)

تمام پیغمبروں کو اپنی مخاطب قوموں سے ایسے نہ سانی کا تجربہ پیش آیا۔ تمام پیغمبروں کو ان قوم کے لوگ ہر طرح ستاتے رہے۔ مگر تمام پیغمبروں کا مشترک رویہ صرف ایک تھا، وہ ہے قسم کی زیادتیوں کو ایک طرف طور پر برداشت کرتے ہوئے پر امن دعوت کا سلسلہ جاری رکھنا۔ اس کا سبب کیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے، کہ دعوت کا کام ایک انتہائی مثبت کام ہے۔ صرف ایسے ماحول میں جاری رہ سکتا ہے جہاں داعی اور مدعو کے درمیان اعتدال کی فضا سلسلہ موجود رہے۔ اسی معتدل فضا پر امن ماحول کو برقرار رکھنے کے لئے تمام پیغمبر ایک طرفہ طور صبر کرتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صبر ہی دعوت کی قیمت ہے، جہاں صبر نہیں وہاں دعوت بھی نہیں۔

بعد کے زمانہ میں جو لوگ دعوت کا کام کریں انہیں بھی صبر کی اس روش کو مکمل طور اختیار کرنا ہے۔ صبر کے بغیر دعوت کا کام نہ پچھلے زمانوں میں ہوا، اور نہ وہ آئندہ زمانوں میں سکتا ہے۔ دعوت کی یہ ایک ایسی شرط ہے جو کبھی اور کسی کے لئے ساقط ہونے والی نہیں۔

## درخت کی مثال

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کس طرح مثال بیان فرمائی اللہ نے کلمہ طیبہ کی۔ وہ ایک پاکیزہ درخت کی مانند ہے جس کی جڑ زمین میں جمی ہوئی ہے۔ اور جس کی شاخیں آسمان میں پہنچی ہوئی ہیں۔ وہ ہر وقت پر اپنا پھل دیتا ہے اپنے رب کے حکم سے اور اللہ لوگوں کے لئے مثال بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ اور کلمہ خبیثہ کی مثال ایک خراب درخت کی ہے جو زمین کے اوپر سے اکھڑا لیا جائے۔ اس کو کوئی ثبات نہ ہو۔ اللہ ایمان والوں کو ایک پکی بات سے دنیا اور آخرت میں مضبوط کرتا ہے۔ اور اللہ خالموں کو بھٹکا دیتا ہے۔ اور اللہ کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ (ابراہیم ۲۴-۲۷)

موجودہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے مختلف طبیعتوں کی ظاہری تشبیحات قائم کی ہیں۔ شجرہ طیبہ (اچھا درخت) ایک اقدار سے مومن کی تشبیح ہے۔

درخت کی یہ عجیب خصوصیت ہے کہ وہ پوری کائنات کو اپنا غذائی دستر خوان بناتا ہے اور اس طرح سچ سے ترقی کر کے وہ ایک عظیم درخت کی صورت میں زمین کے اوپر کھڑا ہو جاتا ہے۔ درخت زمین سے پانی اور معدنیات اور نمکیات لے کر بڑھتا ہے۔ اسی کے ساتھ وہ ہوا اور سورج سے اپنے لئے غذا حاصل کرتا ہے۔ وہ نیچے سے بھی خوراک لیتا ہے اور اوپر سے بھی۔

یہی مومن کا معاملہ بھی ہے۔ عام درخت اگر ایک ملای درخت ہے تو مومن ایک شعوری درخت۔ مومن ایک طرف دنیا میں خدا کی تکلیفات اور اس کے نظام کو دیکھ کر عبرت اور نصیحت حاصل کرتا ہے۔ دوسری طرف ”اوپر“ سے اس کو مسلسل خدا کا فیضان پہنچتا رہتا ہے۔ وہ مخلوقات سے بھی اپنے لئے اضافہ ایمان کی خوراک حاصل کرتا ہے اور خالق سے بھی اس کا قربت اور تعلق کا معاملہ جاری رہتا ہے۔

درخت ہر موسم میں اپنے پھل دیتا ہے۔ اسی طرح مومن ہر موقع پر وہ صحیح رویہ یا جواب

(response) ظاہر کرتا ہے جو اسے ظاہر کرنا چاہئے۔ معاشی شکل ہو یا معاشی فراخی، خوشی کا لمحہ ہو یا غم کا، شکایت کی بات ہو یا تعریف کی بات، زور آوری کی حالت ہو یا بے زوری کی حالت، ہر موقع پر اس کی زبان اور اس کا کردار وہی رد عمل ظاہر کرتا ہے جو خدا کے سچے بندے کی حیثیت سے اسے ظاہر کرنا چاہئے۔

دوسری مثال شجرہ خبیثہ (جھاڑ جھکاڑ) کی ہے۔ اس کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کائنات کی مذکورہ اعلیٰ خوراک سے محروم ہے جس کے نتیجے میں اس کے اوپر کانٹے اگتے ہیں۔ اس کی شاخوں میں کڑوے اور بد مزہ پھل لگتے ہیں۔ اس کے پاس کوئی شخص جائے تو وہ بدبو سے اس کا استقبال کرتا ہے۔ ایسے درخت کو کوئی پسند نہیں کرتا۔ وہ جہاں اگے وہاں سے اس کو اکھاڑ کر پھینک دیا جاتا ہے۔

یہی معاملہ غیر مومن کا ہے۔ وہ زمین میں ایک غیر مطلوب وجود کی حیثیت سے آگتا ہے۔ کائنات اپنی تمام بہترین نشانیوں کے باوجود اس کے لئے ایسی ہو جاتی ہے کہ جیسے اس کے لئے یہاں نہ کوئی دلیل ہے اور نہ کوئی نصیحت۔ خدا کا فیضان اگرچہ ہر وقت ہر سانس کو اس میں سے کوئی حصہ نہیں ملتا۔ اس کے کردار اور معاملات میں اس کا اظہار نہیں ہوتا۔ جو آدمی کلمہ توحید کو اپنائے، اس کے لئے یہ کلمہ اس کی شخصیت کی تعمیر کا ذریعہ بنا جاتا ہے۔ وہ ایک ایسا انسان بنا جاتا ہے جو خدا کا مطلوب انسان ہو۔ وہ دنیا میں خدا کی رحمتوں کو پائے اور آخرت میں جنت کا مستحق قرار دیا جائے۔

14-057

خدا کی نعمتیں

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اور اس نے تم کو ہر چیز میں سے دیا جو تم نے مانگا۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گنو تو تم گن نہیں سکتے۔ بے شک انسان بہت بجا نصاب اور بڑا شکر ہے۔ (ابراہیم ۳۴)

انسان جب دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو اس کو کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس کو کن کن

چیزوں کی ضرورت ہے۔ مگر بعد کو وہ حیرت انگیز طور پر پاتا ہے کہ یہاں اس کی ضرورت کی تمام چیزیں بیٹھی طور پر موجود ہیں۔ زمین میں موافق قوت کشش، سورج اور ہوا اور پانی، ہوا میں آکسیجن کا ذخیرہ، زمین پر ہر قسم کی غذائیں، سفر کے لئے سواریاں، وغیرہ وغیرہ۔ اسی کے ساتھ زمین میں طرح طرح کی معدنیات جو کار اور ہوائی جہاز سے لے کر ٹیلیفون اور کمپیوٹر تک، اگلت چیزوں میں ڈھل سکتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو انسان کو اپنی راحت اور اپنی ضرورت کے لئے درکار تھی ان سب کو خدا نے بیٹھی طور پر دنیا میں جمع کر دیا۔

یہ آیت قرآن کی صداقت پر ایک کھلی ہوئی دلیل ہے۔ نزول قرآن کے وقت اشیاء کائنات کے بارے میں انسان کی معلومات اتنی کم تھیں کہ انسان یقین کے ساتھ یہ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا کہ اس دنیا میں خدا کی نعمتیں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کی کتنی نہیں کی جاسکتی۔ نعمتوں کا اگلت ہونا اس وقت انسان کے لئے ایک نامعلوم بات تھی۔ یہ حقیقت پہلی بار صرف بیسویں صدی میں دریافت ہوئی۔ ایسی حالت میں دور سائنس سے پہلے کی ایک کتاب جس اس آیت کا ہونا ثابت کرتا ہے کہ وہ ایک خدائی کتاب ہے نہ کہ ایک انسانی کتاب۔ کیوں کہ انسان اپنی محدود واقفیت کی بنیاد پر چودہ سو سال پہلے ایسا بیان نہیں دے سکتا تھا۔ یہ صرف خالق کائنات ہے جو ان باتوں کا علم رکھتا ہے اور ان کے بارے میں ایسا بیان دے سکتا ہے جو بعد کے زمانے کے انقلابات سے درست ثابت ہوں۔

15-058

### حافظت قرآن

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: یقیناً ہم نے ہی اس ذکر (قرآن) کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (الحجر ۹)

قرآن ۶۱۰ء میں اترا شروع ہوا۔ اس کا آخری حصہ ۶۳۲ء میں اترا۔ یہ پریس کے دور سے بہت پہلے کا زمانہ ہے۔ اس کے علاوہ اس وقت پیغمبر اور اہل ایمان کو باری طاقتوں میں سے کوئی

طاقت حاصل نہ تھی۔ مزید یہ کہ مخالفتوں کی کثرت نے بظاہر سارے امکانات کو مسدود کر رکھا تھا۔ ایسی حالت میں قرآن کا یہ بیان کہ وہ مستقل طور پر باقی اور محفوظ رہے گا ایک نہایت غیر معمولی بیان تھا۔ ظاہری حالات کے اعتبار سے یہ ایک ناقابل قیاس واقعہ کی پیشین گوئی تھی۔ وہ تمام اسباب مستقبل کے اندھیروں میں چھپے ہوئے تھے جو حفاظت قرآن کو واقعہ بنانے کے لئے درکار تھے۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ آیت اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ قرآن خداوند عالم کی کتاب ہے۔ چنانچہ مین پیشین گوئی کے مطابق بعد کے زمانے میں ایک کے بعد ایک وہ تمام واقعات ظاہر ہوئے جو قرآن کی حفاظت کی یقینی ضمانت بن گئے۔ یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ جدید پریس کا دور آگیا جس کے بعد کسی کے لئے قرآن کو مٹانا عملاً ناممکن ہو گیا۔ مزید یہ کہ انتہائی استشہائی طور پر عربی زبان جو کہ قرآن کی زبان ہے، اپنی اصل ابتدائی حالت میں موجود رہی جب کہ نزول قرآن کے زمانے کی کوئی بھی زبان آج اپنی قدیم حالت میں موجود نہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، مصنف کی کتاب: عظمت قرآن)

15-859

منتخب بندے

قرآن میں بتلایا گیا ہے کہ اللہ کے حکم کے باوجود، ابلیس نے آدم کے آگے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد اللہ نے اس کو ہمیشہ کے لئے اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ اس وقت شیطان نے یہ جواب دیا: ابلیس نے کہا، اے میرے رب، جیسا تو نے مجھے گمراہ کیا ہے اسی طرح میں زمین میں ان کے لئے مزین کروں گا اور سب کو گمراہ کروں گا سو ان کے جو تیرے چنے ہوئے بندے ہیں۔ اللہ نے فرمایا، یہ ایک سیدھا راستہ ہے جو مجھ تک پہنچتا ہے۔ بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر حیرازور نہیں چلے گا۔ سو ان کے جو گمراہوں میں سے تیری پیروی کریں۔ اور ان سب کے لئے جہنم کا وعدہ ہے۔ (الحجر ۳۹-۴۳)

اس آیت کے مطابق، ہر انسان شیطان کی زد میں ہے۔ شیطان ہر انسان کو بہکا کر تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔ اس معاملہ میں شیطان کا طریقہ کیا ہے، وہ تزیین ہے۔ یعنی غلط کام کو اچھا بنا کر پیش کرنا، برائیوں کو بھلائی کی صورت میں دکھانا، برہادی کے راستے کی ایسی تشریح کرنا کہ وہ کامیابی کا راستہ دکھائی دینے لگے۔ یہی تزیین انسان کے مقابلہ میں شیطان کا سب سے بڑا اختیار ہے۔

وہ کون لوگ ہیں جو شیطان کی اس جاہ کن تزیین سے بچ جائیں گے۔ یہ وہ منتخب انسان ہیں جو اپنے شعور کو اتنا زیادہ بیدار کر لیں کہ جب شیطان انہیں ایک غلط کام کو صحیح کام بنا کر دکھائے تو وہ اس سے متاثر نہ ہوں۔ وہ شیطان کی تزیین کا پردہ پھاڑ کر اصل حقیقت کو دیکھ لیں۔ وہ اپنی خدا داد عقل کے ذریعہ معاملات کو سمجھیں نہ کہ شیطان کی ترغیبات کے ذریعہ۔

10-950

### دین میں اختلاف

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اور ہم نے تم پر کتاب صرف اس لئے اتاری ہے کہ تم ان کو وہ چیز کھول کر سنا دو جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں اور وہ ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں۔ اور اللہ نے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر اس سے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کر دیا۔ بے شک اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں (التحل ۶۳-۶۵)۔

دوسرے مقام پر یہی بات اس طرح کہی گئی ہے: لوگ ایک امت تھے۔ انہوں نے اختلاف کیا تو اللہ نے پیغمبروں کو بھیجا خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے۔ اور ان کے ساتھ اتاری کتاب حق کے ساتھ تاکہ وہ فیصلہ کر دے ان باتوں کا جن میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں۔ اور یہ اختلاف انہیں لوگوں نے کئے جن کو حق دیا گیا تھا، بعد اس کے کہ ان کے پاس کھلی کھلی ہدایات آچکی تھیں، آپس کی ضد کی وجہ سے۔ پس اللہ نے اپنی توفیق سے حق کے معاملہ میں ایمان والوں کو راہ دکھائی جس میں وہ جھگڑ رہے تھے۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔

(البقرہ ۲۱۳)

خدا نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ جو دین بھیجا وہ ایک ہی دین ہے۔ پھر اتنے زیادہ پیغمبر کیوں آئے۔ اصل یہ ہے کہ جب ایک پیغمبر خدا کا دین لاتا ہے تو اس کے ابتدائی ماننے والے اس کو پیغمبر کی تشریح کے مطابق مانتے ہیں۔ بعد کی لسوں میں تعبیر و تشریح میں اختلافات پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک دین مختلف تشریحات کی صورت اختیار کر کے کئی دین بن جاتا ہے۔ ان میں سے ہر گروہ اپنے بنائے ہوئے دین کو صحیح اور دوسرے کو غلط کہنے لگتا ہے۔ اختلاف کے اس جنگل میں لوگوں کے لئے یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کیا چیز حق ہے اور کیا چیز باقی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام کو بھیج کر یہ انتظام کیا تھا کہ لوگ مذہبی اختلاف کے جنگل کے درمیان خدا کے سچے راستے کو معلوم کر سکیں۔ یہی صورت حال آج بھی باقی ہے۔ ایک شخص خدا کے راستے کی تلاش میں ہو اور وہ مختلف مذاہب کا مطالعہ کرے تو وہ یقیناً ذہنی انتشار میں پڑ جائے گا۔ کیوں کہ مذاہب کی جو تعلیمات آج موجود ہیں ان میں باہم سخت اختلافات ہیں۔ چنانچہ حق کے متلاشی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کس چیز کو صحیح سمجھے اور کس چیز کو غلط۔

ایسی حالت میں پیغمبر آخر الزماں کا لایا ہوا دین خدا کے بندوں کے لئے رحمت ہے۔ کیوں کہ دوسرے ادیان کے برعکس، آپ کا دین ایک محفوظ دین ہے۔ وہ تاریخی اعتبار سے پوری طرح مستند ہے۔ اس بنا پر پورا اعتماد کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے جو دین چھوڑا وہی وہ حقیقی دین ہے جو خدا کو اپنے بندوں سے مطلوب ہے۔

تاہم تفسیر و تشریح میں اختلاف کا امکان ہر ستور باقی ہے۔ اس لئے پیغمبر آخر الزماں کے بعد بھی یہ صورت پیش آئے گی کہ اصل دین میں مختلف تعبیرات کر کے لوگ دوبارہ مختلف مذہبی دائروں میں بٹ جائیں۔ مگر آخری دین (اسلام) کا متن اب بھی پوری طرح محفوظ ہے۔ اس لئے آدمی اگر انسانی تشریحات سے الگ ہو کر براہ راست متن کے ذریعہ خدا کے دین کو سمجھنا چاہے تو وہ حقیقی دین کو پانے سے محروم نہیں رہ سکتا، بشرطیکہ وہ اس معاملہ میں پوری طرح سنجیدہ ہو۔

یہاں اس معاملے کو بارش کی مثال کے ذریعہ واضح کیا گیا ہے۔ بارش زمین کے ہر حصہ پر برکتی ہے۔ مگر جو زر خیز زمین ہے اسی کو بارش سے فائدہ ہوتا ہے۔ پھر زمین بارش کے باوجود بارش کے فائدے سے محروم رہتی ہے۔ یہی حال انسانوں کا ہے۔ جس آدمی نے اپنی استعداد کو زائد رکھا ہو وہ اختلاف کے باوجود اصل دین کو پالے گا۔ اور جس آدمی کی استعداد مردہ ہو جائے وہ اختلافات میں الجھ کر رہ جائے گا۔ وہ اصل دین کو پالنے میں ناکام رہے گا۔

18-061

### وحی کی شہادت

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی پر وحی کی کہ پہاڑوں اور درختوں اور جہاں ٹھیاں باندھتے ہیں ان میں گھرنٹا پھر ہر قسم کے پھلوں کا رس چوس اور اپنے رب کی ہمواری ہوئی راہوں پر چل۔ اس کے پیٹ سے پینے کی چیز نکلتی ہے، اس کے رنگ مختلف ہیں، اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔ بے شک اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور کرتے ہیں۔ (الحمل ۶۸-۶۹)

قرآن کی اس آیت میں شہد کی مکھی کے معاملہ کو بتانے کے لئے وحی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ اگر انسان شہد کی مکھی کے معاملے پر غور کرے تو وہ پیغمبر پر آنے والی وحی کو بھی سمجھ سکتا ہے۔

شہد کی مکھی کی زندگی میں ایسی غیر معمولی نشانیاں ہیں جو اس حقیقت کو بتاتی ہیں کہ شہد کی مکھی کو عینی طور پر خارج سے وحی جیسی رہنمائی دی جا رہی ہے، خارجی رہنمائی کے بغیر شہد کی مکھی خود سے ایسا نہیں کر سکتی۔ شہد کی مکھی جس طرح کام کرتی ہے اس میں اس نوعیت کی کثیر مثالیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً شہد کی مکھی کا چھو۔ شہد کی مکھی اپنا ہر حصہ انتہائی صحت کے ساتھ اعلیٰ ریاضیاتی قوانین کی پابندی کرتے ہوئے بناتی ہے۔ اس کو یہ ریاضیاتی علم کس نے دیا۔ شہد کے ایک چھتے میں ہزاروں کھیاں کام کرتی ہیں۔ ان کا یہ کام اتنے زیادہ منظم انداز میں ہوتا ہے جس کی مثال کسی بھی

انسانی کارخانے میں موجود نہیں۔ شہد کی مکھیوں کو یہ ڈسپلن کس نے سکھایا۔ یہ کھیاں جب پھولوں کا رس لا کر اپنے چپتے میں جمع کرتی ہیں تو اسی کے ساتھ وہ انتہائی مناسب مقدار میں اس کے اندر ایک ایسا تحفظی مادہ (preservative) شامل کرتی ہیں جو شہد کو لمبی مدت تک خراب ہونے سے بچانے والا ہے۔ یہ فن شہد کی مکھی کو کس نے سکھایا۔ شہد کی مکھی شہد لانے کے لئے اکثر اپنے چپتے سے کئی کلو میٹر دور تک جاتی ہے۔ صبح کو جب وہ شہد لانے کے لئے اپنے چپتے سے روانہ ہوتی ہے تو وہ کسی قدر اندھیرے میں زولتہ ہوتی ہے۔ لیکن شام کو جب وہ شہد لے کر اپنی آخری ٹرپ سے لوٹتی ہے تو وہ کسی قدر اجالے میں لوٹتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صبح کو اس کا سزا اندھیرے سے اجالے کی طرف ہوتا ہے لیکن شام کو اجالے سے اندھیرے کی طرف۔ اس لئے صبح کو اگر وہ اندھیرے میں روانہ ہو تو اطمینان ہوتا ہے کہ تھوڑی دیر میں اجالا ہو جائے گا۔ اور راتے صاف دکھائی دینے لگیں گے۔ اس کے برعکس اگر وہ شام کو دیر سے واپس ہو تو اندیشہ ہے کہ جلد ہی اندھیرا ہو جائے اور وہ اپنے راستے سے بھٹک جائے۔ صبح کی پہلی ٹرپ اور شام کی آخری ٹرپ میں فرق کرنے کا یہ شعور اس کو کس نے دیا۔

شہد کی مکھی کی کارکردگی میں اس طرح کی بہت سی انوکھی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ یہ مثالیں ناقابل تردید طور پر ثابت کرتی ہیں کہ شہد کی مکھی کو خارجی وحی سے رہنمائی مل رہی ہے۔ اس طرح شہد کی مکھی کی وحی ثابت ہونے کے بعد پتھر کی وحی بھی یقینی طور پر ثابت ہو جاتی ہے۔ ایک کے ساتھ وحی کا امکان ثابت ہونے کے بعد دوسرے کے ساتھ وحی کا امکان اپنے آپ ثابت ہو جاتا ہے۔ دونوں میں ایک منطقی لزوم ہے جس سے انکار کسی بھی طرح ممکن نہیں۔

15-852

دین نظرت

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: بے شک اللہ حکم دیتا ہے عدل کا اور احسان کا اور قرابت داروں کو دینے کا۔ اور اللہ روکتا ہے فحشاء سے اور منکر سے اور سرکشی سے۔ اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے تاکہ

تہیاد دہانی حاصل کرو۔ (المحل ۹۰)

دنیا میں کوئی اللہ کا بندہ کس طرح رہے، اس کا واضح بیان اس آیت میں موجود ہے۔ اس کے مطابق، پہلی چیز جس کا ایک شخص کو اہتمام کرنا ہے وہ عدل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کا جو حق دوسرے پر آتا ہے وہ اس کو پوری طرح ادا کرے، خواہ صاحب حق کمزور ہو یا طاقت ور، اور خواہ وہ پسندیدہ شخص ہو یا ناپسندیدہ۔ حقوق کی ادائیگی میں صرف حق کا لحاظ کیا جائے نہ کہ دوسرے اعتبارات کا۔

دوسری چیز احسان ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ حقوق کی ادائیگی میں عالی ظرفی کا طریقہ اپنایا جائے۔ انصاف کے ساتھ مروت کو جمع کیا جائے۔ قانونی دائرہ سے آگے بڑھ کر لوگوں کے ساتھ فیاضی اور ہمدردی کا رویہ اختیار کیا جائے۔ آدمی کے اندر یہ حوصلہ ہو کہ حتی الامکان وہ اپنے لئے اپنے حق سے کم پر راضی ہو جائے، اور دوسرے کو اس کے حق سے زیادہ دینے کی کوشش کرے۔

تیسری چیز اتباع ذی القربی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی جس طرح اپنے بیوی بچوں کی ضرورت کو دیکھ کر تڑپ اٹھتا ہے اور اس کو پورا کرتا ہے، اسی طرح وہ دوسرے قریبی لوگوں کی ضرورت کے بارے میں بھی حساس ہو۔ ہر صاحب استطاعت شخص اپنے مال پر صرف اپنا اور اپنے گھروالوں ہی کا حق نہ سمجھے بلکہ اپنے رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کو بھی وہ اپنی ذمہ داری میں شامل کرے۔

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد آیت میں تین چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔

پہلی چیز فحشاء ہے۔ اس سے مراد کھلی ہوئی اخلاقی برائیاں ہیں۔ یعنی وہ برائیاں جن کا براہوت خود اپنے ضمیر کے تحت ہر آدمی کو معلوم ہوتا ہے۔ اور لوگ عام طور پر اس کو شرمناک سمجھتے ہیں۔ دوسری چیز منکر ہے۔ منکر معروف کا الٹا ہے۔ معروف ان اچھی باتوں کو کہتے ہیں جن کو ہر معاشرے میں اچھا سمجھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس منکر سے مراد وہ نامعقول کام ہیں جو عام اخلاقی معیار کے خلاف ہیں۔ اس میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جن کو انسان عام طور پر برا جانتے

ہیں اور جن کو قبول کرنے سے انسان کی فطرت انکار کرتی ہے۔

تیسری چیز غبی ہے۔ اس کے معنی ہیں حد سے تجاوز کرنا۔ اس میں ہر وہ سرکشی داخل ہے جب کہ آدمی اپنی واقعی حد سے گزر کر دوسرے شخص پر دست درازی کرے۔ وہ کسی کی جان یا مال یا آبرو لینے کے لئے اس کے اوپر ناحق کارروائیاں کرے۔ وہ اپنے زور و اثر کو ناجائز فائدہ اٹھانے کے لئے استعمال کرنے لگے۔

اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد دہانی حاصل کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں جو باتیں کہی گئی ہیں وہ خود فطرت انسانی کی آواز ہیں۔ آدمی اگر غور کرے تو وہ پائے گا کہ قرآن کی یہ تعلیم مین وہی ہے جس کی طلب بیٹلی طور پر انسان کے اندر موجود تھی۔ قرآن کی اس بات کی حیثیت آدمی کو اس کی اپنی فطرت کی یاد دلانا ہے نہ کہ کسی خارجی حکم کو صرف ابوہریرے نافذ کرنا۔ یہ احساس آدمی کو مجبور کرے گا کہ وہ قرآن کے پیغام کو خود اپنی فطرت کی آواز سمجھ کر قبول کرے۔

16-883

یکساں معاملہ

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: جو شخص کوئی نیک کام کرے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مسومن ہو تو ہم اس کو زکوٰۃ دیں گے، ایک اچھی زکوٰۃ گی۔ اور جو کچھ وہ کرتے رہے اس کا ہم ان کو بہترین بدلہ دیں گے۔ (النحل ۹۷)

اسلام کے مطابق، عورت اور مرد کے درمیان میدان کار (workplace) کے اعتبار سے تو ضرور فرق ہے۔ مگر خدا کی نعمتوں میں حصہ دار بننے کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ کوئی بھی فرد، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اگر وہ معرفت خداوندی حاصل کرے اور اس کے مطابق وہ صالح کردار کا ثبوت دے تو دونوں یکساں طور پر اس خداوندی رحمت کے مستحق قرار پائیں گے جو اس دنیا میں انسان کے لئے مقدر کی گئی ہے۔

اس خدائی رحمت کا پہلا حصہ یہ ہے کہ اس کو دنیا میں وہ زندگی حاصل ہو جو خدا کے نزدیک پاک زندگی (حیوة طیبہ) ہے۔ یعنی ہر موقع پر یہ توفیق ملتا کہ اس کے ذہن میں صحیح اور مثبت سوچ جگہ پائے۔ اسی طرح اس کو توفیق ملے کہ وہ ہر موقع پر وہ روش اختیار کرے جو اس دنیا میں ہر انسان کے لئے صحیح اور درست روش ہے۔ اس خدائی رحمت کا دوسرا حصہ وہ ہے جس کا ظہور آخرت میں ہوگا۔ یعنی اس کے ایمان اور اس کے عمل کو قبول کر کے ابدی جنت میں اس کا داخلہ۔

آیت کے مطابق، خدا کی یہ رحمت جس طرح ایک مرد کے لئے ہے، ٹھیک اسی طرح وہ ایک عورت کے لئے بھی ہے۔ نتیجہ کے اعتبار سے دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ البتہ مرد کو اپنے دائرہ کار میں ایمان و عمل کا ثبوت دینا ہے اور عورت کو اپنے دائرہ کار میں۔

18-884

### دعوت کا اسلوب

قرآن میں دعوت کا حکم دیتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے اچھے طریقہ سے بحث کرو۔ بے شک تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے جو راہ پر چلنے والے ہیں۔ (المحل ۱۳۵)

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ دعوت حق کا اسلوب کیا ہونا چاہئے۔ اس کو بتانے کے لئے قرآن میں تین نقطہ استعمال کئے گئے ہیں۔ حکمت، موعظتِ حسنة اور جدالِ احسن۔ حکمت سے مراد دلیل و برہان ہے۔ کوئی دعوتی عمل اسی وقت حقیقی دعوتی عمل ہے جب کہ وہ ایسے دلائل کے ساتھ ہو جس میں مخاطب کے ذہن کی پوری رعایت شامل ہو۔ مخاطب کے نزدیک، کسی چیز کے ثابت شدہ ہونے کی جو شرائط ہیں، ان شرائط کی تکمیل کے ساتھ جو کلام کیا جائے اسی کو یہاں حکمت کا کلام کہا گیا ہے۔ جس کلام میں مخاطب کی ذہنی و فکری رعایت شامل نہ ہو وہ غیر حکیمانہ کلام ہے۔ اور ایسا کلام کسی کو دائمی کامرتبہ نہیں دے سکتا۔

موعظتِ حسنہ اس خصوصیت کا نام ہے جو دردِ مندی اور خیرِ خواہی کی نفسیات سے کسی کے کلام میں پیدا ہوتی ہے۔ جس داعی کا حال یہ ہو کہ خدا کی عظمت و جلال کے احساس سے اس کی شخصیت کے اندر بھونچال آگیا ہو، جب وہ خدا کے بارے میں بولے گا تو یقینی طور پر اس کے کلام میں عظمتِ خداوندی کی بجلیاں چمک اٹھیں گی۔ جو داعی جنت اور جہنم کو دیکھ کر دوسروں کو اسے دکھانے کے لئے اٹھے اس کے کلام میں یقینی طور پر جنت کی بہاریں اور جہنم کی ہولناکیاں گونجتی ہوئی نظر آئیں گی۔ ان چیزوں کی آمیزش داعی کے کلام کو ایسا بنا دے گی جو دلوں کو پگھلا دے اور آنکھوں کو اشک بار کر دے۔

دعوتی کلام کی اصل خصوصیات یہی دو ہیں — حکمت اور موعظتِ حسنہ۔ تاہم ہمیشہ دنیا میں کچھ ایسے لوگ موجود رہتے ہیں جو غیر ضروری بحثیں کرتے ہیں۔ جن کا مقصد الجھانا ہوتا ہے نہ کہ سمجھنا اور سمجھانا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں ایک سچا داعی جو انداز اختیار کرتا ہے، اسی کا نام جدالِ احسن ہے۔ وہ نیز می بات کا جواب سیدھی بات سے دیتا ہے۔ وہ سخت الفاظ سن کر بھی اپنی زبان سے نرم الفاظ نکالتا ہے۔ وہ الزام تراشی کے مقابلہ میں صبر کا اسلوب اختیار کرتا ہے۔ داعی حق کی نظر سامنے کے انسان کی طرف نہیں ہوتی بلکہ اس خدا کی طرف ہوتی ہے جو سب کے اوپر ہے۔ اس لئے وہ وہی بات کہتا ہے جو خدا کی میزان میں حقیقی بات ٹھہرے اور جس کے لئے اسے خدا کے یہاں شرمندہ ہونا نہ پڑے۔

16-065

داعیانہ کردار

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ کیا گیا ہے اور اگر تم صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لئے بہت بہتر ہے (النحل 126) اس آیت میں داعی کا وہ کردار بتایا گیا ہے جو مخالفین کے مقابلہ میں اس کو اختیار کرتا ہے۔ فرمایا کہ اگر مخالفین کی طرف سے ایسی تکلیف پہنچے جس کو تم برداشت نہ کر سکو تو تم کو اتنا ہی کرنے

کی اجازت ہے جتنا تمہارے ساتھ کیا گیا ہے۔ تاہم یہ اجازت صرف انسان کی کمزوری کو دیکھتے ہوئے بطور رعایت ہے۔ ورنہ داعی کا اصل کردار تو یہ ہونا چاہئے کہ وہ دعویٰ کی طرف سے پیش آنے والی ہر تکلیف پر صبر کرے۔ وہ دعویٰ سے حساب چکانے کے بجائے ایسے تمام معاملات کو خدا کے خاند میں ڈال دے۔

مخاطب اگر حق کو نہ مانے۔ وہ اس کو مٹانے کے درپے ہو جائے تو اس وقت داعی کو سب سے بڑی تدبیر جو کرنی ہے وہ صبر ہے۔ یعنی رد عمل کی نفسیات یا جوانی کا ردوائیوں سے بچتے ہوئے مثبت طور پر حق کا پیغام پہنچاتے رہنا۔

17-888

خدائی نشانیوں کا تجربہ

قرآن میں پیغمبر اسلام ﷺ کے سفر معراج کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے دور کی اس مسجد تک جس کے ماحول کو ہم نے بارگاہ بنا لیا ہے تاکہ ہم اس کو اپنی بعض نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے (نئی اسرائیل ۱)

قرآن کی اس آیت میں جس واقعہ کا ذکر ہے، وہ غالباً ہجرت سے ایک سال پہلے پیش آیا۔ اس وقت پیغمبر اسلام ﷺ مکہ میں تھے۔ رات کے وقت پر اسرار طور پر خدا کے فرشتے نے آپ کو مکہ سے یرد ظلم پہنچایا۔ اس سفر کی ابتدائی منزل مسجد القصیٰ (دور کی مسجد) تھی۔ یہ دراصل وہ جگہ (site) ہے جہاں پہلے بیکل سلیمان واقع تھا۔ اس بیکل (عبادت گاہ) کو حضرت سلیمان نے ۱۰۰۴ ق م میں بنوایا تھا۔ اس کے بعد بابل کے بادشاہ بخت نصر نے ۵۸۶ ق م میں اس کو تباہ کر دیا۔ اس کے بعد اسرائیلی پیغمبر عزراہ اور نحمیاہ نے اس کو تقریباً ۵۱۵ ق م میں دوبارہ تعمیر کیا۔ اس کے بعد عیسائیس رومی اپنی فوجوں کے ساتھ ۷۰ ق م میں یرد ظلم آیا اور اس نے پورے بیکل کو توڑ کر اس کو کھنڈر بنا دیا۔

جب پیغمبر اسلام کا سفر معراج ہوا تو یہ مقام غالباً اسی طرح کھنڈر کی حالت میں تھا۔ کیوں کہ یہودیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ یہکل (عبادت گاہ) کی تعمیر صرف خدا کا پیغمبر ہی کر سکتا ہے۔ اس حادثہ کے بعد چونکہ ایسا کوئی پیغمبر ان کے یہاں نہیں آیا جو اس کی دوسری تعمیر کرے۔ اس لئے وہ جگہ اسی ویران حالت میں پڑی رہی۔ روایات کے مطابق، پیغمبر اسلام کے اس سفر کے موقع پر تمام پچھلے پیغمبر اکٹھا ہوئے۔ انہوں نے اس جگہ نماز باجماعت ادا کی اور پیغمبر اسلام نے اس کی نجات فرمائی۔

یہ سفر جس کو قرآن میں اسراء کہا گیا ہے، اس کے بارے میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ اس میں لہربہ من آہاتنا (تاکہ ہم اس کو اپنی بعض نشانیاں دکھائیں) کا مطلب کیا ہے۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد وہ نشانیاں ہیں جو مسجد اقصیٰ یا ربوہ ظلم کے آس پاس موجود ہیں۔ سابق پیغمبروں کے آثار اور زمینی شادابی وغیرہ۔ مگر زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس کو اس غیر معمولی سفر سے متعلق مانا جائے۔ جیسا کہ خود آیت میں ارشاد ہوا ہے (سبحان الذی اسرى بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الأقصى)۔

اسراء کے اس واقعہ کا سب سے زیادہ اہم پہلو یہ ہے کہ وہ ایک بے حد تیز رفتار سفر کی صورت میں ہوا۔ اس ”نشانہ“ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس جدید امکان کا تکنیکی تعارف کر لیا جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دور نبوت میں ظاہر ہونے والا تھا۔ یعنی وہی چیز جس کو آج جدید مواصلات (Modern Communication) کہا جاتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں فطرت کی جوئی طاقتیں انسان کے قبضہ میں آئی ہیں انہوں نے اس بات کو ممکن بنا دیا ہے کہ انسان انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ سفر کرے، وہ اپنے پیغامات کو ایک لمحہ کے اندر دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچا دے۔

پیغمبر اسلام ﷺ سارے اہل عالم کے لئے نذیر و پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے (الفرقان، ۱)۔ آپ کی بھشت کی اس عالمی نوعیت کا تقاضہ تھا کہ آپ کے پیروؤں کو وہ اسباب دئے جائیں جن کے

ذریعہ وہ نسل در نسل آپ کے دین کی عالمی اشاعت کر سکیں۔ مذکورہ ذمہ داری کی ادائیگی اس کے بغیر ممکن نہ تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام کے بعد ایسے حالات پیدا کئے جن کے نتیجے میں مواصلات کا نیا دور دنیا میں آگیا۔

پیغمبر اسلام ﷺ کے زمانہ میں لوٹ پر سفر ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک شخص کو مکہ سے یروشلیم تک پہنچنے کے لئے ایک مہینہ سے زیادہ لمبی مدت درکار ہوتی تھی۔ مگر اب جدید انقلاب نے اس معاملہ کو یکسر بدل دیا ہے۔ پیغمبر اسلام کا یہ حیرت فزا سفر گویا کیوبیکیشن کے نئے دور کا افتتاح تھا جو خود آپ کے دین کے لئے پہلی بشارت کے طور پر کر لیا گیا۔

17-887

### خوش حال طبقہ

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں، پھر وہ اس میں نافرمانی کرتے ہیں۔ تب ان پر بات ثابت ہو جاتی ہے۔ پھر ہم اس بستی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ (بنی اسرائیل ۱۶)

یہ قرآن کے مخصوص اسلوب میں فطرت کے ایک قانون کا بیان ہے۔ وہ یہ کہ کسی قوم کے بننے اور بگڑنے کا انحصار اس کے طبقہ خواص پر ہوتا ہے، نہ کہ طبقہ عوام پر۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر ہمیشہ اپنے دعوتی اور اصلاحی عمل کا نشانہ خواص کو بناتے ہیں۔ عوام کو اپنے دعوتی عمل کا اصل نشانہ بنانا پیغمبرانہ سنت کے مطابق نہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی قوم کی اصلاح یا کسی قوم کے بگاڑ کا معیار اس قوم کا خوش حال اور سربرآوردہ طبقہ ہوتا ہے۔ یہی طبقہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کا مالک ہوتا ہے۔ یہی طبقہ اپنے مسائل کے ذریعہ لوگوں پر اثر انداز ہونے کی طاقت رکھتا ہے۔ یہی طبقہ اس قائل ہوتا ہے کہ وہ کسی گروہ کے اوپر قائم بننے کی قیمت ادا کر سکے۔

یہی وجہ ہے کہ کسی قوم کے سربرآوردہ طبقہ کی اصلاح پوری قوم کی اصلاح ہے اور کسی

قوم کے سر پر آوردہ طبقہ کا بگاڑ پوری قوم کا بگاڑ۔

17-988

دنیا مقصودِ اصلی نہیں

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: جو شخص عاجلہ کو چاہتا ہو، اس کو ہم اس میں سے ونے دیتے ہیں، جتنا ہم جس کو دینا چاہیں۔ پھر ہم نے اس کے لئے جہنم ٹھہرا دی ہے، وہ اس میں داخل ہو گا بد حال اور راندہ ہو کر۔ اور جس نے آخرت کو چاہا اور اس کے لئے دوڑ کی جو کہ اس کی دوڑ ہے اور وہ مومن ہو تو ایسے لوگوں کی کوشش مقبول ہوگی۔ ہم ہر ایک کو تیرے رب کی بخشش میں سے پہنچاتے ہیں، ان کو بھی اور ان کو بھی۔ اور تیرے رب کی بخشش کسی کے اوپر بند نہیں۔ (نئی اسرائیل ۱۸-۲۰)

دنیا میں زندگی گزارنے کے دو طریقے تھے ہیں۔ ایک ہے، دنیا کے ذریعہ دنیا کو حاصل کرنا۔ دوسرا ہے، دنیا کے ذریعہ آخرت کو حاصل کرنا۔ یہ دونوں ہی مواقع ہر آدمی کے لئے یکساں طور پر کھلے ہوئے ہیں۔ یہ آدمی کا اپنا کام ہے کہ وہ دونوں میں سے کس کو لیتا ہے اور کس کو چھوڑ دیتا ہے۔ آدمی کو ایک ایسا وجود دیا گیا ہے جو نہایت اعلیٰ ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کا مالک ہے۔ دوسری طرف خارجی دنیا میں ہر قسم کے اسباب وافر مقدار میں موجود ہیں۔ کوئی آدمی دونوں میں سے جس مقصد کو اپنا نشتا نہ بنائے، تمام اسباب فوراً اس کا ساتھ دینے لگتے ہیں۔ اسباب خود سے کبھی ایسا نہیں کہتے کہ ہم کو فلاں مقصد کے لئے استعمال کرو اور فلاں مقصد کے لئے استعمال نہ کرو۔

یہ صورت حال آدمی کو اکثر غلط فہمی میں ڈال دیتی ہے۔ حالات کی مساعدت کو دیکھ کر وہ سمجھ لیتا ہے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ ٹھیک کر رہا ہوں۔ مگر یہی وہ مقام ہے جہاں آدمی کا امتحان ہو رہا ہے۔ آدمی کو ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ وہ صرف اس لئے اپنے آپ کو درست سمجھ لے کہ وہ بظاہر ترقی اور کامیابی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس کے بجائے ہر آدمی کو یہ کرنا ہے کہ وہ اصول حق کو

معیار بنائے اور اس کی روشنی میں اپنے صحیح اور غلط ہونے کا فیصلہ کرے۔

17-069

صحیح، بھرا، بخوار

قرآن میں مختلف احکام دیتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: اور ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کی تم کو خبر نہیں۔ بے شک کان اور آنکھ اور دل سب کی آدمی سے پوچھ ہوگی۔ (بنی اسرائیل ۳۶)

انسان کو تین نہایت خاص صلاحیتیں دی گئی ہیں۔ صحیح اور بھرا اور بخوار یعنی سنا اور دیکھنا اور سوچنا۔ یہ تینوں صلاحیتیں ایک اعتبار سے نعت ہیں اور دوسرے اعتبار سے وہ امتحان کا پرچہ ہیں۔ موجودہ دنیا میں چیزیں اس طرح ملی جلی حالت میں ہیں کہ صحیح رائے قائم کرنا ہمیشہ بے حد ہارک کام ہوتا ہے۔ آدمی کسی کے بارہ میں کوئی ایک بات سنتا ہے۔ حالاں کہ اس کے سوا بھی اس کی بہت سی باتیں ہوتی ہیں۔ آدمی کسی معاملہ کے ایک جزؤ کو دیکھتا ہے، جب کہ اس کے بہت سے اجزاء اس کے سامنے نہیں ہوتے۔ اسی طرح آدمی کے دماغ میں ایک بات آتی ہے، مگر وہ صرف اور صحوری بات ہوتی ہے نہ کہ پوری بات۔

ایسی حالت میں آدمی کے اوپر لازم ہے کہ جب بھی وہ کسی کے بارے میں کوئی رائے بنائے تو پوری تحقیق کے بعد بنائے۔ اس کو چاہئے کہ وہ پوری بات سمئے۔ وہ معاملے کے ہر پہلو کو دیکھے۔ وہ کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے اس کے بارے میں تحقیق کا حق ادا کرے۔ ان شرطوں کی تکمیل کے بغیر جو آدمی محض جزئی یا سرسری علم کی بنا پر ایک رائے قائم کر لے، اس کے لئے ہمیشہ ہے کہ وہ خدا کی پکڑ کی زد میں آجائے اور اس کو اپنے کان اور آنکھ اور اپنے ذہن کے غلط خیالات کی سخت سزا بھگتنی پڑے۔

17-070

دنیا اور آخرت

انسان کو دی جانے والی خصوصی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اور

جو شخص اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا اور وہ بہت دور پڑا ہو گا راستے سے۔  
(بنی اسرائیل ۷۲)

موجودہ دنیا میں خدائی حقیقتوں کو غیب کی حالت میں رکھا گیا ہے۔ آخرت میں یہ تمام خدائی حقیقتیں کھلے طور پر سامنے آجائیں گی۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی اعلیٰ صلاحیتیں دے کر دنیا میں بسایا ہے۔ اب انسان کا امتحان یہ ہے کہ وہ اپنی ان صلاحیتوں کو بھرپور طور پر استعمال کرے اور انہیں حقیقتوں کو دریافت کر کے انہیں اپنی زندگی کا سرمایہ بنائے۔ یہی آدمی کی کامیابی ہے۔ جو آدمی آنکھیں رکھتے ہوئے دنیا میں خدا کے جلووں کو نہ دیکھ سکے وہ گویا اندھا ہے۔ ایسے لوگ جس طرح دنیا میں اندھے رہے، اسی طرح وہ آخرت میں بھی اندھے رہیں گے۔ وہ آخرت کی نعمتوں میں اپنا حصہ پانے سے ابدی طور پر محروم رہ جائیں گے۔

17-971

ذہنی سانچہ

انسان کی حالت بتاتے ہوئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے: کہو کہ ہر ایک اپنے شاکلہ پر عمل کر رہا ہے۔ اب تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ کون زیادہ ٹھیک راستہ پر ہے۔ (بنی اسرائیل ۸۳)

شاکلہ سے مراد ذہنی سانچہ ہے۔ ہر آدمی کے حالات اور رجحانات کے تحت دھیرے دھیرے اس کا ایک خاص ذہنی سانچہ بن جاتا ہے۔ یہ وہی چیز ہے جس کو نفسیات میں کنڈیشننگ کہا جاتا ہے۔ ہر آدمی پیدا کنٹی طور پر صحیح فطری ذہن لے کر پیدا ہوتا ہے اس کے بعد ہر آدمی دھیرے دھیرے کنڈیشننگ تھکنگ کا کس بن جاتا ہے۔ وہ اسی کے زیر اثر سوچتا ہے اور اسی کے مطابق اس کا نقطہ نظر بنتا ہے۔ مگر صحیح نقطہ نظر وہ ہے جو علم الہی کے مطابق صحیح ہو اور غلط وہ ہے جو علم الہی کے مطابق غلط ہو۔

یہی وہ مقام ہے جہاں آدمی کا امتحان ہے۔ آدمی کو یہ کرنا ہے کہ اس کے شاکلہ نے اس کا جو ذہنی سانچہ بنا دیا ہے۔ وہ اس سانچہ کو توڑے۔ تاکہ وہ چیزوں کو دیکھ سکے جیسی کہ وہ ہیں۔

باتفاق و یکسر وہ چیزوں کو ربانی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ جو لوگ اپنے ذہنی خول میں کم ہوں، وہ دیکھتے ہوئے لوگ ہیں۔ اور جو لوگ اپنے ذہنی خول سے نکل کر خدائی نقطہ نظر کو پالیں وہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت پائی۔

17-872

علم قلیل

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اور وہ تم سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہو کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے۔ اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ (بنی اسرائیل ۸۵)

اس آیت میں روح سے مراد وحی الہی ہے۔ جو لوگ وحی کی حقیقت جاننے کے لئے سوالات کر رہے تھے، ان کو براہ راست طور پر سوال کا جواب دینے کے بجائے یہ کہا گیا کہ انسان کو صرف علم قلیل (محدود علم) دیا گیا ہے، اس کو علم کثیر (لامحدود علم) نہیں دیا گیا۔ ایسی حالت میں حقیقت پسندی یہ ہے کہ اپنی محدودیت کا اعتراف کرتے ہوئے اجمالی علم پر قناعت کی جائے۔

یہ تصور علم کی کلید ہے۔ موجودہ دنیا میں معرفت یا گہری حقیقت تک وہی انسان پہنچے گا جو اس حقیقت کا اعتراف کرے اور غور و فکر کے عمل کو ممکن دائرہ کے اندر چاڑی کرے اور اس دائرہ کو توڑ کر ناممکن دائرہ میں داخل نہ ہو جائے۔

17-873

دنیا کی زمینت

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: جو کچھ زمین پر ہے اس کو ہم نے زمین کی رونق بتلایا ہے تاکہ ہم لوگوں کو جانیں کہ ان میں کون اچھا عمل کرنے والا ہے اور ہم زمین کی تمام چیزوں کو ایک صاف عین ان بتادیں گے۔ (الکہف ۷۸)

زمین کی سطح پر ہر سال یہ منظر دکھائی دیتا ہے کہ یہاں بارش ہوتی ہے۔ اس کے بعد یہاں مختلف قسم کا سبزہ اور پھول اگتا ہے۔ زمین نہایت خوش نما دکھائی دینے لگتی ہے۔ اس کے بعد موسم

بدلتا ہے گرم ہوا میں چلنے لگتی ہیں۔ اس کے بعد سارا منظر بدل جاتا ہے۔ جہاں خوش نما سبزہ تھا وہاں خشک مٹی نظر آنے لگتی ہے۔

تمثیل کے روپ میں بھی دنیا کی حقیقت ہے۔ دنیا کی چیزیں انسان کو بظاہر نہایت خوش نما دکھائی دیتی ہیں۔ وہ ان کی رنگینیوں میں گم ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ رنگینیاں ہمیشہ باقی رہنے والی نہیں۔ یہ رنگینیاں حقیقی نہیں ہیں بلکہ صرف آزمائش کے لئے ہیں۔ کامیاب انسان وہ ہے جو بہار اور خزاں کی تمثیل میں دنیا اور آخرت کا نقشہ دیکھ لے۔ وہ دنیا کی وقتی رنگینیوں میں گم ہونے کے بجائے آخرت کی حقیقی دنیا کو اپنی توجہات کا مرکز بنائے۔

18-874

مال و اولاد

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اور ان کو دنیا کی زبردگی کی مثال بناؤ۔ جیسے کہ پانی جس کو ہم نے آسمان سے اتار دیا پھر اس سے زمین کی نباتات خوب گھنی ہو گئیں پھر وہ ریزہ ریزہ ہو گئیں جس کو ہوائیں اڑاتی پھرتی ہیں۔ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ مال اور اولاد دنیوی زبردگی کی رونق ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں تمہارے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بہتر ہیں۔ (الکہف ۳۵-۳۶)

موجودہ دنیا بعد کو آنے والی آخرت کی تمثیل ہے۔ پانی پا کر زمین جب سرسبز ہو جاتی ہے تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ اسی طرح رہے گی، مگر اس کے بعد موسم بدلتا ہے اور سارا سبزہ سوکھ کر ختم ہو جاتا ہے۔

یہی حال دنیا کی رونقوں کا ہے۔ مال و دولت میں انسان کے لئے بڑی کشش ہے۔ اسی طرح اپنی اولاد سے اس کو غیر معمولی دلچسپی ہوتی ہے۔ مگر یہ تمام رونقیں انتہائی عارضی ہیں۔ قیامت بہت جلد ان کو اس طرح ختم کر دے گی کہ ایسا معلوم ہوگا جیسے ان کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ دنیا کی رونقیں ہمیشہ باقی نہیں رہتیں مگر یہاں ایک اور چیز ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

لورہ انسان کے نیک اعمال ہیں۔ جس طرح زمین میں بیج ڈالنے سے باغ آتا ہے اسی طرح اللہ کی یاد اور اللہ کی فرماں برداری سے بھی ایک باغ آتا ہے۔ اس باغ پر کبھی خزاں نہیں آتی۔ مگر دنیوی باغ کے برعکس یہ دوسرا باغ آخرت میں آتا ہے لورہ ہیں وہ اپنے اگانے والے کو ملے گا۔

19-975

### پیغمبروں کی امت

قرآن میں مختلف پیغمبروں اور ان پر ایمان لانے والوں کا ذکر ہے۔ پھر اس سلسلے میں ارشاد ہوا ہے: یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے پیغمبروں میں سے اپنا فضل فرمایا۔ آدم کی اولاد میں سے اور ان لوگوں میں سے جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا۔ اور ابراہیم اور اسماعیل کی نسل سے اور ان لوگوں میں سے جن کو ہم نے ہدایت بخشی اور ان کو مقبول بنایا۔ جب ان کو خدا نے رحمان کی آیتیں سنائی جاتیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر پڑتے۔ پھر ان کے بعد ایسے ناخلف جانشین ہوئے، جنہوں نے نماز کو کھودیا اور خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے، پس عنقریب وہ اپنی خرابی کو دیکھیں گے، البتہ جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور نیک کام کیا تو یحییٰ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرا بھی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔ (مریم 58-60)

پیغمبر پر ایمان لانے والوں کی پہلی نسل زعمہ ایمان کی حامل ہوتی ہے۔ اس پہلی نسل کے افراد کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ خدا کے کلام کو سن کر تڑپ اٹھتے ہیں۔ خدا کا کلام ان کے شعور کو آخری حد تک جگا دیتا ہے۔ خدا سے ان کا تعلق اتنا بڑھا ہوا ہوتا ہے کہ وہ اس کی یاد میں روتے ہیں۔ ان کا سجدہ ان کے لئے خدا سے قربت کے ہم معنی بن جاتا ہے۔ یہی لوگ حقیقتوں میں خدا کا انعام پانے والے لوگ ہیں۔

اس کے بعد ان کی بعد کی نسلوں کا حال بالکل مختلف ہو جاتا ہے۔ اب ان کا ایمان زعمہ ایمان نہیں ہوتا بلکہ صرف رسمی ایمان ہوتا ہے۔ ان کی عبادتوں میں روح (اسپرٹ) باقی نہیں رہتی۔ اب ان کا رہنما صرف ان کی خواہشیں ہوتی ہیں جس کے پیچھے وہ اپنی پوری زندگی ڈال دیتے

ہیں۔ خدا کے نزدیک ان کا انجام مگر اہوں جیسا ہے خواہ وہ لیلور خود اپنے آپ کو ہدایت یاب سمجھے ہوں۔ اس سے مستثنیٰ صرف وہ لوگ ہیں جو خدا کی طرف لوٹیں اور زندہ ایمان کا ثبوت دے کر دوبارہ پہلی نسل کی مانند ہو جائیں۔

20-878

### دعوت پر نصرت

قرآن میں بتلایا گیا ہے کہ جب اللہ نے حضرت موسیٰ کو پیغمبری دی تو اس کے بعد انھوں نے کہا کہ۔ اے میرے رب، میرے سینہ کو میرے لئے کھول دے۔ اور میرے کام کو میرے لئے آسان کر دے۔ اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔ تاکہ لوگ میری بات سمجھیں۔ اور میرے خاندان سے میرے لئے ایک مددگار بنا دے، ہارون کو جو میرا بھائی ہے۔ اس کے ذریعہ سے میری کمر کو مضبوط کر دے۔ اور اس کو میرے کام میں شریک کر دے تاکہ ہم دونوں کثرت سے حیرتی پائی بیان کریں۔ اور کثرت سے حیرانہ چا کریں۔ بے شک تو ہم کو ذکیر رہا ہے۔ فرمایا کہ دے دیا گیا تم کو اے موسیٰ تمہارا سوال۔ (طہ' ۲۵-۳۶)

داعی کے لئے سینہ کا کھلتا یہ ہے کہ حسب موقع اس کے اندر موثر مضامین کا درود ہو۔ معاملہ کا آسان ہونا یہ ہے کہ مخالفین کبھی دعوت کی رو بند کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ زبان کی گرہ کھلتا یہ ہے کہ بڑے سے بڑے مجمع میں بلا جھجک دعوت پیش کرنے کا ملکہ پیدا ہو جائے۔ حضرت موسیٰ نے جب یہ درخواست کی تو اللہ کی طرف سے یہ جواب آیا: قال قد اوتیت مؤلک یحوسنی (اے موسیٰ، تم کو تمہارا سوال دے دیا گیا)

قرآن میں یہ واقعہ ماضی کی تاریخ کے طور پر نہیں آیا ہے اور نہ اس کا تعلق صرف ایک خاص شخصیت سے ہے۔ وہ ایک نصیحت ہے اور اس میں ہر سچے داعی کے لئے امید کا ایک پیغام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آج کا ایک داعی اگر خدا سے ان چیزوں کو مانگے تو آج بھی خدا کی طرف سے آواز آئے گی کہ اے میرے بندے تجھ کو وہ چیز دے دی گئی جس کا تو نے سوال کیا تھا۔

20-877

## دعوتی اسلوب

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کو مصر کے بادشاہ فرعون کی طرف بھیجا تو ان سے فرمایا: تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔ پس اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے۔ (طہ ۴۳-۴۴)

فرعون اپنے زمانہ کا ایک سرکش بادشاہ تھا اس کے باوجود جب اللہ تعالیٰ نے وقت کے نبی کو اپنے پیغام کے ساتھ اس کی طرف بھیجا تو انہیں یہ ہدایت دی کہ تم فرعون سے نرم انداز میں اپنی بات کہنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعوت میں نرم انداز مطلق طور پر مطلوب ہے۔ مدعو کی طرف سے کوئی بھی سختی یا سرکشی داعی کو یہ حق نہیں دیتی کہ وہ اپنی دعوت میں نرمی اور شفقت کا انداز کھودے۔ دوسری بات یہ کہ مدعو کا اثر لینا یا دعوت کو قبول کرنا اس پر منحصر ہے کہ اس سے نرم اور حکیمانہ انداز میں بات کہی گئی ہو۔ دعوتی کلام کی یہ شرط داعی کی ذمہ داری کو بتاتی ہے۔ گویا کہ داعی اگر نرم انداز اختیار نہ کرے تو اس کی دعوتی ذمہ داری ختم نہ ہوگی۔ ایسا داعی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے مدعو تک اپنا پیغام پہنچا دیا۔ اب یہ اس کا معاملہ ہے کہ وہ مانے یا نہ مانے۔

20-878

## قرآن میں بصیرت

قرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: پس برتر ہے اللہ، بادشاہ حقیقی، اور تم قرآن کے لینے میں جلدی نہ کرو جب تک اس کی وحی تکمیل کو نہ پہنچ جائے۔ اور کہو کہ اے میرے رب میرا علم زیادہ کر دے۔ (طہ ۱۱۴)

اس آیت میں رب زدنی علما کی تشریح رب زدنی لہما سے کی گئی ہے (تفسیر القرطبی)

یعنی اے میرے رب میری سمجھ کو زیادہ کر دے۔ اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ جب حضرت جبرئیل قرآن کا کوئی حصہ لے کر رسول اللہ کے پاس آئے اور اس کو پڑھتے تو رسول اللہ اس کو

لینے میں جلدی کرتے، اس اندیشہ کی بنا پر کہ کہیں اس کو بھول نہ جائیں۔ اس وقت آپ کو یہ تلقین کی گئی کہ الفاظ قرآن کی حفاظت کا ذمہ تو خود اللہ نے لے رکھا ہے اس لئے وہ کسی حال میں ضائع ہونے والا نہیں۔ تم کو الفاظ کے معانی پر زیادہ توجہ دینا چاہئے اور متن قرآن کے فہم میں اضافہ کی دعا کرتے رہنا چاہئے۔

اس ہدایت کا تعلق صرف وغیرہ سے نہیں ہے بلکہ آپ کی امت سے بھی ہے۔ پوری امت کو یہ جاننا چاہئے کہ الفاظ قرآن یا متن قرآن کی حفاظت تو بہر حال ہو کر رہے گی۔ کیوں کہ اس کا ذمہ اللہ نے خود لے لیا ہے۔ اہل ایمان کو سب سے زیادہ توجہ جس چیز پر دینا ہے وہ قرآن کے معانی میں فہم و بصیرت حاصل کرنا ہے اور اس میں مسلسل اضافہ کرتے رہنا ہے۔ کیوں کہ قرآن کا فہم یا اس میں گہری بصیرت کسی آدمی کی صرف اپنی کوشش سے ملے گی۔ وہ اپنے آپ کسی کو حاصل ہونے والی نہیں۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امت میں تحفیز القرآن کے مدار سے بھی زیادہ ضروری ہے کہ ان کے درمیان تفہیم القرآن کے ادارے قائم کئے جائیں۔ قرآن کا حفظ بھی اگرچہ ضروری ہے مگر اس سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ لوگوں کو قرآن کا فہم حاصل ہو، وہ قرآن کے معانی میں زیادہ سے زیادہ بصیرت اور حقیقہ کے مالک بنیں۔

قرآن میں دوسرے مقام پر اسی طرح کے پس منظر میں کہا گیا ہے کہ: ان علینا جمعة (القیامہ ۷۱) اور یہاں فرمایا: قل رب زدنی علماً (طہ ۱۱۳) دونوں آیتوں کو ملایا جائے تو اس کا مطلب بنتا ہے کہ قرآن کو جمع کرنا اور اس کو محفوظ رکھنا اللہ کی ذمہ داری ہے، اور قرآن میں فہم و بصیرت حاصل کرنا اور اس میں مسلسل اضافہ کرتے رہنا انسان کی ذمہ داری۔

28-078

رزق رب

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اور ان چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو جن کو ہم نے

ان کے کچھ گروہوں کو ان کی آزمائش کے لئے انھیں دے رکھا ہے۔ اور تمہارے رب کا رزق زیادہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے (طہ ۱۳۱)

اس آیت کا خطاب بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر اپنی حقیقت کے اعتبار سے وہ ایک عمومی ہدایت ہے اور اس کا تعلق تمام اہل ایمان سے ہے۔ اس آیت میں جو بات کہی گئی ہے اس میں تمام اہل ایمان کے لئے ایک اہم رہنمائی ہے، خواہ وہ کسی بھی دور یا کسی بھی نسل سے تعلق رکھتے ہوں۔

ایک آدمی جب پوری سنجیدگی کے ساتھ ایمان اور دعوت کی زندگی اختیار کرتا ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس کی زندگی مشکلات کی اور تنگی کی زندگی بن جاتی ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ ایمان اور دعوت سے بے پروا ہو کر اپنی زندگی بنا لیں وہ عام طور پر خوش حال اور مطمئن نظر آتے ہیں۔ دونوں گروہوں کے درمیان یہ فرق دراصل ان کے طرز زندگی کی قیمت ہے۔ مومن اور داعی ایک با اصول انسان ہوتا ہے۔ وہ ایک با اصول زندگی گزارتا ہے۔ اس کے مقابلے میں غیر مومن اور غیر داعی کی زندگی ایک بے اصول زندگی ہوتی ہے۔ یہی فرق دونوں کی زندگی میں فرق پیدا کر دیتا ہے۔ ایک کو اصول پسندی کی قیمت ملتی ہے اور دوسرے کو بے اصولی کا طریقہ اختیار کرنے کی قیمت۔

مومن اور داعی کو اگر دنیا کی ظاہری دولتیں نہ ملی ہوں تو اس کو اس پر غم نہیں کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ اس کو صبر اسی وقت اس سے بھی زیادہ بڑی ایک چیز ملی ہوئی ہوتی ہے، اور وہ قرآن کے مطابق، رزق رب (طہ ۱۳۱) ہے۔ رزق رب سے کیا مراد ہے، اس سے مراد وہ ربانی احساسات ہیں جو اللہ کی توفیق سے ایسے آدمی کو ملتے ہیں۔ مشکلات و مسائل اس کے اندر بھڑ پیدا کر کے اس کو اللہ سے جوڑتے ہیں۔ مادی راحتوں کی کمی اس کے لئے جنت کی یاد کا سبب بن جاتی ہے۔ لوگوں کی مخالفتیں اس کے اندر رجوع الی اللہ کا جذبہ ابھارتی ہیں۔ زندگی کے تلخ تجربات اس کی روحانیت کو مسلسل بیدار کرتے رہتے ہیں۔ دنیوی ساز و سامان کی کمی اس کو زیادہ سے زیادہ خدا سے

قریب کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔

21-080

### کائنات کی تخلیق

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: کیا انکار کرنے والوں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین دونوں بند تھے پھر ہم نے ان کو کھول دیا۔ اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا۔ کیا پھر بھی وہ ایمان نہیں لاتے۔ (الانبیاء ۳۰)

رتق کے معنی کسی چیز کا منہ بند (منضم الاجزاء) ہونا ہے اور رتق کا مطلب اس کا کھل جانا ہے۔ غالباً اس سے زمین و آسمان کی وہ ابتدائی صورت مراد ہے جس کو موجودہ زمانہ میں بگ بینک نظریہ کہا جاتا ہے۔ جدید سائنس تحقیق کے مطابق زمین و آسمان کا تمام مادہ ابتداً ایک بہت بڑے گولے (سپرائٹم) کی صورت میں تھا۔ معلوم طبعیاتی قوانین کے مطابق اس وقت اس کے تمام اجزاء اپنے اندرونی مرکز کی طرف کھینچ رہے تھے۔ اور انتہائی شدت کے ساتھ باہم جڑے ہوئے تھے۔ اس کے بعد اس گولے کے اندر ایک دھماکہ ہوا اور اس کے اجزاء اچانک بیرونی سمت میں پھیلنا شروع ہوئے۔ اس طرح بالآخر وہ وسیع کائنات بنی جو آج ہمارے سامنے موجود ہے۔

ابتدائی مادی گولے (سپرائٹم) میں یہ غیر معمولی واقعہ ہرونی مدخلت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس طرح آغاز کائنات کی یہ تاریخ واضح طور پر ایک ایسی ہستی کو ثابت کرتی ہے جو کائنات کے باہر اپنا مستقل وجود رکھتی ہے اور جو اپنی ذاتی قوت سے کائنات کے اوپر اثر انداز ہوتی ہے۔ رتق اور رتق کے اس عمل کے دوران ایک اور انتہائی غیر معمولی واقعہ ہوا۔ وہ یہ کہ وسیع کائنات میں زمین جیسا ایک استثنائی کردہ وجود میں آیا اور پھر اس کردہ کے اوپر انتہائی استثنائی طور پر پانی جیسا سیال مادہ بہت بڑی مقدار میں پھیل گیا جو زندگی کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ ہماری دنیا میں ہر جاندار چیز سب سے زیادہ جس چیز سے مرکب ہوتی ہے وہ پانی ہے۔ پانی نہ ہو تو زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ یہ پانی

ہماری زمین کے سوا کہیں اور موجود نہیں۔ وسیع کائنات میں استثنائی طور پر صرف ایک مقام پر پانی کا پایا جاتا واضح طور پر ”خصوصی تخلیق“ کا پتہ دیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ کائنات کا ایک خالق ہے جس نے اپنے ہاشور منصوبہ کے تحت اسے ایک وقت خاص میں پیدا کیا۔

22-001

ہدایت پانے والے

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیا، اللہ ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ ان کو وہاں سونے کے لنگن اور موتی پہنائے جائیں گے۔ اور وہاں ان کی پوشاک ریشم ہوگی۔ اور ان کو پاکیزہ قول کی ہدایت بخشی گئی تھی۔ اور ان کو خدائے حمید کا راستہ دکھایا گیا تھا۔ (الحج ۲۳-۲۴)

حق کا تعارف کسی آدمی کو اصلاً الفاظ کے ذریعہ ہوتا ہے۔ الفاظ میں مختلف تفسیر اور تعبیر کی اتنی زیادہ گنجائش ہے کہ صرف وہی آدمی اس سے رہنمائی لے سکتا ہے جو اس معاملہ میں آخری حد تک سنجیدہ ہو۔ اسی لئے قرآن میں بتایا گیا ہے کہ خدائی کتاب اگرچہ حق ہے مگر وہ انہیں لوگوں کے لئے ہدایت بختری ہے جو کھلے ذہن کے ساتھ اس سے ہدایت لینے کے حریص ہوں۔

مزید یہ کہ اس دنیا میں ہر طرف پر فریب الفاظ کا جال بچھا ہوا ہے۔ یہاں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حق سے پھرے ہوئے لوگ غلبہ حاصل کر لیتے ہیں۔ ایسے ماحول میں ایمان کی صداقت کو پہچاننا یا شبہ سخت مشکل کام ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ مشکل کام یہ ہے کہ ایمان کے اس راستہ پر عملاً اپنے آپ کو ڈال دیا جائے۔

یہ وہ خوش نصیب لوگ ہیں جن کو اقوال کے پر شور ہنگاموں میں قول طیب کو پانے کی توفیق ملی۔ جنہوں نے راستوں کے جھوم میں صراطِ حمید کو دیکھا اور اس کو پہچان لیا۔ جو لوگ دنیا میں اس عظیم لیاقت کا شوق دین وہ انسانیت کے سب سے زیادہ قیمتی لوگ ہیں یہی لوگ اس کامل ہیں کہ انہیں جنت کے ابدی باغوں میں بسایا جائے۔

22-082

### قربانی کی حقیقت

قرآن میں قربانی کے احکام بتاتے ہوئے کہا گیا ہے کہ: اور اللہ کو قربانی کے ان جانوروں کا نہ گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون بلکہ اللہ کو صرف تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اس طرح اللہ نے ان کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے، تاکہ تم اللہ کی بخشی ہوئی ہدایات پر اس کی بڑائی بیان کرو اور نیکو کرنے والوں کو خوش خبری دے دو۔ (الحج ۳۷)

قربانی کا فعل جانور پر کیا جاتا ہے مگر آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کو جو چیز مطلوب ہے وہ ہیٹھ جانور کی قربانی نہیں ہے بلکہ خود انسان کی قربانی ہے۔ جانور کو ذبح کرنے والا آدمی دراصل عمل کی زبان میں یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو تیرے معن کے لئے قربانی کی حد تک وقف کر دیا۔ تو میرے اس ارادہ کو قبول فرما۔

قربانی کا طریقہ اس لئے مقرر نہیں کیا گیا ہے کہ خدا کو گوشت اور خون کی ضرورت ہے۔ قربانی تو صرف ایک علامتی فعل ہے۔ جانور کی قربانی اس انسان کی ایک ظاہری تصویر ہے جو اپنے آپ کو اللہ کے لئے ذبح کر چکا ہے۔ یہ دراصل خود اپنا ذبیحہ ہے جو جانور کے ذبیحہ کی صورت میں مشعل ہوتا ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کے لئے جانور کی قربانی خود اپنی قربانی کے ہم معنی بن جائے۔

22-083

### دقائی جنگ

قرآن میں اہل ایمان کو جنگ کی اجازت دیتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: (لڑنے کی اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن سے لڑائی کی جارہی ہے اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور بے تحک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ وہ لوگ جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے۔ صرف اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ دفع نہ کرتا ہے

تو خانقاہیں اور گرجا اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے ڈھلے جاتے۔ اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اللہ کی مدد کرے۔ بے شک اللہ زبردست ہے، زور والا ہے۔ (انج ۳۹-۴۰)

قرآن کی یہ آیت اور اس طرح کی دوسری آیتیں (مثلاً البقرہ ۱۹۰) اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ اسلام میں صرف اپنے دفاع کے لئے جنگ کی اجازت ہے، اسلام میں جارحانہ جنگ کی بالکل اجازت نہیں۔ مزید یہ کہ کوئی قوم اگر جارحیت کرے تب بھی فوراً اس سے جنگ نہیں چھیڑ دی جائے گی۔ بلکہ ہر ممکن کوشش کے ذریعہ یہ تدبیر کی جائے گی کہ جنگ ٹل جائے اور لڑائی کی نوبت نہ آئے۔ تاہم اگر فریق ہانی آخری حد تک جنگ پر تل جائے تو آخری چارہ کار کے طور پر اس سے جنگ کی جائے گی۔

مزید یہ کہ دفاعی جنگ بھی صرف فریق ہانی کی فوج سے لڑی جائے گی۔ عام شہریوں سے ہرگز کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح یہ جنگ صرف اس وقت تک کی جائے گی جب تک وہ بالکل ضروری ہے، جنگ کو انتقام تک لے جانا اسلام میں جائز نہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم الحروف کی کتاب، فکر اسلامی اور مطالعہ حدیث)

### ۱۱-۱۱۱

#### فلاح پانے والے

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: یقیناً فلاح پائی ایمان والوں نے جو اپنی نماز میں چمکتے والے ہیں اور جو نوبتوں سے اعراض کرتے ہیں۔ اور جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، سوا اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملک بھین میں ہوں کہ ان پر وہ کامل ملامت نہیں۔ البتہ جو اس کے علاوہ چاہیں تو وہ بھی زیادتی کرنے والے ہیں۔ اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں۔ اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ وارث ہونے والے ہیں جو فردوس کی درخت پائیں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (المومنون ۱۱)

خدا کی اس دنیا میں کامیابی صرف اس شخص کے لئے ہے جو صاحب ایمان ہو۔ جو کسی اور والا نہ ہو کر ایک اللہ والا بن جائے۔ جس کی زندگی اندر سے باہر تک ایمان میں ڈھل گئی ہو۔ جب کسی شخص کو ایمان ملتا ہے تو یہ سادہ سی بات نہیں ہوتی۔ یہ اس کی زندگی میں ایک انقلاب آنے کے ہم معنی ہوتا ہے۔ اب وہ اللہ کی عبادت کرنے والا اور اس کے آگے جھکنے والا بن جاتا ہے۔ اس کی سبیدگی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ بے فائدہ مشاغل میں وقت ضائع کرنا اس کو ہلاکت معلوم ہونے لگتا ہے۔ وہ اپنی کمائی کا ایک حصہ خدا کے نام پر نکالتا ہے۔ اور اس سے ضرورت مندوں کی مدد کرتا ہے۔ وہ اپنی شہوانی خواہشات کو کنٹرول میں رکھنے والا بن جاتا ہے۔ اور اس کو انہیں حدود کے اندر استعمال کرتا ہے جو خدا نے اس کے لئے مقرر کر دی ہیں۔ وہ دنیا میں ایک ذمہ دار آدمی کی طرح زندگی گزارتا ہے۔ دوسرے کی امانت میں وہ کبھی خیانت نہیں کرتا۔ کسی سے جب وہ کوئی عہد کر لیتا ہے تو وہ کبھی اس کے خلاف نہیں جاتا۔ جن لوگوں کے اندر یہ خصوصیات ہوں وہ اللہ کے مطلوب بندے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے خدا نے جنت الفردوس کی معیاری دنیا تیار کر رکھی ہے۔ موت کے بعد وہ اس کی فضیلتوں میں داخل کر دئے جائیں گے تاکہ ابدی طور پر وہ اس کے اندر ہمیشہ کرتے رہیں۔

### 23-013

#### خدا کی رحمت میں حصہ پانے والے

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو جو مال اور اولاد دئے جا رہے ہیں تو ہم ان کو فائدہ پہنچانے میں سرگرم ہیں بلکہ وہ بات نہیں سمجھتے۔ بے شک جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنے رب کی آجھوں پر یقین رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل کاچنے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہ لوگ بھلائیوں کی راہ میں سبقت کر رہے ہیں اور وہ ان پر پہنچنے والے ہیں سب سے آگے۔ (المومنون 55-61)

ایک آدمی کو دنیا کی ترقی اور مادی ساز و سامان مل رہا ہو تو وہ سمجھ لیتا ہے کہ وہ ایک کامیاب انسان ہے اور یہ خدا کی رحمتیں ہیں جو اس کے اوپر نازل ہو رہی ہیں۔ مگر مادی ترقیاں کسی کے لئے اس بات کی پہچان نہیں ہیں کہ وہ خدا کا محبوب بندہ ہے اور خدا اس پر اپنی نعمتوں کی بارش کر رہا ہے۔ مادی ساز و سامان اس دنیا میں امتحان کے لئے ہوتا ہے نہ کہ انعام کے لئے۔

کسی آدمی کو اس دنیا میں خدا کی نعمتیں ملنے کی پہچان یہ ہے کہ۔۔۔ دنیا کے واقعات اس کو خدا کی یاد دلانے والے بن جائیں۔ دنیا میں زندگی گزارتے ہوئے اس پر خدا سے خوف اور محبت کے تجربات گزرتے رہیں۔ دنیا اس کے لئے ایسی نشانیوں کا مجموعہ بن جائے جس میں اس کو خدا کے جلوے دکھائی دینے لگیں۔ وہ خدا کو ایک ایسی ہستی کے روپ میں دریافت کر لے جو ہر قسم کے شرک سے بالاتر ہو۔ اس کو دنیا میں جو کچھ ملے اس کو وہ ذاتی لیاقت کا نتیجہ سمجھنے کے بجائے براہ راست خدا کا عطیہ سمجھے۔ اس کا یہ احساس اتنا زیادہ بڑھا ہوا ہو کہ جب وہ اپنی کمائی میں سے کسی ضرورت مند کو کچھ دے تو وہ اس احساس سے کانپ رہا ہو کہ یہ میں اپنا مال نہیں دے رہا ہوں بلکہ میں خدا کی ایک امانت کو خدا کے بندے تک پہنچا رہا ہوں۔ یہ حقیقت ہر لمحہ اس کے ذہن میں تازہ رہتی ہو کہ وہ آخر کار مرنے والا ہے اور خدا کے یہاں حساب کتاب کے لئے حاضر ہونے والا ہے۔

جو لوگ اس احساسات کے ساتھ دنیا میں جنسی وہی خدا کے پسندیدہ لوگ ہیں۔ ان کی یہ حالت اس بات کی پہچان ہے کہ انھیں صبح و شام خدا کی رحمتیں پہنچ رہی ہیں۔ وہ دنیا میں بھی کامیاب ہیں اور آخرت میں بھی کامیاب۔

23-006

ایک معاشرتی حکم

مدینہ میں حضرت عائشہ صدیقہ پر کچھ لوگوں نے ایک بے ہودہ الزام لگایا اور اس کی خوب اشاعت کی۔ اس الزام تراشی کے تقریباً ایک مہینہ بعد حضرت عائشہ کی برأت میں سورہ النور اتری۔ اس میں اللہ نے فرمایا: جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کیا وہ تمہارے اندر ہی کی ایک جماعت

ہے۔ تم اس کو اپنے حق میں برائہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ ان میں سے ہر آدمی کے لئے وہ ہے جتنا اس نے گناہ کیا۔ اور جس نے اس میں سب سے بڑا حصہ لیا اس کے لئے عذاب ہے۔ جب تم لوگوں نے اس کو سنا تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے ایک دوسرے کی بابت نیک گمان کیوں نہ کیا اور کیوں نہ کہا کہ یہ کھلا ہوا بہتان ہے۔ (النور ۱۱-۱۲)

حضرت عائشہ صدیقہ پر جب الزام لگایا تو پھیلانے والوں نے اس کو اتنا زیادہ پھیلا لیا کہ سارے شہر میں اس کا چرچا ہو گیا۔ حضرت عائشہ خود اس معاملے میں بالکل خاموش تھیں۔ انہوں نے اس کے بارے میں کوئی بیان نہیں دیا۔ حتیٰ کہ جب ان سے پوچھا گیا تو اس کے بعد بھی انہوں نے اپنی زبان سے یہ کہنے سے انکار کر دیا کہ: واللہ ما قارفت۔

اب واحد صورت یہ تھی کہ قرآن میں اس کے بارے میں حکم اتے۔ مگر جب قرآن میں سورہ النور اتری تو اس میں بھی اس قسم کے تردیدی الفاظ نہیں تھے کہ: ما قارفت عائشہ۔ اس کے بجائے اس جھوٹ کی تردید کے لئے صرف یہ کہا گیا کہ ”جو لوگ یہ انگ (بے ہودہ بات) لائے ہیں۔ دوسری طرف اللہ ایمان سے کہا گیا کہ تم نے جب اس بے ہودہ بات کو سنا تو تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ: سبحانک هذا بہتان عظیم (النور ۱۶)

اس سے یہ اہم مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی الزام تراشی کے معاملہ میں مسلم معاشرہ کا طریقہ کیا ہونا چاہئے۔ ایک طرف اس کو ایسا ہونا چاہئے کہ جب کوئی غیر سجدہ آدمی شخص قیاس کی بنیاد پر کسی کے خلاف سنگین الزام لگائے تو سننے والوں کو چاہئے کہ وہ سنتے ہی فوراً کہہ دیں کہ یہ ایک بہتان ہے، اور کسی کو حق نہیں کہ وہ حقیقی شرعی ثبوت کے بغیر کسی کے خلاف اس قسم کی سنگین الزام تراشی کرے۔ دوسری طرف جس شخص کے اوپر اس قسم کے بے ہودہ الزام لگایا گیا ہے اس سے یہ تقاضا نہیں کرنا چاہئے کہ وہ ہر ہنہ الفاظ میں اس کی تردید کرے۔ اس کا یہ کہنا کہ یہ ایک بے ہودہ بات ہے، یہی کافی ہے کہ اس کو اس معاملے میں پوری طرح بری الذمہ مان لیا جائے۔

جو لوگ اس قسم کی بے ہودہ باتیں اپنی زبان سے نکالیں اور جو لوگ اس کو سن کر اسے پھیلانا شروع کر دیں وہ قرآن کے الفاظ میں اشاعتِ فاحشہ کے مجرم ہیں۔ ان کے لئے خدا نے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب کا اعلان کیا ہے۔ (النور ۱۹)

24-087

### زمین میں خلافت

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو زمین میں اقتدار دے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو اقتدار دیا تھا۔ اور ان کے لئے ان کے دین کو جلائے گا جس کو ان کے لئے پسند کیا ہے۔ اور ان کی خوف کی حالت کے بعد اس کو امن سے بدل دے گا۔ وہ صرف میری عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک نہ بنائیں گے۔ اور جو اس کے بعد انکار کرے تو ایسے ہی لوگ بنا فرمان ہیں۔ (النور ۵۵)

آیت میں اس استخلاف (خلیفہ بنانے) کا لفظ ہے۔ خلیفہ کے معنی عربی زبان میں جانشین یا بعد کو آنے والے کے ہیں۔ استخلاف یا خلیفہ بنانا یہ ہے کہ ایک قوم کے بعد دوسری قوم کو اس کی جگہ غلبہ اور استحکام عطا کیا جائے۔ غلبہ دراصل خدائی امتحان کا ایک پرچہ ہے۔ خدا ایک کے بعد ایک، ہر قوم کو زمین میں غلبہ دیتا ہے۔ اور اس طرح ہر ایک کو جانچتا ہے۔ سچے اہل ایمان کے لئے یہ غلبہ امتحان کے ساتھ ایک انعام بھی ہے۔

اس آیت سے مزید یہ معلوم ہوتا ہے کہ غلبہ اور اقتدار اہل ایمان کے عمل کا نشانہ نہیں۔ وہ ایک خدائی انعام ہے جو ایمان اور عمل صالح کی زندگی اختیار کرنے کے بعد کی مومنین کی جماعت کو دیا جاتا ہے۔

اس غلبہ کا مقصد یہ ہے کہ اہل ایمان کو زمین میں استحکام عطا کیا جائے۔ ان کو یہ موقع دیا جائے کہ وہ دشمنانِ حق کے اندیشوں سے مامون ہو کر رہ سکیں۔ وہ آزادانہ طور پر خدا کی عبادت کریں۔ اور صرف ایک خدا کے بندے بن کر زندگی گزاریں۔ اہل ایمان کے غلبہ کی یہ حالت

اس وقت تک باقی رہے گی جب تک وہ خدا کے شکر کرنے والے بنے رہیں۔ اور تقویٰ کی کیفیت کو نہ کھویں۔

25-088

عالمی کتاب

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: بڑی پامرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرمان اتارا تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لئے ڈرانے والا ہو۔ وہ جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے۔ اور اس نے کوئی بیٹا نہیں بنایا اور بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا ایک اعزاز مقرر کیا۔ (الفرقان ۱-۲)

قرآن کے مختلف آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب اپنے تمام اقوام عالم کے لئے بھیجی گئی۔ یہی بات دوسرے مقام پر پیغمبر اسلام کی نسبت سے اس طرح کہی گئی ہے: اور ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لئے خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (سہا ۲۸)

قرآن اصلاً عربی زبان میں ہے۔ وہ ابتداءً عرب میں اترا مگر جہاں تک اس کے پیغام کا تعلق ہے، وہ اپنی لومیت کے اعتبار سے پوری طرح عالمی اور آفاقی ہے۔ اس کا خطاب تمام اقوام عالم سے ہے نہ کہ کسی مخصوص قوم سے۔ [www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

قرآن کا بنیادی پیغام یہ ہے کہ خدا ایک ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی وقتی اور مقامی چیز نہیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا تعلق تمام انسانوں سے ہے۔ قرآن میں یہ خبر دی گئی ہے کہ انسان مگر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ وہ حساب کتاب کے لئے آخرت کی عدالت میں حاضر کیا جاتا ہے۔ یہ بھی ایک ایسی حقیقت ہے جو تمام انسانوں سے تعلق رکھتی ہے۔ اسی طرح قرآن میں بتایا گیا ہے کہ لین دین میں کامل انصاف کا طریقہ اختیار کرو۔ یہ بھی ایک ایسی تعلیم ہے جس کا تعلق تمام انسانوں سے ہے۔ اسی طرح قرآن میں اعلان کیا گیا ہے کہ تمام انسان ایک ہی انسان اول کی اولاد ہیں۔

اس لئے تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں، ان میں اگر کوئی فرق ہے تو وہ نسل کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔ یہ بھی ایک ایسی تعلیم ہے جو تمام انسانوں سے تعلق رکھتی ہے، وغیرہ۔

اسی طرح قرآن کی تمام تعلیمات عالمی اور آفاقی حیثیت رکھتی ہیں۔ وہ ماضی سے لے کر مستقبل تک تمام انسانوں کے لئے رہنمائی ہیں۔

25-089

خواہش پرستی

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ پس کیا تم اس کا مدد لے سکتے ہو۔ یا تم خیال کرتے ہو کہ ان میں سے اکثر سنتے اور سمجھتے ہیں۔ وہ تو شخص جانوروں کی طرح ہیں بلکہ وہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں۔ (الفرقان ۳۳-۳۴) کسی کو معبود بنانا یہ ہے کہ اس کو اپنی زندگی میں سب سے زیادہ اونچا درجہ دے دیا جائے۔ ہر دوسری باتیں غیر اہم ہوں اور وہ چیز سب سے زیادہ اہم۔ آدمی ہر دوسری بات کو نظر انداز کر سکتا ہو مگر اس چیز کو وہ نظر انداز نہ کر سکے۔ اس چیز کی بڑائی اس کے نزدیک اتنی زیادہ ہو کہ بقیہ سب کچھ اس کے نزدیک بچ ہو جائے۔ جب کوئی شخص اپنی خواہش کو اس قسم کا اونچا درجہ دے دے

تو کیا کہ اس نے اس چیز کو اپنا معبود بنالیا۔ [www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

اللہ نے انسان کو پیدا کیا۔ وہی انسان کی تمام ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ انسان کو اس دنیا میں جو کچھ ملتا ہے وہ اللہ سے ملتا ہے۔ اللہ کے سوا کسی اور سے اس کو کچھ ملنے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اس حیثیت کا تقاضا ہے کہ وہ صرف اللہ کو اپنا سب کچھ سمجھے۔ وہ اللہ سے سب سے زیادہ ڈرے اور اسی سے سب سے زیادہ محبت کرے۔ اس کی زندگی میں سب سے بڑا درجہ صرف ایک اللہ کا ہو، اس کے سوا تمام چیزیں اس کی نظر میں چھوٹی ہو جائیں۔ اسی کا نام توحید ہے اور توحید کے بغیر کسی انسان کی نجات ممکن نہیں۔

جو لوگ اپنی خواہشات کو اپنا رہنما بنالیں وہ گویا حیوان کے مانند ہیں۔ حیوان کو حق اور ناحق

کی تمیز نہیں ہوتی۔ وہ صرف اپنی خواہش کو جانتا ہے اور اس کے پیچھے چلتا ہے۔ یہی حال اگر انسان کا ہو جائے تو انسان اور حیوان میں کیا فرق بلکہ یہ کہنا صحیح ہو گا کہ ایسا انسان جانور سے بھی زیادہ بدتر ہے کیوں کہ جانور پھر بھی اپنی تخلیق پر قائم ہے، جب کہ ایسا انسان گویا اپنے تخلیقی نقشے سے ہٹ گیا۔

25-099

رحمان کے بندے

قرآن میں اہل جنت کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: اور رخصت کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔ اور جب جاہل لوگ ان سے بات کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام۔ اور جو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں۔ اور جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب جہنم کے عذاب کو ہم سے دور رکھ۔ بے شک اس کا عذاب پوری جاہلی ہے۔ بے شک وہ برا ٹھکانہ ہے اور برا مقام ہے۔ اور وہ لوگ کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں۔ اور ان کا خرچ اس کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔ اور جو اللہ کے سوا کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے۔ اور وہ اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو قتل نہیں کرتے مگر حق پر۔ اور وہ بدکاری نہیں کرتے۔ اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو وہ سزا سے دوچار ہو گا۔ قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا۔ اور وہ اس میں ہمیشہ ذلیل ہو کر رہے گا۔ مگر جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک کام کرے تو اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اور جو شخص توبہ کرے اور نیک کام کرے تو وہ درحقیقت اللہ کی طرف رجوع کر رہا ہے۔ اور جو لوگ جھوٹے کام میں شامل نہیں ہوتے۔ اور جب کسی بیوقوف چیز سے ان کا گزر ہوتا ہے تو وہ سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔ اور وہ ایسے ہیں کہ جب ان کو ان کے رب کی آیتوں کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے۔ اور جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب، ہم کو ہماری بیوی اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا۔ یہ لوگ

ہیں کہ ان کو ہالا خانے ملیں گے اس لئے کہ انہوں نے صبر کیا۔ اور ان میں ان کا استقبال تھیبت اور سلام کے ساتھ ہو گا۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ خوب جگہ ہے ٹھہرنے کی اور خوب جگہ ہے رہنے کی۔ (الفرقان ۶۳-۷۶)

قرآن کی ان آیتوں میں بتایا گیا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جن کو آخرت کی ابدی جنتوں میں جگہ ملے گی۔ یہاں چند آیتوں میں ایسے لوگوں کی بنیادی صفوں کو بتا دیا گیا ہے۔ ان آیتوں پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں کا معاملہ اپنے رب کے ساتھ کس طرح کا ہوتا ہے اور ان انسانوں کے ساتھ ان کا سلوک کیسا ہوتا ہے جن کے درمیان وہ زندگی گزار رہے ہوں۔

ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنتی اوصاف ان لوگوں میں پیدا ہوتے ہیں جو دنیا میں اس احساس کے ساتھ رہیں کہ وہ خدائے رحمان و رحیم کے بندے ہیں۔ ان کی حیثیت خدا کے مقابلے میں عبد کی ہے۔ وہ آزاد نہیں ہیں بلکہ وہ ہر لمحہ خدا کے ماتحت ہیں۔

دنیا میں خدا کا بندہ بن کر رہنے کی قیمت صرف ایک ہے، اور وہ صبر ہے۔ نفس کے مقابلے میں صبر، شیطان کے مقابلے میں صبر اور منشی جذبات کے مقابلے میں صبر۔ جو آدمی صبر کی یہ قیمت دینے کے لئے تیار ہو وہی موجودہ دنیا میں خدا پر ستانہ زندگی پر قائم رہے گا۔ جنت کی قیمت صبر ہے۔ صبر کے بغیر کوئی شخص جنت والے عمل نہیں کر سکتا، اس لئے صبر کے بغیر کوئی شخص جنت میں داخل بھی نہیں ہو سکتا۔

حقیقی توبہ خود ایک عمل ہے، جو گناہ آدمی کے اندر حقیقی توبہ کی کیفیت پیدا کرے وہ گناہ اپنے توبہ کے اعتبار سے ایسا ہے کہ اس کو نیکی کے خانہ میں لکھ دیا جائے۔

25-881

برائی کے بدلے نیکی

قرآن میں بعض گناہوں کا اور ان کے اخروی انجام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: مگر جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک کام کرے تو اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو بھلائیوں

سے بدل دے گا۔ اور اللہ بخشے والا اور مہربان ہے۔ اور جو شخص توبہ کرے اور نیک کام کرے تو وہ درحقیقت اللہ کی طرف رجوع کر رہا ہے۔ (القرآن ۷۰-۷۱)

اس آیت میں ایک غیر معمولی انعام کا ذکر ہے۔ اس میں صرف یہ نہیں کہا گیا ہے کہ اللہ ایسے لوگوں کی گناہوں کو معاف کر دے گا۔ بلکہ اس کے بجائے یہ فرمایا کہ اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے گا یعنی ان سے جو برائی سرزد ہوئی وہ سادہ طور پر صرف معاف نہ ہوگی بلکہ وہ برائی بجائے خود نیکی بن جائے گی۔ یہاں حدیث میں ان الفاظ میں آئی ہے: "ان السیئات تبدل بحسنات" (تفسیر القرطبی ۷۸/۱۳)

یہاں دراصل مخصوص قرآنی اسلوب کے مطابق، بندے کی بات کو خدا کی طرف منسوب کر کے کہا گیا ہے۔ مذکورہ قسم کے اہل ایمان دراصل اپنی توبہ کے ذریعہ اپنی سیئات کو حسنات میں بدل چکے ہوں گے۔ اس کے بعد اللہ ان کی اس "تبدیلی" کو قبول کر کے خود بھی ان کی سیئات کو ان کی حسنات کے خانے میں درج کر دے گا۔ یہ معاملہ اللہ کی خصوصی توفیق سے ہوگا۔ اس لئے اس کو اللہ کی طرف منسوب فرمایا۔

یہ خدا کا وہ بندہ ہے جس سے بشری تقاضے کے تحت کوئی گناہ ہو گیا، اس کے بعد وہ احساس گناہ سے تڑپ اٹھا۔ اس کے اندر نہایت گہرائی کے ساتھ توبہ اور رجوع الی اللہ کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ وہ اس طرح خدا سے معافی مانگنے لگا کہ ایک طرف اس کی لرزتی ہوئی زبان پر اعتراف کے کلمات تھے اور دوسری طرف اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا۔ اس کا یہ داخلی تجربہ اتنا شدید تھا کہ ایسا محسوس ہونے لگا گویا کہ وہ خدا کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہے اور کسی درمیانی واسطے کے بغیر براہ راست طور پر اس سے مخاطب ہے۔

اس بندہ خدا سے اگرچہ بظاہر ایک گناہ سرزد ہوا تھا۔ مگر اس کے بعد اس کی جو کیفیت ہوئی وہ اعلیٰ ترین ایمانی کیفیت تھی۔ اس کے گنہگار جسم کو اس کے مقدس آنسوؤں نے دھو کر پہلے سے بھی زیادہ پاک کر دیا۔ اس کی شخصیت اندر سے لے کر باہر تک ایک ربانی شخصیت بن گئی۔ وہ خدا

سے اتنا زیادہ قریب ہو گیا جتنا اس سے پہلے وہ کبھی نہیں ہوا تھا۔ تقویٰ خشوع، انابت، تضرع اور اخبات جیسی اعلیٰ ایمانی صفات اس کے اندر کمال درجہ میں پیدا ہو گئیں۔ وہ اس نادر روحانی تجربہ سے دوچار ہوا جس کو حدیث میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: تعبد اللہ کانک تراہ (صحیح البخاری) یعنی اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔

مذکورہ بندے سے جب بشری نقائص کے تحت گناہ سرزد ہوا تو اپنے ظاہر کے اعتبار سے وہ ایک گناہ ہی تھا۔ مگر اس گناہ کے بعد اس کا جو نتیجہ اس کی شخصیت میں ظاہر ہوا وہ بجائے خود سب سے بڑی نیکی تھا۔ اس طرح بندے نے اگرچہ بظاہر ایک گناہ کیا تھا مگر اس کے بعد اس کی توجہ نصوح نے اس گناہ کو بدل کر اس کو ان احوال تک پہنچا دیا جو نیکی کی اعلیٰ ترین قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب ایسا ہوا تو اللہ نے اس بندے کی ”تجدیلی“ کو حسن قبول عطا کرتے ہوئے یہ صابقت فرمائی کہ اس کی برائی کو نیکی کے خانے میں درج کر دیا۔

28-082

### ایمان کی طاقت

قرآن کی سورہ الشعراء میں موسیٰ اور فرعون کا قصہ بیان ہوا ہے۔ فرعون نے حضرت موسیٰ کا مقابلہ کرنے کے لئے مصر کے جادوگروں کو بلایا۔ جب تمام لوگ میدان میں اکٹھا ہوئے تو قرآن کے مطابق، جادوگروں اور فرعون کے درمیان یہ مکالمہ ہوا: پھر جب جادوگر آئے تو انھوں نے فرعون سے کہا، کیا ہمارے لئے کوئی انعام ہے اگر ہم غالب رہے۔ فرعون نے کہا ہاں، اور تم اس صورت میں مقرب لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ (الشعراء ۳۱-۳۲)

یہ جادوگر جو آغاز میں مصر کے بادشاہ فرعون کے ساتھ اس قسم کی خوشامداندہ باتیں کر رہے تھے وہ بعد کو بالکل بدل گئے۔ مقابلے میں جب فرعون کو شکست ہوئی اور جادوگروں کے جادو کو حضرت موسیٰ کے عصا نے نکل لیا تو جادوگروں کا وہ حال ہوا جس کو قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: پھر جادوگر سجدے میں گر پڑے۔ انھوں نے کہا ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو

موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ (الشعراء ۳۶-۳۸)

جادوگروں کا یہ حال دیکھ کر فرعون سخت غصہ ہو گیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ قرآن کے الفاظ میں یہ تھا: فرعون نے کہا، تم نے اس کو مان لیا اس سے پہلے کہ میں تم کو اجازت دوں۔ سبے شک وہی تمہارا اختیاب ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔ پس اب تم کو معلوم ہو جائے گا۔ میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔ (الشعراء ۳۹):

اس کے بعد جادوگروں کا رد عمل اس سے بالکل مختلف تھا جس کا اظہار انہوں نے شروع میں فرعون کے ساتھ کیا تھا۔ قرآن کا بیان ہے کہ: جادوگروں نے فرعون کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ کچھ حرج نہیں، ہم اپنے مالک کے پاس پہنچ جائیں گے۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطاؤں کو معاف کر دے گا۔ اس لئے کہ ہم پہلے ایمان لانے والے بنے (الشعراء ۵۰-۵۱)

جادوگروں کے اندر یہ فرق کیسے پیدا ہوا وہی جادوگر جو مقابلہ سے پہلے فرعون سے خوشامد کی باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے مقابلہ کے بعد جرأت اور قربانی کی زبان بولنا شروع کر دیا۔ یہ فرق ایمان کے نتیجے میں پیدا ہوا۔ مقابلہ سے پہلے جادوگر عام انسان تھے جن کو حق کی معرفت نہیں ملی تھی۔ مگر مقابلہ کے بعد انہیں حق کی معرفت حاصل ہو گئی۔ یہی وہ چیز ہے جس نے ان کے کردار میں فرق پیدا کر دیا۔ حق کی معرفت کسی انسان کے لئے سب سے بڑا تجربہ ہے۔ حق کی معرفت ایک عام انسان کو فیر معمولی انسان بنا دیتی ہے۔ اس کے بعد آدمی اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ ہیر و والا کردار لاکرے، وہ بڑی سے بڑی قربانی کا بھی یقین اور حوصلہ کے ساتھ استقبال کر سکے۔

26-093

شاعر کا مقام

عرب کے لوگ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہتے تھے۔ اس کی تردید کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اور شاعروں کے پیچھے بے راہ لوگ چلتے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے

کہ وہ ہر ولوی میں بھٹکتے ہیں اور وہ کہتے ہیں جو وہ کرتے نہیں۔ مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور انہوں نے اللہ کو بہت یاد کیا اور انہوں نے بدلہ لیا بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا اور ظلم کرنے والوں کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ ان کو کیسی جگہ لوٹ کر جانا ہے۔ (الشعراء ۲۲۳-۲۲۷)

قرآن کی یہ آیت اصلاً مخالفین رسول کے پروپیگنڈے کے جواب میں آئی ہے۔ تاہم اس سے یہ اصول معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی دعوت اور انسانی اصلاح کا کام شعر و شاعری کے ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ شعر و شاعری کا طریقہ کسی سنجیدہ مشن کے لئے ہرگز مفید نہیں ہے۔ کوئی شاعر اگر اپنے شاعرانہ کلام کے ذریعہ کچھ لوگوں کو اکٹھا کر لے تو یقینی طور پر وہ غیر سنجیدہ لوگ ہوں گے۔ ایسے لوگوں کے ذریعہ فقیر و اصلاح کا کوئی گہرا کام نہیں کیا جاسکتا۔

27-884

سیاسی ٹکڑوں نہیں

قرآن میں حضرت سلیمان اور ملکہ سہا کا قصہ بیان ہوا ہے۔ حضرت سلیمان نے ملکہ سہا کے پاس ایک خط بھیج کر اس سے اطاعت کا مطالبہ کیا۔ ملکہ سہا نے اپنے درباریوں سے مشورہ کیا۔ درباریوں نے اطاعت قبول نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ ملکہ سہا نے اس پر خطر رائے سے اختلاف کیا: اس نے کہا کہ بادشاہ لوگ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو وہ اس کو خراب کر دیتے ہیں اور وہ اس کے عزت و دلوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور یہی یہ لوگ کریں گے۔ (النمل ۳۳)

ملکہ سہا کے سامنے جب یہ مسئلہ آیا تو اس نے اس معاملہ کو خالص حقیقت پسندانہ انداز سے دیکھا۔ اس نے یہ رائے قائم کی کہ اگر ہم سلیمان کی طاقت سے ٹکرائیں تو زیادہ امکان یہ ہے کہ ہم ہاریں گے اور پھر ہمارے ساتھ وہی کیا جائے گا جو ہر غالب قوم مغلوب قوم کے ساتھ کرتی ہے۔ اس کے برعکس اگر ہم اطاعت قبول کر لیں تو ہم تباہی سے بچ جائیں گے۔

ملکہ سہا نے اپنی اس گفتگو میں حضرت سلیمان کے بارہ میں کہا کہ: وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ (النمل ۳۳) یعنی سلیمان بھی ایسا ہی کریں گے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ تردید نہیں فرمائی کہ سلیمان

تو پیغمبر ہیں وہ ایسا کرنے والے نہیں۔ اس سے معنوم ہوا کہ سیاسی ٹکروں کا اپنا ایک مزاج ہے۔ اس میں کوئی استثناء نہیں۔ ایسی حالت میں ایسا کرنا درست نہیں کہ کوئی جماعت طاقتور حکمران سے ٹکرا جائے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو پھر وہی ہو گا جس کی طرف ملکہ سہانے اپنے مذکورہ جواب میں اشارہ کیا ہے۔ ایسے گروہ کو جاننا چاہئے کہ سیاسی ٹکروں کے بعد جب وہ حکمران کے ظلم کی شکایت کرے گا تو ایسی شکایت کی قیمت نہ بندوں کی نظر میں ہو گی نہ خدا کی نظر میں۔

28-895

غلطی کی معافی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ قرآن میں اس طرح بیان ہوا ہے: اور شہر میں موسیٰ ایسے وقت داخل ہوئے جب کہ شہر والے غفلت میں تھے تو اس نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے پایا۔ ایک موسیٰ کی اپنی قوم کا تھا اور دوسرا دشمنوں میں سے تھا۔ تو جو اس کی قوم میں سے تھا اس نے اس کے خلاف مدد طلب کی جو اس کے دشمنوں میں سے تھا۔ پس موسیٰ نے اس کو گھوسا مارا پھر اس کا کام تمام کر دیا۔ موسیٰ نے کہا کہ یہ شیطان کے کام سے ہے۔ بے شک وہ دشمن ہے کھلا گمراہ کرنے والا۔ اس نے کہا کہ اے میرے رب، میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔ پس تو مجھ کو بخش دے تو خدا نے اس کو بخش دیا۔ بے شک وہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ (التقصص 15-16)

قرآن کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر غلطی خدا کے یہاں معاف ہو سکتی ہے۔ کسی آدمی سے کوئی غلطی ہو جائے اس کے بعد وہ فوراً چونک اٹھے۔ وہ اپنی غلطی کا کھلا اعتراف کرتے ہوئے دل سے معافی کا طلب گار ہو۔ وہ غلطی کرنے کے بعد اس کو چھپانے یا اس کا جواز تلاش کرنے کی کوشش نہ کرے تو خدا اس کی غلطی کو معاف کر دے گا، خواہ بظاہر وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔ غلطی کرنے کے بعد غلطی کا شدید اعتراف بھی بجائے خود ایک نیکی ہے۔ ایسی نیکی برائی کو ڈھانپ لیتی ہے۔ غلطی کرنے کے بعد سرکشی کرنا جرم میں اضافہ کرتا ہے اور غلطی کے بعد شرمسار ہونا غلطی کو مٹاتا ہے۔

28-086

## بنیادی انسانی صفت

حضرت موسیٰ جب مصر سے نکل کر مدین پہنچے اور ایک بزرگ کی بکریوں کو پانی پلایا تو یہ واقعہ ان کے لئے اس بزرگ کے گھر پہنچنے کا ذریعہ بن گیا۔ اپنے ایک اہل خانہ کے کہنے پر انہوں نے حضرت موسیٰ کو اپنے گھر کے کام کے لئے رکھ لیا۔ اس وقت کہنے والے نے حضرت موسیٰ کے تعارف میں جو کچھ کہا وہ قرآن میں اس طرح نقل ہوا ہے: ان میں سے ایک نے کہا کہ اے باپ اس کو ملازم رکھ لیجئے۔ بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں وہ وہی ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو۔ (التقصص ۲۶)

مذکورہ بزرگ کے خاندان کو مختصر تجربے سے یہ معلوم ہوا تھا کہ حضرت موسیٰ محنتی بھی ہیں اور دیانت دار بھی۔ مذکورہ جملے میں حضرت موسیٰ کی ان دو صفوں کا ذکر نہایت بامعنی ہے۔ اس سے یہ اصول معلوم ہوتا ہے کہ بہتر کارکن کون ہے اور کسی کارکن کے انتخاب میں کس معیار کو سامنے رکھنا چاہئے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں انسانی صفات، امان اور قوت (honesty & hard working) تمام ضروری صفات کی جامع ہیں۔ آدمی کے انتخاب کے لئے معیار مقرر کرنا ہو تو ان دو لفظوں سے بہتر کوئی معیار نہیں ہو سکتا۔ کسی آدمی کا محنتی ہونا اس بات کا ضامن ہے کہ اس کو جو کام سونپا جائے گا اس کو وہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ انجام دے۔ وہ کبھی اپنی کوشش میں کمی نہیں کرے گا۔ اسی طرح آدمی کا دیانت دار ہونا اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ وہ کبھی دھوکا نہیں دے گا۔ وہ ہر اہماد میں پورا اترے گا۔

28-087

## دہرا اجر والے

قرآن میں اہل کتاب کے اسلام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: یہ لوگ ہیں کہ ان کو

ان کا اجر دہرا دیا جائے گا اس پر کہ انہوں نے صبر کیا۔ اور وہ برائی سے بھلائی کو دفع کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جب وہ لغو بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال۔ تم کو سلام، ہم بے سمجھ لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔ (التقصص ۵۲-۵۵)

اس آیت میں جس دوہرے اجر کا ذکر ہے اس کا تعلق صرف اہل کتاب سے نہیں ہے بلکہ وہ ایک عام حقیقت ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو لوگ ایک عرصہ تک کسی خاص گروہ سے وابستہ رہیں۔ وہ اس کے ساتھ تعصب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان کا ایک محدود ذہنی سانچہ بن جاتا ہے۔ وہ اپنی مانوس سچائی کو آخری اور اصلی سچائی سمجھ لیتے ہیں۔ وہ اپنے ذہنی سانچے کو توڑ کر کسی نئی حقیقت کو سمجھنے سے عاجز رہتے ہیں۔ ایسی حالت میں جو شخص اس صفت کا ثبوت دے کہ وہ اپنے ذہنی تعصبات کو توڑ کر مجرد سچائی کو پہچان سکتا ہے وہ اپنے عمل سے اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ اس کو دہرا اجر دیا جائے۔ تاہم یہ کوئی آسان کام نہیں۔ اپنے آپ کو اس قابل رکھنے کے لئے آدمی کو صبر کے مشکل مرحلہ سے گزرنا پڑتا ہے۔

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ انہوں نے اپنے ذہن کو ان اثرات سے پاک رکھا تھا جس کے بعد آدمی حق کی معرفت کے لئے بالکل ہو جاتا ہے۔ یہ وہ تاریخی اور سماجی عوامل ہیں جو آدمی کے ذہن میں خدائی دین کو گروہی دین بنا دیتے ہیں۔ آدمی کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ وہ صرف اس دین کو پہچان سکے جو اس کو اپنے گروہ سے ملا۔ وہ ایسے دین کو پہچاننے میں ناکام رہے جو اس کے اپنے گروہ کے باہر سے اس کے پاس آئے۔ ان اثرات سے محفوظ رہنے کے لئے آدمی کو زیر دست نفسیاتی قربانی دینی پڑتی ہے۔ اس لئے اس کو صبر سے تعبیر فرمایا۔ ایسے لوگوں کو دہرا اجر دیا جائے گا۔ ایک ان کی قربانی کا کہ انہوں نے اپنے سابقہ ایمان کو گروہی ایمان بننے نہیں دیا۔ اور دوسرے ان کی جو ہر شناسی کا کہ ان کے سامنے نیا پیغمبر آیا تو انہوں نے اس کو پہچان لیا اور اس کے ساتھ ہو گئے۔

جن لوگوں کے اندر حق شناسی کا مادہ ہوا انھیں کے اندر اعلیٰ اخلاقی اوصاف پرورش پاتے ہیں۔ لوگ ان کے ساتھ برائی کریں تب بھی وہ لوگوں کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں۔ وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں تاکہ خدا ان کی مدد کرے۔ ان کا طریقہ اعراض کا طریقہ ہوتا ہے نہ کہ لوگوں سے الجھنے کا طریقہ۔

## 28-098

ہدایت یابی کے لئے قانون الہی

بغیر اسلام کو خطاب کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے: تم جس کو چاہو اس کو ہدایت دے سکتے ہو۔ بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے اس کو ہدایت دیتا ہے۔ اور وہ خوب جانتا ہے جو ہدایت دل کرنے والے ہیں۔ (انقص ۳۶)

داعی پر یہ فرض ہے کہ وہ لوگوں تک حق کی بات پہنچانے کے لئے اپنی ساری کوشش صرف کرے، وہ اپنی کوششوں میں کوئی کمی نہ کرے۔ اس کے بغیر وہ اپنی دعوتی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ مگر جہاں تک قبول حق کا تعلق ہے، وہ داعی کے چاہنے سے، حتیٰ کہ اس کی دعاؤں سے بھی نہیں ہو سکتا۔ قبول حق کا تعلق یک طرفہ طور پر مدعو کی اپنی ذات سے ہے نہ کہ داعی کی ذات سے۔

ہدایت دینے والا اللہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہدایت پانے کا تعلق اللہ کے اس قانون سے ہے جو اس نے ہدایت یابی کے لئے مقرر فرمایا۔ اور وہ یہ ہے کہ آدمی کے اندر خود ہدایت کی طلب موجود ہو۔ جس آدمی کے اندر ہدایت کی سچی طلب پائی جائے وہ حق کی تلاش میں ہے گا۔ جب اس کے سامنے حق آئے گا تو وہ کھلے ذہن کے ساتھ اس پر غور کرے گا وہ اس کے لئے تیار ہے گا کہ جب ایک چیز کا حق ہونا معلوم ہو جائے تو کسی تحفظ ذہنی کے بغیر وہ اس کو قبول کرے۔ حق اس کو ملتا ہے جو حق کا طالب ہو۔ جس آدمی کے اندر طلب کی صفت موجود نہ ہو اس کو کوئی بھی دوسری چیز ہدایت دینے والی نہیں۔

28-889

## سزائے پہلے تلخ

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اور تیرا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہ تھا جب تک ان بڑی بستی میں کسی پیغمبر کو نہ بھیج لے جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ہم ہر گز بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں مگر جب کہ وہاں کے لوگ ظالم ہوں۔ (التقصص ۵۹) دوسری جگہ یہ بات قرآن میں اس طرح آئی ہے: یہ اس وجہ سے کہ تمہارا رب بستیوں کو ان کے ظلم پر اس حال میں ہلاک کرنے والا نہیں کہ وہاں کے لوگ بے خیر ہوں۔ (الانعام ۱۳۲)

ان آیتوں میں خدا کا قانون بتایا گیا ہے جس کے تحت قوموں پر دنیا میں ہلاک کر دینا والا عذاب آتا ہے۔ اس قانون کے مطابق کسی قوم پر ہلاکت والا عذاب صرف اس لئے نہیں آسکتا کہ وہ گمراہی میں مبتلا ہے یا وہ کسی گروہ سے مادی جھگڑوں کی وجہ سے اس کے اوپر ظلم و زیادتی کر رہی ہے۔ اس قسم کا دنیوی عذاب کسی قوم پر صرف اس وقت آتا ہے جب کہ اس کے درمیان حق کی دعوت اٹھے۔ اس دعوت کو اس کی تمام ضروری شرطوں کے ساتھ جاری رکھتے ہوئے اتمام حجت تک پہنچائے۔ یہاں تک کہ اس کی غفلت اور اس کی بے خبری ٹوٹ جائے۔ اس کے باوجود وہ انکار اور سرکشی پر قائم رہے۔ مزید یہ کہ داعی اور اس کا ساتھ دینے والے حق پرست اس قوم کی بستیوں کو چھوڑ کر باہر چلے جائیں۔ جب یہ تمام شرطیں پوری ہو جائیں تو اس کے بعد وہ وقت آتا ہے جب کہ اس کے اوپر ہلاکت والا عذاب آئے۔ ایک گروہ کو اگر یہ شکایت ہو کہ کوئی قوم اس کے اوپر ظلم کر رہی ہے اور اس کو اپنی زیادتیوں کا نشانہ بنا رہی ہے تو محض یہ بات کسی قوم کی ہلاکت کا سبب نہیں بن سکتی۔ ایسی حالت میں جو گروہ اپنے آپ کو مظلوم سمجھ رہا ہے، خواہ وہ کتنی ہی بدعائیں کرے۔ وہ اپنے ہر اجتماع میں یہ الفاظ ہرائے: اللهم اهلك الكفرة والمشركين، اللهم خذهم اخذ عزيز مقتدر.. اللهم اهلكهم كما اهلكت عاداً و ثموداً، تو محض اس قسم کی بدعادوں کی بنا پر یہ ناممکن ہے کہ مذکورہ قوم پر ہلاکت والا عذاب آجائے۔ اس قسم کے عذاب کا تعلق دعوت سے ہے نہ کہ محض ظلم سے۔

نہ کوہ آیت میں ظلم سے مراد مادی نزاعات کی بنا پر پیش آنے والا ظلم نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد وہ ظلم و سرکشی ہے جو دعوتِ حق کے خلاف کسی قوم کی طرف سے کی جائے۔

28-100

### آخرت کا گھر

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کو دیں گے جو زمین میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا اور آخری انجام ڈرنے والوں کے لئے ہے۔ (القصص ۸۳)

آخرت کے گھر سے مراد آخرت کی جنت ہے۔ جنت کی آبادی میں بسنے کے قابل وہ لوگ ہیں جن کے سینے اپنی بڑائی کے احساس سے خالی ہوں۔ جو خدا کی بڑائی کو اس طرح پائیں کہ اپنی طرف انھیں چھوٹائی کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے۔

فساد یہ ہے کہ آدمی خدا کی انکیم سے موافقت نہ کرے۔ وہ خدا کی دنیا میں خدا کی مرضی کے خلاف چلنے لگے۔ جو لوگ کبر سے خالی ہو جائیں وہ لازمی طور پر فساد سے بھی خالی ہو جاتے ہیں۔ اور جن لوگوں کے اندر یہ اعلیٰ اوصاف پیدا ہو جائیں وہی وہ لوگ ہیں جو خدا کے ابدی ہاتھوں میں بسائے جائیں گے۔

علو کا مطلب خدا کے مقابلے میں سرکشی کرنا ہے۔ قول یا عمل سے اپنے آپ کو خدا کے برابر ٹھہرانا ہے۔ فساد یہ ہے کہ کوئی آدمی انسانوں کے مقابلے میں سرکش بن جائے۔ وہ انسانی معاملات میں ظلم اور بے انصافی کا طریقہ اختیار کرے۔

28-101

### آزمائش ضروری ہے

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ محض یہ کہنے پر چھوڑ دئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو جانچنا نہ جائے گا۔ اور ہم نے ان لوگوں کو جانچنا ہے جو ان سے پہلے تھے، پس اللہ ان لوگوں کو جانچ کر رہے گا جو سچے ہیں اور وہ جھوٹوں کو بھی ضرور معلوم کرے گا (العنکبوت ۲-۳)

آدمی کے مومن و مسلم ہونے کا فیصلہ معمول کے حالات میں کئے جانے والے عمل پر نہیں ہوتا۔ بلکہ اس عمل پر ہوتا ہے جو آدمی غیر معمولی حالات میں کرتا ہے۔ یہ غیر معمولی حالات کیا ہیں یہ وہ غیر معمولی مواقع ہیں جب کہ یہ کھل جاتا ہے کہ آدمی حقیقت میں وہ ہے یا نہیں جس کا دعویٰ وہ اپنی زبان سے یا اپنے ظاہری عمل سے کر رہا ہے۔ جو لوگ غیر معمولی حالات میں ایمان و اسلام پر قائم رہنے کا ثبوت دیں وہی خدا کے نزدیک حقیقی معنوں میں مومن اور مسلم قرار پاتے ہیں۔

چنانچہ میں پورا الزام بالفاظ دیگر، قربانی کی سطح پر ایمان و اسلام والا بننا ہے۔ یعنی جب عام لوگ انکار کر دیتے ہیں اس وقت تصدیق کرنا۔ جب لوگ شک کرتے ہیں اس وقت یقین کر لینا۔ جب اپنی انا کو کچلنے کی قیمت پر مومن بننا ہو اس وقت مومن بن جانا۔ جب سامنے میں سب کچھ بگڑتا ہوا نظر آئے اس وقت سے مان لینا۔ جب ہاتھ روکنے کے تقاضے ہوں اس وقت خرچ کرنا۔ جب فرار کے حالات ہوں اس وقت چمکنے کا ثبوت دینا۔ جب اپنے آپ کو بچانے کا وقت ہو اس وقت اپنے آپ کو حوالے کر دینا۔ جب سرکشی کا موقع ہو اس وقت سر تسلیم خم کر دینا۔ جب سب کچھ لٹا کر ساتھ دینا ہو اس وقت خطرہ میں پڑ کر ساتھ دینا۔ ایسے غیر معمولی مواقع پر امدرد والا انسان باہر آجاتا ہے۔ اس کے بعد کسی کے لئے یہ موقع نہیں رہتا کہ وہ فرضی الفاظ بول کر اپنے کو وہ ظاہر کرے جو کہ حقیقت میں وہ نہیں ہے۔

29-102

صفات مومن

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: تم اس کتاب کی تلاوت کرو جو تم پر وحی کی گئی ہے اور نماز قائم کرو۔ بے شک نماز بے حیائی سے اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ (العنکبوت ۴۵)

اس آیت میں ”نماز برائیوں سے روکتی ہے“ کا جملہ نماز کی پہچان ہے نہ کہ سادہ طور پر نماز کا نتیجہ۔ حقیقی نماز کی دوسری پہچان یہ ہے کہ آدمی کے امدرد خدا کی یاد کی صفت پیدا ہو جائے اور خدا

کی یاد بلاشبہ تمام نیکیوں میں سب سے بڑی نگی ہے۔

نماز کی ایک ظاہری صورت ہے اور دوسری چیز اس کی اسپرٹ ہے۔ جس آدمی کی زندگی میں نماز اس کی اسپرٹ کے ساتھ شامل ہو جائے تو اس کے اندر یہ خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ نماز میں اللہ اکبر (اللہ بڑا ہے) کی نگرار اس کو اپنے چھوٹے ہونے کا احساس دلاتی ہے۔ نماز میں قرآن کی تلاوت اس کے اندر خدا کے شعور کو جگاتی ہے۔ نماز میں رکوع اور سجدہ اس کے اندر تواضع کی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ ایک نام کے پیچھے نماز پڑھنا اس کے لئے اجتماعیت کا سبق بن جاتا ہے۔ نماز کے خاتمہ پر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنا اس کے اندر یہ جذبہ ابھارتا ہے کہ اس کے سینے میں تمام دنیا کے لوگوں کے لئے سلامتی اور رحمت کا جذبہ پیدا ہو جائے۔

ذکر سے مراد خدا کی یاد ہے۔ جب آدمی کو خدا کی کامل معرفت حاصل ہوتی ہے۔ جب وہ پوری طرح خدا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے اوپر خدا کا تصور چھا جاتا ہے۔ اس کے اندر خدا کی یاد کا چشمہ بہہ پڑتا ہے۔ اس روحانی درجہ کو پہنچ کر آدمی کی زبان سے خدا کے لئے جو اعلیٰ کلمات نکلتے ہیں انہیں کا نام مذکر ہے۔ یہ ذکر بلاشبہ اعلیٰ ترین عبادت ہے۔

29-103

میر اور توکل

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان کو ہم جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ کیا ہی اچھا اجر ہے عمل کرنے والوں کا۔ جنہوں نے صبر کیا اور جو اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ (العنکبوت 58-59)

اس آیت کے مطابق جنت اس انسان کے لئے ہے جو اپنے اندر دو قسم کی اخلاقی صفات رکھتا ہو۔ میر اور توکل یہ دو صفیں گویا کہ جنت کی قیمت ہیں۔ ان صفوں کے بغیر کسی شخص کے لئے جنت کا داخلہ ممکن نہیں۔

اصل یہ ہے کہ جنت اس اعلیٰ انسان کے لئے ہے جو دنیا کی زندگی میں اس بات کا ثبوت دے کہ وہ مثبت ربانی شخصیت کا حامل ہے۔ موجودہ دنیا ایک ایسی دنیا ہے جہاں آدمی کو ناخوشگوار تجربات کے درمیان جینا ہوتا ہے۔ یہ حالات بار بار آدمی کے داخلی روحانی سکون کو برہم کرتے رہتے ہیں۔ وہ بار بار منفی جذبات کا شکار ہوتا رہتا ہے۔ ایسی حالت میں صرف وہ انسان اپنی داخلی روحانیت کو برقرار رکھ سکتا ہے جو صبر کی غیر معمولی صفت اپنے اندر رکھتا ہو۔ جو منفی حالات سے غیر متاثر رہ کر جتنے جو یک طرفہ اخلاقیات کے اصول پر زندگی گزارنے کا ثبوت دے سکے۔ ایسے ہی انسان کا نام صابر انسان ہے۔

توکل کی صفت آدمی کو تزلزل سے بچاتی ہے۔ وہ اس کو پر اعتماد زندگی عطا کرتی ہے۔ موجودہ دنیا میں بار بار ایسے حوصلہ شکن تجربات پیش آتے ہیں جو آدمی کی اندرونی شخصیت کو ہلا دیں۔ کبھی آدمی کو محسوس ہوتا ہے کہ دوسروں کو اس سے زیادہ ملا ہوا ہے۔ کبھی وہ اس احساس سے دوچار ہوتا ہے کہ اس کے پاس جو اسباب ہیں وہ اس کے عزائم کی نسبت سے بہت کم ہیں۔ کبھی اس کے حالات اس کو حوصلہ شکنی کی طرف لے جاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ایسے احوال میں اللہ پر توکل ہی اس کا واحد سہارا بنتا ہے۔ وہ ظاہری حالات سے بے پروا ہو کر توکل علی اللہ کے سہارے آگے بڑھ جاتا ہے۔ یہ توکل ایک غیر معمولی ربانی صفت ہے۔ سچا وچ ہے کہ توکل آدمی کو جنت کا مستحق بنا دیتا ہے۔

29-104

دنیا اور آخرت

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اور یہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں ہے مگر ایک کھیل اور دل کا بہلاؤ۔ اور آخرت کا گھر ہی اصل زندگی کی جگہ ہے، کاش کہ وہ جانتے۔ (التکویٰ ۶۴)

انسان کی گمراہی کا اصل سبب یہ ہے کہ وہ دنیا کی رونقوں اور دنیا کے مسائل میں اتنا گم ہوتا ہے کہ اس سے اوپر اٹھ کر سوچ نہیں پاتا۔ حقیقت کو پانے کے لئے اپنے آپ کو ظاہر سے اوپر اٹھانا پڑتا ہے۔

بیشتر لوگ اپنے آپ کو ظاہر سے اوپر اٹھا نہیں پاتے اس لئے بیشتر لوگ حقیقت کو پانے والے ابھی نہیں بنتے۔

28-105

اللہ میں جہاد

قرآن میں اہل ایمان کے بارہ میں ارشاد ہوا ہے: اور جن لوگوں نے ہمارے واسطے محنت کی، ان کو ہم اپنے راستے دکھائیں گے۔ اور یقیناً اللہ تسکلی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (العنکبوت ۶۹)

اس آیت میں جہاد فی سبیل اللہ کا لفظ نہیں ہے بلکہ جہاد فی اللہ کا لفظ ہے۔ یعنی اللہ میں جہاد کرنا، اللہ کے معاملہ میں اپنی محنت صرف کرنا۔ اس سے کیا مراد ہے۔ اس سے وہ کوشش مراد ہے جو اللہ کو پانے کے لئے کی جائے۔ جو تعلق باللہ بڑھانے کے لئے ہو۔ جس کا مقصد یہ ہو کہ آدمی کے اندر خدا کا شعور زائد ہو اور اس کو قرب الہی کے تجربات ہونے لگیں۔

اللہ پر ایمان کا مطلب صرف کلمہ پڑھ کر اقرار کرنا نہیں ہے۔ اس قسم کا ایمان صرف قانونی یا ظاہری ایمان ہے۔ اصل ایمان یہ ہے کہ آدمی اللہ کو ایک زندہ حقیقت کے طور پر دریافت کرے۔ اس کا شعور اتنا زیادہ جاگ اٹھے کہ وہ کائنات کے مظاہر میں اللہ کی نشانیوں کو دیکھنے لگے۔ اس کا ایمان جامد ایمان نہ ہو بلکہ ہر صبح و شام اس میں اضافہ ہوتا رہے۔ اس قسم کے زائد ایمان کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا وہ عمل ہے جس کو یہاں جہاد فی اللہ کہا گیا ہے۔

ناحق پرستی کے ماحول میں حق پرست بننا ایک شدید مجاہدہ کا عمل ہے۔ اس میں ملی ہوئی چیز چھنتی ہے۔ حاصل شدہ سکون دور ہم برہم ہو جاتا ہے۔ مگر اس محرومی میں ایک عظیم یافتہ راز چھپا ہوا ہے۔ اور وہ معرفت اور بصیرت ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے انسانوں کے دروازے بند ہوتے ہیں مگر ان کے لئے خدا کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ وہ دنیا سے کھو کر خدا سے پانے لگتے ہیں۔ وہ مادی راحتوں سے دور ہو کر ربانی کیفیات سے قریب ہو جاتے ہیں۔ ظاہری چیزیں ان سے اوچھل جاتی ہیں مگر معنوی چیزیں ان پر منکشف ہو جاتی ہیں۔ ان پر معرفت کے ایسے بھید کھلنے لگتے ہیں جن کی عام لوگوں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔

30-188

## خواہش پرستی

قرآن میں کائنات کی بہت سی نشانیوں (آیات) کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ نشانیاں ایسی ہیں کہ اگر ان پر غور کیا جائے تو ان میں آدمی خدا کے وجود کو دریافت کر لیتا ہے۔ آخرت پر اس کا یقین بڑھ جاتا ہے۔ قرآنی تعلیمات کی صداقت اس پر منکشف ہو جاتی ہے۔ اس طرح کی نشانیوں کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے: بلکہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں نے بلادلیل اپنے خیالات کی پیروی کر رکھی ہے۔ تو اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے جس کو اللہ نے بھٹکادیا ہو۔ اور کوئی ان کا مددگار نہیں۔ (الروم ۲۹)

یہ آیت بتاتی ہے کہ حق کی بنیاد علم ہے اور ناحق کی بنیاد ہوا (خواہش)۔ موجودہ دنیا میں ہدایت کے اسباب اتنے زیادہ موجود ہیں کہ جو آدمی سچیدہ اور واقعہ حق کا طالب ہو وہ کبھی حق کو پانے میں غلطی نہیں کر سکتا۔ اس کی اپنی فطرت، اس کی خدا داد عقل، کائنات میں بکھری ہوئی نشانیاں اور خدا کی کتاب، یہ سب چیزیں انسان کی صحیح رہنمائی کے لئے کافی ہیں۔ وہ اس بات کی ضمانت ہیں کہ آدمی جیسے بغیر حق کی منزل تک پہنچ سکے۔

ایسی حالت میں سچائی کو پانے میں وہی شخص ہکام رہے گا جو حقائق کو نظر انداز کر کے اپنی خواہش کے پیچھے چلے لگے۔ وہ آخرت کے بجائے دنیا کو ترجیح دے۔ وہ اصول کے بجائے مفاد پرستی کو اہم سمجھے۔ وہ حق کے اوپر اپنی مصلحتوں کو ترجیح دینے لگے۔ صرف ایسے ہی لوگ ہیں جو اس دنیا میں حق سے محروم رہیں گے۔

30-187

## دین فطرت

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: پس تم یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف رکھو، اللہ کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو بنایا ہے۔ اس کے بتائے ہوئے کو بدلنا نہیں۔ یہی سیدھا دین ہے۔ لیکن

اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اسی کی طرف متوجہ ہو کر۔ اور اسی سے ڈرو اور نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ بنو جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا۔ اور بہت سے گروہ ہو گئے۔ ہر گروہ اپنے طریقہ پر نازاں ہے جو اس کے پاس ہے۔ (الروم ۳۰-۳۲)

خدا کا دین عین وہی ہے جو انسان کی فطرت ہے۔ اور انسان کی فطرت عین وہی ہے جو خدا کا دین ہے۔ اس بنا پر انسان کے لئے نہ خدا کے دین کو پہچانا مشکل ہے اور نہ اس پر قائم رہنا۔ اس کے باوجود انسان اگر گمراہ ہوتا ہے تو اس کے لئے وہ خود اپنے آپ ذمہ دار ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اصل دین ایک ہے۔ اور وہ ہر پیغمبر پر اپنی کامل شکل میں اترا ہے۔ وہ ہے ایک اللہ کی طرف رجوع، ایک اللہ کا ڈر، ایک اللہ کی پرستاری، ہمہ تن ایک اللہ کی طرف متوجہ ہو جانا، یہی دین فطرت ہے۔ یہ دین ابدی طور پر ہر انسان کی نفسیات میں سمویا ہوا ہے۔ تمام پیغمبروں نے اسی ایک دین کی تعلیم دی۔ مگر ان کے پیروؤں کی بعد کی نسلوں نے ایک دین کو کئی دین بنا ڈالا۔

کئی دین، ہمیشہ ان اضافی بحثوں سے بنتا ہے جو بعد کے لوگ پیغمبروں کی ابتدائی تعلیمات میں پیدا کرتے ہیں۔ عقائد میں نواہد و مویشکافیاں، عبادات میں خود ساختہ مسائل کا اضافہ، زمانہ کے ناثر کے تحت دین کی نئی نئی تعبیریں۔ یہی وہ چیزیں ہیں جو بعد کے دور میں ایک دین کو کئی دین بنا دیتی ہیں۔ جب یہ اضافے وجود میں آتے ہیں تو لوگ اصل دین ٹٹے بجائے اپنے انہیں اضافوں پر سب سے زیادہ زور دینے لگتے ہیں۔ جن کی بدولت وہ دوسرے گروہ سے جدا ہو کر الگ گروہ بنے ہیں۔ ایک گروہ ایک قسم کے اضافہ پر زور دیتا ہے، اور دوسرا گروہ دوسرے قسم کے اضافہ پر۔ اس طرح بالآخر یہ نوبت آتی ہے کہ ایک دین کو ماننے والے عملاً کئی دینی گروہ میں بٹ کر رہ جاتے ہیں۔

30-108

دعوت اور صبر

قرآن میں دعوتِ اسلامی کے مخالفین کا ذکر کرتے ہوئے پیغمبر کو یہ نصیحت کی گئی ہے۔

پس تم صبر کرو، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اور تم کو بے برداشت نہ کر دیں وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے۔ (الروم ۶۰)

دعوت حق کا کام ایک بے حد نازک کام ہے۔ داعی کی طرف سے حق کی پیغام رسانی کی حیثیت سادہ طور پر ایک اعلان کی نہیں ہے، بلکہ وہ ایک ایسا عمل ہے جس کی بنیاد پر مدعو کے ابدی مستقبل کا فیصلہ ہونے والا ہے۔ دعوتی عمل کا یہ پہلو اس کو آخری حد تک ایک سنجیدہ عمل بنا دیتا ہے۔ اس مصلحت کی بنا پر ضروری ہو جاتا ہے کہ دعوت کے عمل میں مدعو کی کامل رعایت کی جائے تاکہ جن لوگوں کے اندر قبولیت کا مادہ ہے وہ حق کو سمجھ کر اس کو قبول کر لیں اور جن کے اندر قبولیت کا مادہ نہیں ہے ان کے بارے میں پوری طرح یہ ثابت ہو جائے کہ ان کے اوپر سب کچھ واضح کیا جا چکا تھا، اس کے باوجود انھوں نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا۔

مدعو کی یہ رعایت داعی کے لئے دعوت کے عمل کو ایک انتہائی ذمہ دارانہ عمل بنا دیتی ہے۔ اس کو صبر کے انتہائی کٹھن مرحلوں سے گزرتا پڑتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات اس کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کی طاقت جواب دے رہی ہے اور اس نے اپنا حوصلہ کھو دیا ہے۔ مگر حق کے داعی کے لئے خدا کے یہاں جو عظیم انعام ہے اس کا مستحق وہ صرف اس وقت بنے گا جب کہ وہ صبر و استقامت کے ان مرحلوں میں ثابت قدم رہے گا۔

دعوت نہ صرف مدعو کے لئے بلکہ خود داعی کے لئے ایک سخت آزمائش ہے۔ ایسے وقت میں داعی کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے یقین کو نہ کھوئے۔ اگر حالات کی شدت کے تحت اس نے اپنے یقین کو کھو دیا تو وہ ایسی بات بولنے لگے گا جو عام لوگوں کو شاید اہم معنوم ہو مگر اللہ کی نظر میں اس سے زیادہ غیر اہم بات اور کوئی نہ ہوگی۔

31-109

صحیح لقمان

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو کچھ نصیحتیں کیں۔ اس سلسلہ میں

انہوں نے کہا: اے میرے بیٹے نماز قائم کرو، اچھے کام کی نصیحت کرو اور برائی سے روکو اور جو مصیبت تم کو پہنچے اس پر صبر کرو۔ بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ اور لوگوں سے بے رنجی نہ کرو۔ اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو۔ بے شک اللہ کسی اکڑنے والے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز کو پست کر بے شک سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔ (لقمان ۱۷-۱۹)

نماز قائم کرنا کوئی سادہ بات نہیں۔ یہ با اصول کردار کی ایک علامت اور ذمہ دارانہ زندگی گزارنے کا ایک مقدس عہد ہے۔ اور اس قسم کی زندگی پر وہی لوگ قائم رہ سکتے ہیں جو عزم اور حوصلہ کے ساتھ دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے تیار ہوں۔

دین کے اوپر خود عمل کرنا دوسرے کو دین کی طرف بلانا، دونوں ہی صبر چاہتے ہیں۔ اس کے لئے کرنے سے پہلے سوچنا پڑتا ہے۔ نفس کی خواہش پر چلنے کے بجائے نفس کی خلاف چلنا پڑتا ہے۔ اپنی بڑائی کو محفوظ کرنے کے بجائے اپنی بڑائی کو کھودینا پڑتا ہے۔ دوسروں کی طرف سے پیش آنے والی تکلیفوں کو یک طرفہ طور پر برداشت کرنا پڑتا ہے۔

یہ سب حوصلہ مندی کے کام ہیں، اور حوصلہ مندانہ کردار ہی کا دوسرا نام اسلامی کردار ہے۔ ایک مومن کو بیک وقت دو ذمہ داریوں کے درمیان جینا ہوتا ہے۔ ایک طرف خدا سے خوف و تعلق پر مبنی زندگی گزارنا اور دوسری طرف انسانوں کے درمیان اخلاقی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ان کے درمیان رہنا۔

31-119

خدا رنجی زندگی

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: اور جو شخص اپنا رخ اللہ کی طرف جھکاوے اور وہ نیک عمل والا بھی ہو تو اس نے مضبوطی پکڑ لی۔ اور اللہ ہی کی طرف ہے تمام معاملات کا انجام کار۔ اور جس نے انکار کیا تو اس کا انکار تم کو ٹھنکین نہ کرے۔ ہماری ہی طرف ہے ان کی واپسی۔ تو ہم ان کو بتادیں

گے جو کچھ انہوں نے کیا۔ بے شک اللہ دلوں کی بات سے بھی واقف ہے۔ ان کو ہم تھوڑی مدت فائدہ دیں گے۔ پھر ان کو ایک سخت عذاب کی طرف کھینچ لائیں گے۔ (لقمان ۲۲-۲۳)

ہر آدمی کا ایک رخ ہوتا ہے جدھر وہ اپنے پورے فکری اور عملی وجود کے ساتھ متوجہ رہتا ہے۔ مومن وہ ہے جس کا رخ پوری طرح خدا کی طرف ہو جائے۔ مومنانہ زندگی دوسرے لفظوں میں خدا رخی (God-oriented) زندگی کا نام ہے۔ اور غیر مومنانہ زندگی غیر خدا رخی زندگی کا نام۔

جس شخص نے خدا کی طرف رخ کیا اس نے صحیح منزل کی طرف رخ کیا۔ وہ یقیناً اچھے انجام کو پہنچے گا اس کے برعکس جو شخص خدا سے غافل ہو کر کسی اور طرف متوجہ ہو جائے وہ بے رخ اور بے منزل ہو گیا۔ اس کو آج کی وقتی زندگی میں کچھ فائدے ہو سکتے ہیں مگر آخرت کی مستقل زندگی میں اس کے لئے عذاب کے سوا اور کچھ نہیں۔

32-111

### جنت والوں کی صفات

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: ہماری آیتوں پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو ان کے ذریعہ یاد دہانی کی جاتی ہے تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں۔ اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں۔ وہ اپنے رب کو پکارتے ہیں ڈر سے اور امید سے۔ اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔ تو کسی کو خبر نہیں کہ ان لوگوں کے لئے ان کے اعمال کے صلہ میں آنکھوں کی کیا ٹھنڈک چھپا رکھی گئی ہے۔ (السجدہ ۱۵-۱۷)

ہدایت کے سلسلہ میں سب سے اہم چیز مادہ اعتراف ہے۔ ہدایت صرف ان لوگوں کو ملتی ہے جن کے اندر یہ مزاج ہو کر جب سچائی ان کے سامنے آئے تو وہ فوراً اس کو مان لیں خواہ سچائی بظاہر ایک چھوٹے آدمی کے ذریعہ سامنے آئی ہو، خواہ اس کو ماننا اپنے آپ کو غلط قرار دینے کے ہم

معنی ہو، خواہ اس کو مان کر اپنی زندگی کا نقشہ درہم برہم ہوتا ہوا نظر آئے۔ جن لوگوں کے اندر یہ حوصلہ ہو وہی سچائی کو پاتے ہیں۔ جو لوگ یہ چاہیں کہ وہ سچائی کو اس طرح مانیں کہ ان کی بڑائی بدستور قائم رہے ایسے لوگوں کو سچائی کبھی نہیں ملتی۔

جو آدمی حق کی خاطر اپنی بڑائی کو کھودے وہ سب سے بڑی چیز کو پالیتا ہے اور وہ خدا کی بڑائی ہے۔ اس کی زندگی میں خدا اس طرح شامل ہو جاتا ہے کہ وہ اس کی یادوں کے ساتھ سوئے اور وہ اس کی یادوں کے ساتھ جاگے۔ اس کے خوف اور امید کے جذبات تمام تر خدا کے ساتھ وابستہ ہو جائیں۔ وہ اپنا ۱۰۰٪ اس طرح خدا کے حوالے کر دیتا ہے کہ اس میں سے کچھ بچا کر نہیں رکھتا۔ سچی وہ لوگ ہیں جن کی آنکھیں جنت کے ابدی باغوں میں ششدری ہوں گی۔

### 33-112

#### رسول کا نمونہ

رسول اور اصحاب رسول پر مختلف حالات گزرے۔ ہر صورت حال میں وہ حق پر پوری طرح قائم رہے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے: تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے، اس شخص کے لئے جو اللہ کا اور آخرت کے دن کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کی یاد کرے۔ (الاحزاب ۲۱)

رسول اور اصحاب رسول کی زندگیوں میں قیامت تک کے اہل ایمان کے لئے خدا پرستانہ زندگی کا نمونہ ہیں، اس بات کا نمونہ کہ اللہ اور آخرت کی امیدواری کے معنی کیا ہیں۔ اللہ کو یاد کرنے کے معنی کیا ہیں۔ اللہ کو یاد کرنے کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ مشکل حالات میں ثابت قدمی کسے کہتے ہیں۔ خدا کے وعدوں پر بھروسہ کس طرح کیا جاتا ہے۔ اضافہ پذیر ایمان کیا ہے اور وہ کیوں حاصل ہوتا ہے۔ خدا سے کسے ہوئے عہد کو پورا کرنے کا طریقہ کیا ہے۔

رسول اور اصحاب رسول نے ان چیزوں کا آخری نمونہ قائم کر دیا۔ شدید ترین حالات میں بھی انہوں نے کوئی کمزوری نہیں دکھائی۔ انہوں نے ہر معاملہ میں اسلامی فکر اور اسلامی کردار کا

کامل ثبوت دیا۔ امتحان کا لمحہ آنے سے پہلے بھی وہ حق پر قائم تھے اور امتحان کا لمحہ آنے کے بعد بھی وہ حق پر قائم رہے۔

پھر رسول اور اصحاب رسول کی زندگیوں ہی اس بات کا نمونہ بھی ہیں کہ خدا کے یہاں کسی کا فیصلہ امتحان کے بغیر نہیں کیا جاتا۔ خدا کا طریقہ یہ ہے کہ وہ شدید حالات پیدا کرتا ہے تاکہ سچے اہل ایمان اور جھوٹے دعویٰ دار ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں۔ اس خدائی قانون میں نہ پہلے کسی کا استثناء تھا اور نہ آئندہ کسی کا استثناء ہوگا۔

### 33-113

#### مومن اور مومنات

قرآن میں ارشاد ہوا ہے۔ بے شک اطاعت کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں۔ اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں۔ اور فرماں برداری کرنے والے مرد اور فرماں برداری کرنے والی عورتیں۔ اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں۔ اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں۔ اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں۔ اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں۔ ان کے لئے اللہ نے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے (الاحزاب ۳۵)

قرآن کی اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک مرد اور ایک عورت کے لیے جہان کھانا چاہتا ہے وہ کیا ہے۔ وہ حسب ذیل دس صفات ہیں۔ اسلام، ایمان، قوت، صدق، صبر، خشوع، صدقہ، روزہ، حفت، ذکر اللہ۔

ان دس الفاظ میں اسلامی عقیدہ اور اسلامی کردار کے تمام پہلو سمٹ آئے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اللہ کے یہاں مغفرت اور ایمان کا حق دار ہو اس کو ایسا بنا چاہئے کہ وہ

اللہ کے حکم کے آگے جھکنے والا ہو۔ وہ اللہ پر یقین کرنے والا ہو۔ وہ اپنے پورے وجود کے ساتھ اللہ کے لئے یکسو ہو جائے۔ اس کی زندگی قول و فعل کے تضاد سے خالی ہو۔ وہ ہر حال میں جبار بننے والا ہو۔ اللہ کی بڑائی کے احساس نے اسے متواضع بنا دیا ہو۔ وہ دوسروں کی ضرورت پوری کرنے کو بھی اپنی ذمہ داری شمار کرتا ہو۔ وہ روزہ دار ہو جو نفس کو کنٹرول کرنے کی تربیت ہے۔ وہ شہوانی خواہشات کے مقابلہ میں عقیق اور پاک دامن ہو۔ اس کے صبح و شام اللہ کی یاد میں بسر ہونے لگیں۔ یہ اوصاف جس طرح مردوں سے مطلوب ہیں اسی طرح وہ عورتوں سے بھی مطلوب ہیں۔ ان اوصاف کے اظہار کا دائرہ بعض اعتبار سے دونوں کے درمیان مختلف ہے۔ مگر جہاں تک خود اوصاف کا تعلق ہے وہ دونوں کے لئے یکساں ہے۔ کوئی عورت ہو یا کوئی مرد وہ اسی وقت خدا کے یہاں قابل قبول ٹھہرے گا جب کہ وہ ان دس صفتوں سے متصف ہو کر خدا کے یہاں پہنچے۔

### 33-114

#### آخری رسول

قرآن میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ محمد ﷺ خدا کے آخری رسول ہیں۔ اس سلسلے میں ارشاد ہوا ہے: محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے ہاپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے خاتم ہیں۔ اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ (الاحزاب ۴۰)

خاتم النبیین کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ آپ نبیوں کی مہر ہیں۔ خاتم کا لفظ اسٹمپ (stamp) کے لئے نہیں آتا بلکہ سیل (seal) کے لئے آتا ہے۔ یعنی آخری عمل۔ لفاظہ کو سیل کرنے کا مطلب اس کو آخری طور پر بند کرنا ہے کہ اس کے بعد نہ کوئی چیز اس کے اندر سے باہر نکلے اور نہ باہر سے اندر جائے۔ چنانچہ عربی میں قوم کا خاتم قوم کے آخری شخص کو کہا جاتا ہے۔ (خاتم القوم آخر ہم)

قرآن میں یہ اعلان زید اور زینب کے قصے کے ذیل میں کیا گیا جس کی تفصیل تفسیر کی ہر کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اس مخصوص واقعہ کے ذیل میں آپ کے خاتم النبیین ہونے کے

اعلان کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد جو تکہ کوئی نبی آنے والا نہیں، اس لئے ضروری ہے کہ تمام خدائی باتوں کا اظہار آپ کے ذریعہ سے کر دیا جائے۔

پیغمبر اسلام ﷺ خدا کے آخری رسول تھے، اس کے بارے میں قرآن کی یہ آیت ایک براہ راست بیان کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن میں یہ بیان بالواسطہ انداز میں موجود ہے۔ مثال کے طور پر قرآن میں بتایا گیا ہے کہ یہ کتاب ایک محفوظ کتاب ہے اس کی محفوظی کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ قرآن کا یہ بیان بھی اس بات کا ایک بالواسطہ ثبوت ہے کہ پیغمبر اسلام کے بعد کوئی دوسرا رسول آنے والا نہیں۔ کیوں کہ جب خدا کا ہدایت نامہ اپنی کامل اور محفوظ صورت میں دنیا میں موجود ہو تو ایسی حالت میں سنت اللہ کے مطابق کوئی نبی نہیں بھیجا جاتا۔

33-115

پیغمبر کا منصب

قرآن میں پیغمبر اسلام کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: اے نبی، ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور اللہ کی طرف، اس کے نون سے دعوت دینے والا اور ایک روشن چراغ۔ (الاحزاب ۳۵-۳۶)

شاید، ہمیشہ نذیر و داعی یہ سب ایک ہی حقیقت کے مختلف پہلو ہیں۔ پیغمبر کا مشن یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو زندگی کی حقیقت سے آگاہ کرے۔ وہ لوگوں کو جنت اور جہنم کی خبر دے، یہ ایک دعوتی عمل ہے اور اسی دعوتی عمل کی بنیاد پر پیغمبر آخرت کی عدالت میں ان لوگوں کے بارے میں گواہی دے گا جن پر اس نے امر حق پہنچایا اور پھر کسی نے مانا اور کسی نے نہ مانا۔

چراغ کا کام یہ ہے کہ وہ اندھیرے میں چھپی ہوئی چیزوں کو نمایاں کر دے تاکہ جو چیز دکھائی نہیں دے رہی تھی وہ دکھائی دینے لگے۔ یہی کام پیغمبر کی لائی ہوئی خدائی ہدایت کا ہے۔ لوگ افکار و روایات اور توہمات کے فکری جگل میں گم ہیں۔ خدا کے رسول کی حیثیت اس فکری اندھیرے میں ایک روشن چراغ کی ہے، تاہم چراغ روشن ہونے کے باوجود وہی شخص چیزوں کو

ان کی صحیح صورت میں دیکھ سکے گا جو اپنی آنکھیں کھلی رکھے اسی طرح پیغمبر اللہ پر ایمان کے باوجود اس سے رہنمائی صرف اس شخص کو ملے گی جو کھلے ذہن کے ساتھ اس پر غور کرنے کے لئے تیار ہو۔ اس دنیا میں بند آنکھ کے لئے کوئی چیز دیکھنا مقدر نہیں۔ اسی طرح بند ذہن کے لئے بھی کسی حقیقت کو دریافت کرنا ممکن نہیں۔

33-116

قولِ سدید

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور درست بات کہو۔ وہ تمہارے اعمال سدھارے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔ (الاحزاب ۷۱)

کلام کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ہے سدید کلام، دوسرا ہے غیر سدید کلام۔ سدید کلام وہ ہے جو عین مطابق واقعہ ہو جو واقعاتی تجزیہ پر مبنی ہو۔ جو ٹھوس دلائل کے ساتھ پیش کیا جائے، اس کے برعکس غیر سدید کلام وہ ہے جس میں حقیقت کی رعایت شامل نہ ہو۔ جس کی بنیاد علم و حقائق پر قائم ہو۔ جس کی حقیقت محض رائے زنی کی ہونہ کہ حقیقت واقعہ کے اظہار کی۔ اول الذکر کلام مخلصانہ کلام ہے اور ثانی الذکر کلام غیر مخلصانہ کلام۔

درست کلام (قولِ سدید) کا نتیجہ ہمیشہ درست عمل ہوتا ہے۔ درست کلام کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کی سوچ عین مطابق واقعہ ہے۔ اور جب سوچ مطابق واقعہ ہو تو عملی منصوبہ بندی بھی مطابق واقعہ ہوگی۔ مطابق واقعہ منصوبہ بندی لازماً معاملات کو درست کرتی ہے اور کامیابی کا ذریعہ بنتی ہے۔

33-117

اختیاری عمل

ہم امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اس کو اٹھانے

سے انکار کیا اور وہ اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا۔ بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا۔ تاکہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو مزادے اور مومن مردوں اور مومن عورتوں پر توجہ فرمائے اور اللہ بخشنے والا، مہربان ہے (الاحزاب ۷۲-۷۳)۔

امانت سے مراد اختیار ہے۔ اختیار کو امانت اس لئے فرمایا کہ وہ اللہ کی ایک چیز ہے جس کو اس نے عارضی مدت کے لئے انسان کو بطور آزمائش دیا ہے تاکہ انسان خود اپنے ارادہ سے خدا کا تابع نہ رہے۔ امانت، دوسرے لفظوں میں، اپنے اوپر خدا کا قائم مقام بننا ہے، اپنے آپ پر وہ کرنا ہے جو خدا ستاروں اور سیاروں پر کر رہا ہے اور است کر رہا ہے یعنی اپنے اختیار سے اپنے آپ کو خدا کے کنٹرول میں دے دینا۔

اس کائنات میں صرف اللہ حاکم ہے اور تمام چیزیں اس کی محکوم ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوئی کہ وہ ایک ایسی آزاد مخلوق پیدا کرے جو کسی جبر کے بغیر خود اپنے اختیار سے وہی کرے جو خدا اس سے کروانا چاہتا ہے۔ یہ اختیاری اطاعت بڑی نازک آزمائش تھی۔ آسمان اور زمین اور پہاڑ بھی اس کا تحمل نہیں کر سکتے۔ تاہم انسان نے شدید اندیشہ کے باوجود اس کو قبول کر لیا۔ اب انسان موجودہ دنیا میں خدا کی ایک امانت کا امین ہے۔ اس کو اپنے اوپر وہی کرنا ہے جو خدا دوسری چیزوں پر کر رہا ہے۔ انسان کو اپنے آپ پر خدا کا حکم چلانا ہے۔ انسان حالت امتحان میں ہے اور موجودہ دنیا اس کے لئے وسیع امتحان گاہ۔

یہ امانت ایک بے حد نازک ذمہ داری ہے، کیوں کہ اسی کے وجہ سے جزا و سزا کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ دوسری مخلوقات مجبور و مقہور ہیں، اس لئے ان کے واسطے جزا و سزا کا مسئلہ نہیں۔ انسان آزاد ہے۔ اس لئے وہ جزا و سزا کا مستحق بنتا ہے۔ جو مرد یا عورت موجودہ دنیا میں اپنی آزادی کا صحیح استعمال کریں، آزادی کے باوجود وہ خدا کے پابند بن کر رہیں، ان کے لئے آخرت کی ابدی جنتیں ہیں۔ اور جو لوگ آزادی پا کر سرکش ہو جائیں ان کے لئے آخرت کا ابدی عذاب۔

34-118

## کائنات کی گواہی

تقریب خدا کے لئے ہے جس کا وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اسی کی تقریب ہے آخرت میں اور وہ حکمت والا جاننے والا ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین کے اندر داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے اور وہ رحمت والا بخشنے والا ہے۔ (سہا ۱-۲)

کائنات اپنے خالق کا تعارف ہے اس کی ہیبت ناک وسعت خالق کی عظمت کو بتاتی ہے اس کا حد کمال تک موزوں ہونا بتاتا ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا ایک کامل و مکمل ہستی ہے، اس کے تمام اجزاء کا حدود و قوافی کے ساتھ عمل کرنا ثابت کرتا ہے کہ اس کا چلانے والا انتہائی حد تک حکیم و علیم ہے۔ کائنات کا انسان کے لئے مکمل طور پر سازگار ہونا ظاہر کرتا ہے کہ اس کا خالق اپنی مخلوقات کے لئے بے حد رحیم و کریم ہے۔

جو شخص کائنات پر غور کرے گا وہ خدا کے جلال و کمال کے احساس سے سرشار ہو جائے گا۔ وہ یقین کر لے گا کہ ازل سے اب تک تمام عظمتیں صرف ایک خدا کے لئے ہیں۔ اس کے سوا کسی اور کے لئے نہیں۔ کائنات کے مختلف اجزاء میں ہم آہنگی اور کسی داخلی ٹکراؤ کے بغیر ان کا مسلسل چلنے رہنا اور ان کی سرگرمیوں کا ہمیشہ مفید نتیجہ پیدا کرنا، اس قسم کے واقعات خود اپنی ذات میں اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے اور اسی کے ساتھ وہ علیم اور حکیم اور خیر اور رحیم اور غفور ہے۔ کائنات اپنے خالق کے وجود کا بھی ثبوت ہے اور اسی کے ساتھ اس خالق کے صفات کمال کا تعارف بھی۔

34-119

## کائناتی نشانیاں

اور جنہوں نے انکار کیا وہ کہتے ہیں، کیا ہم تم کو ایک ایسا آدمی بتائیں جو تم کو خبر دیتا ہے کہ

جب تم بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو پھر تم کو نئے سرے سے بننا ہے۔ کیا اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے یا اس کو کسی طرح کا جنون ہے۔ بلکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہی عذاب میں نوردور کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ تو کیا انہوں نے آسمان اور زمین کی طرف نظر نہیں کی جو ان کے آگے ہیں اور ان کے پیچھے بھی۔ اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان سے ٹکڑا گرا دیں۔ بے شک اس میں نشانی ہے ہر اس بندے کے لئے جو متوجہ ہونے والا ہو۔ (سہا ۷۷-۹)

اس دنیا میں سب سے بڑی محرومی یہ ہے کہ آدمی صحت فکری سے محروم ہو جائے۔ ایسا آدمی کسی چیز کو اس کے صحیح روپ میں نہیں دیکھ پاتا۔ کھلی ہوئی حقیقتوں سے بھی اس کو نصیحت حاصل نہیں ہوتی۔ مثلاً اوپری فضا سے مسلسل بے شمار ہتھیار نہایت تیز رفتاری کے ساتھ زمین کی طرف آتے رہتے ہیں۔ اگر یہ ہتھیار انسانی ہستیوں پر برسے لگیں تو انسانی نسل کا خاتمہ ہو جائے۔ اسی طرح زمین کے نیچے کا زیادہ حصہ گرم پگھلا ہوا لدا ہے۔ اگر وہ غیر محدود طور پر پھٹ پڑے تو سطح زمین کی ہر چیز جل کر ختم ہو جائے۔ مگر خدا اپنے خصوصی انتظام کے تحت ایسا ہونے نہیں دیتا۔ آسمان اور زمین میں اس قسم کی واضح نشانیاں ہیں جو انسان کے مجز کو بتا رہی ہیں۔ مگر جب آدمی کے اندر صحیح سوچ نہ ہو تو کوئی نشانی اس کو ہدایت دینے والی نہیں بنتی۔ کھلی حقیقتوں کے درمیان وہ اس طرح رہتا ہے جیسے اسے کسی حقیقت کی خبر ہی نہیں۔

ہر انسان جو آج زندہ ہے وہ اس سے پہلے موجود نہ تھا۔ اس طرح انسان خود اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کا عدم سے وجود میں آنا ممکن ہے۔ یہی واقعہ اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ موت کے بعد دوبارہ اس کو پیدا کیا جاسکتا ہے۔ اگر عدم سے وجود سے پہلی بار وجود میں آنا ممکن تھا تو موت کے بعد دوبارہ پیدا ہونا کیوں غیر ممکن ہو جائے گا۔

34-120

سفارش نہیں

کہو کہ ان کو پکارو جن کو تم نے خدا کے سوا معبود سمجھ رکھا ہے، وہ نہ آسمانوں میں ذرہ برابر

اختیار رکھتے ہیں اور نہ زمین میں اور نہ ان دونوں میں ان کی کوئی شرکت ہے۔ اور نہ ان میں سے کوئی اس کا مددگار ہے۔ اور اس کے سامنے کوئی شفاعت کام نہیں آتی مگر اس کے لئے جس کے لئے وہ اجازت دے۔ یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوگی تو وہ پوچھیں گے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا۔ وہ کہیں گے کہ حق بات کا حکم فرمایا۔ اور وہ سب سے اوپر ہے، سب سے بڑا ہے۔ (سبا ۲۲-۲۳)

لوگ اکثر خود ساختہ طور پر ایسے عقیدے بنا لیتے ہیں جو انہیں آخرت کی پکڑ سے بے خوف کر دیں۔ انہیں میں سے ایک یہ فرضی عقیدہ بھی ہے کہ بعض ہستیوں کو خدا کے یہاں اتنا بڑا مقام حاصل ہے کہ وہ اپنی سفارش سے جس کو چاہیں بخشوا سکتے ہیں۔

مگر اس قسم کا ہر عقیدہ نہ صرف بے بنیاد ہے بلکہ وہ خدا کی خدائی کا کمتر اندازہ ہے۔ جس آدمی کو خدا کی سچی معرفت حاصل ہو جائے وہ خدا کی عظمت کے احساس سے آخری حد تک دب جائے گا۔ ایسے شخص کے بارے میں یہ سمجھنا کتنا عجیب ہے کہ وہ خدا کے یہاں کسی کی نجات کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ اگر آخرت میں خدا کسی کو اس کی عزت افزائی کے لئے اسے پونے کا موقع دے تب بھی وہ وہی بات کہے گا جو خدا کا فیصلہ ہے نہ کہ وہ اپنے طرف سے وہاں کسی بات کو منوانے کی کوشش کرے۔

### 34-121

#### نبوت محمدی

اور ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لئے خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (سبا ۲۸)

ہر نبی نے براہ راست طور پر صرف اپنی قوم کے اوپر دعوتی کام کیا۔ اور یہی عملاً ممکن تھا۔ اسی طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بھی براہ راست طور پر اپنی ہی قوم کے لئے منذر و مبشر بنے۔ (الانعام ۹۲) مگر چونکہ آپ پر نبوت ختم ہو گئی اس لئے اب تمام قوموں کے لئے حکماً آپ

ہی منذر اور مبشر ہیں۔ اپنے زمانہ میں اپنے مخاطبین اول پر جس طرح آپ نے انذار و تبشیر کا کام کیا اسی طرح بعد کے زمانے میں دوسرے تمام مخاطبین پر آپ کی امت کو آپ کی نیابت میں انذار و تبشیر کا بھی کام کرنا ہے۔ یہ سارا کام آپ کی نبوت کے تسلسل میں شمار ہوگا۔ آپ کی زندگی میں کیا جانے والا دعوتی کام براہ راست طور پر آپ کے دائرہ نبوت میں داخل ہے اور آپ کی دنیوی زندگی کے بعد کیا جانے والا کام بالواسطہ طور پر۔

34-122

خوش حالی کا قند

اور ہم نے جس بستی میں بھی کوئی ڈرانے والا بھیجا تو اس کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم تو اس کے منکر ہیں جو دے کر تم بھیجے گئے ہو۔ اور انہوں نے کہا کہ ہم مال اور اولاد میں زیادہ ہیں اور ہم کبھی سزا پانے والے نہیں۔ کہو کہ میرا رب جس کو چاہتا ہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم کر دیتا ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد وہ چیز نہیں جو درجہ میں تم کو ہمارا مقرب بنا دے۔ البتہ جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیا۔ ایسے لوگوں کے لئے ان کے عمل کا دو تابدلہ ہے اور وہ بالآخاتوں میں اطمینان سے رہیں گے۔ اور جو لوگ ہماری آجوں کو نچاؤ کھانے کے لئے سرگرم ہیں وہ عذاب میں داخل کئے جائیں گے۔ (سہا ۳۳-۳۸)

جن لوگوں کے پاس قوت اور مال آجائے ان کو موجودہ دنیا میں بڑائی کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ چیز ان کے اندر فرضی اعتماد پیدا کر دیتی ہے۔ ایسے لوگوں کو جب آخرت سے ڈر لیا جاتا ہے تو وہ اس کو اہمیت نہیں دے پاتے۔ ان کو یقین نہیں آتا کہ دنیا میں جب خدا نے ان کو عزت دی ہے تو آخرت میں وہاں نہیں بے عزت کر دیا۔

www.KitaboSunnat.com

یہی فرضی اعتماد ہر دور کے بڑوں کے لئے دعوت حق کو نہ ماننے کا سب سے بڑا سبب رہا ہے۔ اور وقت کے بڑے لوگ جب ایک چیز کو حقیر کر دیں تو چھوٹے لوگ بھی اس کو حقیر سمجھ لیتے ہیں، اس طرح خواص اور عوام دونوں حق کو قبول کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔

دنیا کا مال و اسباب امتحان ہے نہ کہ انعام۔ دنیا کے مال و اسباب کی زیادتی نہ کسی آدمی کے مقرب ہونے کی علامت ہے اور نہ اس کی کمی اس کے غیر مقرب ہونے کی علامت۔ اللہ کے یہاں قربت کا مقام اس شخص کے لئے ہے جو اس بات کا ثبوت دے کہ جو کچھ اس کو دیا گیا تھا اس میں وہ خدا کی یادوں کے ساتھ جیا اور خدا کی مقرر کی ہوئی حدود کا اپنے آپ کو پابند رکھا۔ یہی لوگ ہیں جو آخرت میں خدا کے ابدی انعام کے مستحق قرار دئے جائیں گے۔

15-123

### توحید اور شرک

اے لوگو! اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر تم کہاں دھوکا کھا رہے ہو (فاطر ۳)۔ انسان اپنی زندگی کے لئے بے شمار چیزوں کا محتاج ہے۔ مثلاً روشنی، پانی، ہوا، خوراک، معدنیات، وغیرہ۔ ان میں سے ہر چیز ایسی ہے کہ اس کو وجود میں لانے کے لئے کائناتی طاقتوں کا متحدہ عمل درکار ہے۔ ایک خدا کے سوا کون ہے جو اتنے بڑے واقعہ کو ظہور میں لانے کی طاقت رکھتا ہو۔ شرک اور طغیہ لوگ بھی یہ دھوٹی نہیں کر سکتے کہ ان اسباب حیات کی فراہمی ایک خدا کے سوا کوئی اور کر سکتا ہے۔ پھر جب ان تمام چیزوں کا خالق اور منتظم ایک خدا ہے تو اس کے سوا دوسروں کو معبود بنانا کیوں کر درست ہو سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کائنات اپنے پورے وجود کے ساتھ توحید کی صداقت کا اعلان کر رہی ہے۔ اس کے مقابلہ میں شرک کا عقیدہ اس کائنات میں بالکل اجنبی ہے۔ توحید کی بنیاد دلائل پر ہے، اور شرک کی بنیاد صرف توہمات پر۔

www.KitaboSunnat.com

35-124

### تاریکی اور روشنی

اور اندھا اور آنکھوں والا براہمہ نہیں۔ اور نہ اندھیرا اور نہ اجالا۔ اور نہ سایہ اور نہ دھوپ۔

اور زندہ اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے۔ بے شک اللہ سنا ہے جس کو وہ چاہتا ہے اور تم ان کو سنا  
 والے نہیں بن سکتے جو قبروں میں ہیں۔ تم تو بس ایک خبردار کرنے والے ہو۔ (فاطر ۲۳)  
 یہ ایک حقیقت ہے کہ جو امید روشنی سے کی جاسکتی ہے وہ تاریکی سے نہیں کی جاسکتی۔  
 طرح سایہ سے جو چیز ملے گی وہ دھوپ سے ملنے والی نہیں۔ یہی معاملہ انسان کا ہے۔ انسانوں  
 کچھ آنکھ والے ہوتے ہیں اور کچھ اندھے ہوتے ہیں۔ آنکھ والا فوراً اپنے راستہ کو دیکھ کر اسے پہچان  
 لیتا ہے۔ مگر جو اندھا ہو وہ صرف بھٹکتا پھرے گا۔ اس کو کبھی اپنے راستہ کی پہچان نہیں ہو سکتی۔  
 ایمان سے مراد معرفت ہے۔ خدا کا مطلوب ایمان وہ ہے جو کسی کو معرفت (ڈسکوری) کے  
 طور پر ملے۔ امکانی طور پر اس معرفت کی استعداد ہر شخص کے اندر موجود ہے۔ مگر اس استعداد کا فائدہ  
 صرف اس شخص کو ملتا ہے جو معرفت کی رکادوں کو عبور کر کے منزل تک پہنچنے کا حوصلہ رکھتا ہو۔

### 85-125

#### علم سے خشیت

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر ہم نے اس سے مختلف رنگوں کے  
 پھل پیدا کر دیئے۔ اور پہاڑوں میں بھی سفید اور سرخ مختلف رنگوں کے ٹکڑے ہیں اور گہرے سیاہ  
 بھی۔ اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی مختلف رنگ کے ہیں۔ اللہ سے اس  
 کے بندوں میں سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔ بے شک اللہ زبردست ہے، بخشنے  
 والا ہے۔ (فاطر ۲۷-۲۸)

بادل سے ایک ہی پانی برستا ہے مگر اس سے مختلف قسم کی چیزیں اُمتی ہیں۔ اجماع درخت  
 بھی اور جھاڑ جھنکار بھی۔ اسی طرح ایک ہی مادہ ہے جو پہاڑوں کی صورت میں منجمد ہوتا ہے مگر ان  
 میں طرح طرح کے مختلف رنگ پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح جامدات بھی سب ایک غذا کھاتے  
 ہیں۔ مگر ان میں سے کوئی انسان کے لئے کارآمد ہے اور کوئی بے کار۔

یہاں مختلف کائناتی نشانیوں کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے کہ: اللہ سے اس کے

بندوں میں سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔ سیاق کے اعتبار سے اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات میں خدا کی نشانیوں کا مطالعہ آدمی کے اندر اللہ کا خوف پیدا کرتا ہے۔ اس مطالعہ کے ذریعہ آدمی یہ دریافت کرتا ہے کہ خدا کتنا زیادہ عظیم اور قدیر ہے وہ مخلوقات میں خالق کا جلوہ دیکھنے لگتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جو آدمی کائنات کا مطالعہ صحیح ذہن کے ساتھ کرے، اس کے لئے کائنات معرفت الہی کا آئینہ بن جائے گی۔

38-128

خلاء کی گواہی

اور ایک نشانی ان کے لئے رات ہے، ہم اس سے دن کو کھینچ لیتے ہیں تو وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور سورج، وہ اپنی ٹھہری ہوئی رولر پر چلتا رہتا ہے۔ یہ عزیز و عظیم کا ہاندھا ہوا اندازہ ہے۔ اور چاند کے لئے ہم نے منزلیں مقرر کر دیں ہیں، یہاں تک کہ وہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کجور کی پرانی شاخ۔ نہ سورج کے بس میں ہے کہ وہ چاند کو پکڑ لے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے۔ اور سب ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں۔ (پس ۷۷ ص ۴۰)

زمین اور چاند اور سورج سب کا ایک مدار مقرر ہے۔ سب اپنے مختلف مدار پر حد درجہ صحت کے ساتھ گھوم رہے ہیں۔ اس گردش سے مختلف مظاہر وجود میں آتے ہیں۔ مثلاً زمین پر رات اور دن کا پیدا ہونا، چاند کا کم و بیش ہو کر فلکیاتی کیلنڈر کا کام کرنا، وغیرہ۔ یہ نظام کروڑوں سال سے قائم ہے اور پھر بھی اس میں کسی قسم کا کوئی خلل واقع نہیں ہوا۔

یہ مشاہدہ خدا کی اتھاہ قدرت کا ایک تعارف ہے۔ اگر آدمی اسی سے سبق لے تو ایک خدا کی عظمت اس کے ذہن پر اس طرح چھائے کہ دوسری تمام عظمتیں اپنے آپ اس کے ذہن سے حذف ہو جائیں۔

کائنات ایک انتہائی وسیع خلاء ہے۔ اس کے اندر بے شمار ستارے اور سیارے ہیں، کہکشائیں اور شمسی نظام ہیں۔ یہ تمام اجرام مسلسل تیز رفتاری کے ساتھ حرکت کر رہے ہیں۔ مگر

کمریوں سال گزرنے کے باوجود ان کے درمیان ٹکراؤ نہیں ہوتا ان میں سے ہر ایک اتنی زیادہ صحت کے ساتھ گردش کر رہا ہے کہ خشکی طور پر اس کا ٹھیک ٹھیک تعین کیا جاسکتا ہے۔ اس قسم کی نشانیوں واضح طور پر اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ کائنات ایک عظیم ہستی کے کنٹرول میں ہے۔ اس کے بغیر موجودہ کائنات کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

38-127

### سفر کی سواریاں

اور ایک نشانی ان کے لئے یہ ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ اور ہم نے ان کے لئے اسی کے مانند اور چیزیں پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوئے ہیں۔ اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں۔ پھر نہ کوئی ان کی فریاد سننے والا ہو اور نہ وہ بچائے جاسکیں۔ مگر یہ ہماری رحمت ہے اور ان کو ایک وقت معین تک فائدہ دینا ہے (یس ۳۱-۳۲)

ہماری دینا میں خشکی بھی ہے اور سمندر بھی۔ اور ہمارے اوپر وسیع فضا بھی۔ خدا نے اس دنیا میں ایسے امکانات رکھ دئے ہیں کہ آدمی تینوں میں سے کسی حصہ میں بھی سفر سے عاجز نہ ہو۔ وہ خشکی اور پانی اور فضا میں یکساں طور پر سفر کر سکے۔

یہ تمام سفر خدا کے قائم کردہ فطری نظام کے تحت ممکن ہوئے ہیں۔ اگر خدا اپنے اس نظام کو واپس لے لے تو کوئی بھی سفر انسان کے لئے ممکن نہ رہے۔ یہ انسان کے لئے اتنی بڑی رحمت ہے کہ انسان اگر اس پر غور کرے تو وہ خدا کے احسان سے اتنا زیادہ سرشار ہو کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے آگے ڈال دے اور کبھی سرکشی کا طریقہ اختیار نہ کرے۔

38-128

### جنت کی دنیا

بے شک جنت کے لوگ آج اپنے مشغلوں میں خوش ہوں گے۔ وہ اور ان کی بیویاں، سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے لئے وہاں میوے ہوں گے اور ان

کے لئے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ مانگیں گے۔ ان کو سلام کہلایا جائے گا مہربان رب کی طرف سے۔  
(یس ۵۲-۵۸)

موجودہ دنیا میں آدمی کے عمل کے معنوی نتائج سامنے نہیں آتے۔ آخرت وہ جگہ ہے جہاں ہر آدمی اپنے عمل کے معنوی نتائج کو پائے گا۔ جو شخص یہاں صرف وقتی مفادات کے لئے سرگرم رہا وہ آخرت کی ابدی دنیا میں اس طرح اٹھے گا کہ وہاں بالکل خالی ہاتھ ہوگا۔ اس کے برعکس جو لوگ اعلیٰ مقصد کے لئے جیتے وہ وہاں شاندار انجام میں خوش ہو رہے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایات اس کے علاوہ ہوں گی۔

جنت لطیف ترین سرگرمیوں کی ایک دنیا ہے۔ وہاں دلچسپ ملاقاتیں ہوں گی۔ وہاں پر لطف مشاہدات ہوں گے۔ وہاں ایک دوسرے کے درمیان آفاقی سطح پر گفتگوئیں ہوں گی۔ ہر قسم کی محدودیت اور ہر قسم کی تاخو شگواہی کا وہاں خاتمہ ہو چکا ہوگا۔ انسان کے لئے یہ ممکن ہوگا کہ وہ اپنی پوری استعداد (capacity) کے ساتھ وہاں جی سکے۔

36-129

### تسخیر کائنات

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے ہاتھ کی بنا کی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لئے مونثی پیدا کئے۔ تو وہ ان کے مالک ہیں اور ہم نے ان کو ان کا تالیق بنا دیا۔ تو ان میں سے کوئی ان کی سواری ہے اور کسی کو وہ کھاتے ہیں۔ اور ان کے لئے ان میں قائم ہے جن اور پینے کی چیزیں بھی۔ تو کیا وہ شکر نہیں کرتے (یس ۶۲-۶۳)

مونثی جانور ایک قسم کی زندہ علامت ہیں جو بتاتے ہیں کہ مادی دنیا کو اس کے بنانے والے نے اس طرح بنایا ہے کہ انسان اس کو سخر کر کے اس کو استعمال کر سکے۔ مادی دنیا کی اسی صلاحیت کے لوہا انسانی تہذیب کی پوری عمارت قائم ہے۔ اگر گھوڑے اور تیل میں بھی وہی وحشیانہ مزاج ہو جو رینجھ اور بھیڑے میں ہوتا ہے۔ یا لوہا اور پٹرول اسی طرح انسان کے قابو سے باہر ہوں جس طرح زمین

کے اندر کا آتش فشاں مادہ انسان کے قابو سے باہر ہے تو تہذیب انسانی کا ارتقاء ناممکن ہو جائے۔ اسی قانون فطرت کو قرآن میں تسخیر کہا گیا ہے۔ زمین اور زمین سے باہر کی تمام چیزیں اسی عمومی تسخیر کے تحت ہیں۔ کائنات میں اگر تسخیر کا یہ معاملہ نہ ہوتا تو انسان کے لئے اس دنیا میں نہ زندگی ممکن ہوتی اور نہ ترقی۔

### 37-130

#### موت کے بعد زندگی

قرآن میں مخالفین کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: پس ان سے پوچھو کہ ان کی پیدائش زیادہ مشکل ہے یا ان چیزوں کی جو ہم نے پیدا کی ہیں۔ ہم نے ان کو چمکتی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ بلکہ تم تعجب کرتے ہو اور وہ مذاق اڑا رہے ہیں۔ اور جب ان کو سمجھایا جاتا ہے تو وہ سمجھتے نہیں۔ اور جب وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو وہ اس کو ہنسی میں ڈال دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ تو بس کھلا ہوا جادو ہے۔ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو پھر ہم اٹھائے جائیں گے۔ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی۔ کہو کہ ہاں، اور تم ذلیل بھی ہو گے۔ (الصافات ۱۱-۱۸)

زمین و آسمان کی صورت میں جو کائنات ہمارے مشاہدے میں آتی ہے وہ اتنی پیچیدہ اور اتنی عظیم ہے کہ اس کے بعد انسان کو دوسری دنیا میں پیدا کرنا مقابلہ ایک چھوٹا کام نظر آنے لگتا ہے۔ جس خالق کی قوت تخلیق کا عظیم تر نمونہ ہمارے سامنے موجود ہے اسی خالق سے اس سے چھوٹی تخلیق ناممکن یا مستبعد کیوں۔

انسانی جسم کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام تر زمینی اجزاء کا ایک مجموعہ ہے۔ زمین میں پائے جانے والے مادے (پانی، کھاشیم، لوہا، سوڈیم، کنگسٹین، وغیرہ) کی ترکیب سے انسان بنتا ہے۔ یہ تمام اجزاء ہماری دنیا میں افراط کے ساتھ پائے جاتے ہیں، پھر جن کائناتی اجزاء کی ترکیب سے خالق نے ایک بار انسان کو بنا کر کھڑا کر دیا، انہی کائناتی اجزاء کی ترکیب سے وہ دوبارہ کیوں ایسا نہیں کر سکتا۔

## حاکم کے فرائض

حضرت داؤد پیغمبر بھی تھے اور بادشاہ بھی۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ ان کو خطاب کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا: اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ (حاکم) بنایا ہے۔ تم لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دو اور خواہش کی پیروی نہ کرو وہ تجھ کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔ جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ روز حساب کو بھولے رہے۔ (ص ۲۶)

ایک حاکم ہمیشہ دو چیزوں کے درمیان ہوتا ہے۔ یا تو وہ معاملات کا فیصلہ اپنی چاہت کے مطابق کرے گا یا اصول حق کے مطابق۔ جو حاکم معاملات کا فیصلہ اپنی چاہ اور خواہش کے مطابق کرے وہ راہ سے بھٹک گیا۔ خدا کے یہاں اس کی سخت پکڑ ہوگی۔ اس کے برعکس جو حاکم معاملات کا فیصلہ حق و انصاف کے اصول کا پابند رہ کر کرنے وہی رلور است پر ہے۔ خدا کے یہاں اس کو بے حساب انعامات دئے جائیں گے۔

یہ ہدایات جس طرح ایک حاکم کے لئے ہے اسی طرح وہ عام انسانوں کے لئے بھی ہے۔ ہر انسان کے ساتھ اس کی خواہش لگی ہوئی ہے۔ ہر انسان کے لئے ہر معاملہ میں یہ سوال رہتا ہے کہ وہ اپنی خواہش پر چلے یا حق اور عدل کے اصول کے مطابق اپنی روش کا تعین کرے۔ ایک عام آدمی کی نجات بھی اسی طریقہ کو اختیار کرنے میں ہے جس میں ایک حکمراں کی نجات ہے۔ ہر آدمی کو اپنے دائرہ اختیار میں وہی کرتا ہے جو اس آیت میں با اقتدار حاکم کے لئے بتایا گیا ہے۔

## کائنات کا سبق

اور ہم نے زمین اور آسمان اور جو ان کے درمیان ہے عبث نہیں پیدا کیا، یہ ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے انکار کیا، تو جن لوگوں نے انکار کیا ان کے لئے بربادی ہے آگ سے۔ کیا ہم

ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کی مانند کر دیں گے جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں۔ یا ہم پر ہیزاروں کو ہزاروں جیسا کر دیں گے۔ یہ ایک بابرکت کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں اور تاکہ عقل والے اس سے نصیحت حاصل کریں۔ (ص ۲۷-۲۹)

دنیا کی چیزوں پر غور کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا پورا نظام نہایت حکیمانہ بنیادوں پر قائم ہے حالانکہ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ ایک اللہ شب نظام ہو اور اس میں کوئی بات یقینی نہ ہو۔ دو امکان میں سے ایک مناسب تر امکان کا پایا جانا اس بات کا قرینہ ہے کہ اس دنیا کو پیدا کرنے والے نے اس کو ایک ہا مقصد منصوبہ کے تحت بنایا ہے۔ پھر جو دنیا اپنی ابتداء میں ہا مقصد ہو وہ اپنی انجام میں بے مقصد کیوں کر ہو جائے گی۔

اسی طرح اس دنیا میں ہر آدمی آزاد اور خود مختار ہے۔ مشاہدہ دوبارہ بتاتا ہے کہ لوگوں میں کوئی شخص وہ ہے جو حقیقت کا اعتراف کرتا ہے اور اپنے اختیار سے اپنے آپ کو سچائی اور انصاف کا پابند بناتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں دوسرا شخص وہ ہے جو حقیقت کا اعتراف نہیں کرتا۔ وہ بے قید ہو کر جو چاہے بولتا ہے اور جس طرح چاہے عمل کرتا ہے۔ عقل اس کو تسلیم نہیں کرتی کہ جب یہاں دو قسم کے انسان ہیں تو ان کا انجام یکساں ہو کر رہ جائے۔

دنیا کی اس صورت حال کو سامنے رکھا جائے تو زندگی کے متعلق قرآن کا بیان ہی زیادہ مطابق حقیقت نظر آئے گا۔ کہ ان لوگوں کا بیان جو زندگی کی تشریح اس کے برعکس انداز میں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآن کا ناطی حقیقتوں کے بارے میں ایک خدائی بیان ہے، اور اس بیان کا عین مطابق واقعہ ہونا اس کے حق ہونے کا ایک لازمی ثبوت۔

38-133

جنت کی نعمتیں

یہ نصیحت ہے، اور بے شک اللہ سے ڈرتے والوں کے لئے اچھا مکان ہے، ہمیشہ کے باغ

جن کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوں گے۔ وہ ان میں نیک لگائے بیٹھے ہوں گے۔ اور بہت سے میوے اور مشروبات طلب کرتے ہوں گے۔ اور ان کے پاس شرمیلی ہم سن بیویاں ہوں گی۔ یہ ہے وہ چیزیں جس کا تم سے روز حساب آنے پر وعدہ کیا جاتا ہے۔ یہ ہمارا رزق ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ (ص ۳۹-۵۳)

آخرت میں جنت کے دروازے ان لوگوں کے لئے کھولے جائیں گے جو دنیا میں اپنے دل کے دروازے نصیحت کے لئے کھولے رکھیں۔ جو خدا کے ظہور سے پہلے خدا سے ڈرنے والے بن جائیں۔ یہی وہ خوش نصیب لوگ ہیں جو اگلے دور حیات کی ابدی نعمتوں کے حصہ دار نہیں گے۔ قرآن میں آخرت کی جن نعمتوں کا ذکر ہے وہ سب بظاہر وہی ہیں جو دنیا میں بھی انسان کو حاصل ہوتی ہیں۔ مگر دونوں میں زبردست فرق ہے۔ وہ یہ کہ دنیا میں یہ نعمتیں اپنی واقعی اور ابتدائی شکل میں دی گئی ہیں اور آخرت میں یہ نعمتیں اپنی ابدی اور انتہائی شکل میں دی جائیں گی۔ مزید یہ کہ ان اعلیٰ نعمتوں کے ساتھ ہر قسم کے خوف اور اندیشہ کو حذف کر دیا جائے گا جن کا حذف ہونا موجودہ دنیا میں کسی طرح ممکن نہیں۔

### 38-134

#### انسان اور شیطان

جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔ پھر جب میں اس کو درست کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ پس تمام فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس، کہ اس نے گھمنڈ کیا اور وہ انکار کرنے والوں میں ہو گیا۔ فرمایا کہ اے ابلیس، کس چیز نے تجھ کو روک دیا کہ تو اس کو سجدہ کرے جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔ یہ تو نے تکبر کیا یا تو بڑے درجہ والوں میں سے ہے۔ اس نے کہا کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے۔ فرمایا کہ تو یہاں سے نکل جا، کیوں کہ تو مردود ہے۔ اور تجھ پر میری لعنت ہے جزا کے دن تک۔ (ص ۷۱-۷۸)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک انتہائی خصوصی مخلوق کی حیثیت سے پیدا کیا اور اس کی علامت کے طور پر فرشتوں اور جنوں کو حکم دیا کہ وہ اس کو سجدہ کریں۔ اس کے بعد جب ایسا ہوا کہ ابلیس نے آدم کو سجدہ نہیں کیا تو وہ ہمیشہ کے لئے ملعون قرار دیا گیا۔ مگر اس سنگین واقعہ کی اہمیت صرف ابلیس کے اعتبار سے نہ تھی بلکہ خود آدم کے لئے بھی اس کی بے حد اہمیت تھی۔

آدم کے آگے جھکنے سے انکار کر کے ابلیس ابدی طور پر نسل آدم کا حریف بن گیا۔ اس طرح انسانی تاریخ اول دن سے ایک نئے رخ پر چل پڑی۔ اس واقعہ نے طے کر دیا کہ انسان کے لئے زندگی کا سفر کوئی سادہ بات نہیں ہو گا بلکہ شدید مزاحمت کا سفر ہو گا۔ اس کو ابلیس کے بہکوں اور اس کی پر فریب تدبیروں کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو صحیح راستہ پر قائم رکھنا ہو گا تاکہ وہ سلامتی کے ساتھ اپنی منزل تک پہنچ سکے۔

انسان اور جنت کے درمیان شیطان کی فریب کاریاں حائل ہیں۔ جو شخص شیطان کی فریب کاریوں سے اپنے آپ کو بچائے وہی جنت کے ابدی باغوں میں داخل ہو گا۔ اور جو لوگ شیطان کی فریب کاریوں کا پردہ پھانسنے میں ناکام رہیں وہی وہ لوگ ہیں جو جنت سے محروم رہ گئے۔

39-135

انسان کی گمراہی

اگر اللہ چاہتا کہ وہ بیٹا بنائے تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا جن لیتا، وہ پاک ہے۔ وہ اللہ ہے، اکیلا، سب پر غالب۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔ وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے۔ اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے۔ ہر ایک ایک ٹھہری ہوئی مدت پر چلتا ہے۔ سن لو کہ وہ زبردست ہے، بخشنے والا (الزمر ۵)

آدمی کے اندر فطری طور پر یہ جذبہ ہے کہ وہ خدا کی طرف لپکے۔ وہ خدا کی پرستش کرے۔ شیطان کی کوشش ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اس جذبہ کو خدا کی طرف سے ہٹا کر دوسری طرف موڑ دے۔ اس کے لئے وہ لوگوں کے ذہن میں مختلف شبہات ڈالتا ہے۔ مثلاً یہ کہ خدا کی

بارگاہِ اوبھی ہے۔ تم براہِ راست خدا تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس لئے کہ تم کو بزرگوں کے وسیلہ سے خدا تک پہنچنا چاہئے۔ اسی طرح وہ لوگوں کے ذہن میں یہ عقیدہ بٹھاتا ہے کہ جس طرح انسانوں کی اولاد ہوتی ہے اسی طرح خدا کی بھی اولاد ہے۔ اور خدا کو خوش رکھنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ تم خدا کی اولاد کو خوش رکھو۔ جدید مادہ پرستی بھی اسی کی ایک بگڑی ہوئی صورت ہے جس نے آدمی کے جذبہ پرستش کو خالق سے ہٹا کر مخلوق کی طرف کر دیا ہے۔

اس قسم کی تمام باتیں خدا کی تعصیر ہیں۔ جو خدا شکی نظام کو چلا رہا ہے اور جس نے عظیم کائنات کو سنجال رکھا ہے وہ یقیناً اس سے بلند ہے کہ اس کے یہاں کسی کی سفارش چلے یا اس کے بیٹے بیٹیاں ہوں۔

### 39-138

#### تخلیقی نشانیاں

قرآن میں انسان کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: اللہ نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔ پھر اس نے اس کا جوڑا بنایا۔ اور اسی نے تمہارے لئے زرمادہ چھاپوں کی آٹھ قسمیں اتاریں۔ وہ تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں بنا تا ہے۔ ایک خلقت کے بعد دوسری خلقت، تین تاریکیوں کے اندر۔ سچی اللہ تمہارا رب ہے۔ بادشاہی اسی کی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر تم کہاں سے پھیرے جاتے ہو۔ (الزمر ۶)

اس دنیا میں سب سے پہلے ایک انسان وجود میں آیا ہے۔ پھر عین اس کے مطابق اس کا ایک جوڑا نکالا گیا۔ اس طرح ابتدائی مرد و عورت کے ذریعہ انسانی نسل چلی۔ پھر انسان کی ضرورت کے لئے اس سے باہر اللہ تعالیٰ نے بے شمار چیزیں بنائیں۔ بھیڑ، بکری، اونٹ اور گائے (زرمادہ کو ملا کر آٹھ قسمیں) یہی حیوانات تہذیب کے ابتدائی دور میں ہزاروں سال تک انسان کی معیشت کا ذریعہ بنے رہے۔ اس کے بعد جب تہذیب اگلے مرحلے میں پہنچی تو دوسری بے شمار چیزوں کو انسان نے استعمال کرنا شروع کیا جن کو خدا نے اول روز سے دنیا میں اس لئے دیا تھا کہ

انسان ان کو دریافت کرے اور انہیں اپنے کام میں لائے۔ جس طرح پالتو جانور طبعی طور پر انسان کے لئے مسخر ہیں۔ اسی طرح گیس اور معدنیات بھی مسخر کی ہوئی ہیں، ورنہ انسان ان کو استعمال نہ کر سکے۔ مذکورہ آٹھ قسموں کی مثال بطور علامت ہے نہ کہ بطور حصر۔

انسان کی پیدائش کے سلسلہ میں یہاں جن تین تاریکیوں کا ذکر ہے اس سے مراد تین پردے ہیں۔ اول اپیٹ کی دیوار، پھر رحم مادر کا پردہ، اور پھر جنسین کی بیرونی جھلی:

The mother's abdominal wall, the wall of the uterus, and the amniochorionic membrane.

یہ سارا انتظام اتنا حیرتناک حد تک پیچیدہ اور عظیم ہے کہ خالق کائنات کے سوا کوئی اور ان کو ظہور میں نہیں لا سکتا۔ پھر اس کے سوا کون ہے جس کے سامنے انسان جھکے اور اس کی عبادت کرے۔

39-137

نفسیات کی گواہی

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو پکارتا ہے۔ اس کی طرف رجوع ہو کر۔ پھر جب وہ اس کو اپنے پاس سے نعمت دے دیتا ہے تو وہ اس چیز کو بھول جاتا ہے جس کے لئے وہ پکار رہا تھا اور وہ دوسروں کو اللہ کا برابر ٹھہرانے لگتا ہے تاکہ اس کی راہ سے گمراہ کر دے۔ کہو کہ اپنے کفر سے تھوڑے دن قاعدہ اٹھالے، بے شک تو آگ والوں میں سے ہے۔ بھلا جو شخص رات کی گھڑیوں میں سجدہ اور قیام کی حالت میں عاجزی کر رہا ہو، آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کا امیدوار ہو، کہو، کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ نصیحت تو وہی لوگ پکڑتے ہیں جو عقل والے ہیں۔ (الزمر ۹۸)

ہر آدمی پر ایسے لمحات آتے ہیں جب کہ وہ اپنے آپ کو بے بس محسوس کرنے لگتا ہے۔ وہ جن چیزوں کو اپنا سہارا سمجھ رہا تھا وہ بھی اس نازک مرحلہ میں اس کے مددگار نہیں بنتے۔ اس وقت آدمی سب کچھ بھول کر خدا کو پکارنے لگتا ہے۔ اس طرح مصیبت کی گھڑیوں میں ہر آدمی جان لیتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ مگر مصیبت دور ہوتے ہی وہ دوبارہ پہلے کی طرح بن جاتا ہے۔

انسان کی مزید سرکشی یہ ہے کہ وہ اپنی نجات کو خدا کے سوا دوسری چیزوں کی طرف منسوب کرنے لگتا ہے۔ کچھ لوگ اس کو اسباب کا کرشمہ بتاتے ہیں اور کچھ لوگ فرضی موجودوں کا کرشمہ۔ آدی اگر غلطی کر کے خاموش رہے تو یہ صرف ایک شخص کی گمراہی ہے۔ مگر جب وہ اپنی غلطی کو صحیح ثابت کرنے کے لئے اس کی جھوٹی توجیہہ کرنے لگے تو وہ خود گمراہ ہونے کے ساتھ دوسروں کو گمراہ کرنے والا بھی بنتا۔

ایک انسان وہ ہے جس کو صرف مادی غم بے قرار کرے۔ دوسرا انسان وہ ہے جس کو خدا کی یاد بے قرار کر دیتی ہو، یہی دوسرا انسان دراصل خدا والا انسان ہے۔ اس کا اقرار خدا حالات کی پیدوار نہیں ہوتا، وہ اس کی شعوری دریافت ہوتا ہے۔ وہ خدا کو ایک ایسی برتر ہستی کی حیثیت سے پاتا ہے کہ اس کی امیدیں اور اس کے اندیشے سب ایک ایک خدا کی ذات کے ساتھ وابستہ ہو جاتے ہیں۔ اس کی بے قراریاں رات کے لمحات میں بھی اس کو بستر سے جدا کر دیتی ہیں۔ اس کی تنہائی غفلت کی تنہائی نہیں ہوتی بلکہ خدا کی یاد کی تنہائی بن جاتی ہے۔

علم والا وہ ہے جس کی نفسیات میں خدا کی یاد سے پہلچل پیدا ہوتی ہو۔ اور بے علم والا وہ ہے جس کی نفسیات کو صرف مادی حالات بیدار کریں۔ وہ مادی جھکوں سے جاگے اور اس کے بعد دوبارہ غفلت کی نیند سو جائے۔

39-138

آزمائش کا پرچہ

اور جو لوگ شیطان سے بچنے کے لئے وہ اس کی عبادت کریں اور وہ اللہ کی طرف رجوع ہوئے۔ ان کے لئے خوش خبری ہے۔ تم میرے بندوں کو خوش خبری دے دو جو بات کو غور سے سنتے ہیں۔ پھر اس کے بہتر کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی ہے اور یہی ہیں جو عقل والے ہیں (الزمر ۱۷-۱۸)

موجودہ دنیا فتنہ کی دنیا ہے۔ یہاں حقیقتیں اپنی آخری بے نقاب شکل میں ظاہر نہیں ہوتی

ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں ہر بات کو غلط معنی پہنایا جاسکتا ہے۔ شیطان اسی امکان کو استعمال کر لوگوں کو راہ راست سے بھٹکاتا ہے۔

جب بھی کوئی حق سامنے آتا ہے تو شیطان اس کو غلط معنی پہنا کر لوگوں کے ذہن کو بھیرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ قول کے احسن پہلو سے ہٹا کر قول کے غیر احسن پہلو کو لوگوں کے سامنے لاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں آدمی کا اصل امتحان ہے۔ آدمی کو اس عقل کا ثبوت دینا ہے کہ وہ صحیح غلط کے درمیان تمیز کرے۔ وہ شیطانی فریب کا پردہ پھاڑ کر حقیقت کو دیکھ سکے۔ جو لوگ اس بصیرت کا ثبوت دیں وہی وہ خوش قسمت لوگ ہیں جو خدائی سچائی کو پائیں گے اور جو لوگ اس بصیرت کا ثبوت دینے میں ناکام رہیں، ان کے لئے اس دنیا میں اس کے سوا کوئی اور انجام مقدر نہیں کہ وہ قول کے غیر احسن پہلوؤں میں الجھے رہیں اور خدا کے یہاں شیطان کے پرستار کی حیثیت سے اٹھائے جائیں۔

30-130

### خوش خبری

قرآن میں پیغمبر اسلام کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: کہو کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ بے شک اللہ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کے فرماں بردار بن جاؤ۔ اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آجائے۔ پھر تمہاری کوئی مدد نہ کی جائے گی۔ (الرمر ۵۳-۵۴)

جن لوگوں کے سینے میں حساس دل ہے ان کو جب خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے تو ان کو یہ خیال ستانے لگتا ہے کہ اب تک ان سے جو گناہ ہوئے ہیں ان کا معاملہ کیا ہوگا۔ اسی طرح خدا پرستانہ زندگی اختیار کرنے کے بعد بھی آدمی سے بار بار کو تاہیاں ہوتی ہیں اور اس کی حساسیت دوبارہ اس کو ستانے لگتی ہے۔ حتیٰ کہ یہ احساس بعض لوگوں کو مایوسی کی حد تک پہنچا دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ نے اپنی کتاب میں یہ اعلان فرمایا کہ انہیں یقین کرنا چاہئے کہ ان

کا معاملہ ایک ایسے خدا سے ہے جو غفور و رحیم ہے۔ وہ آدمی کے ماضی کو نہیں بلکہ اس کے حال کو دیکھتا ہے۔ وہ آدمی کے ظاہر کو نہیں بلکہ اس کے باطن کو دیکھتا ہے۔ وہ آدمی سے وسعت کا معاملہ فرماتا ہے نہ کہ خوردہ گیری کا۔ یہی وجہ ہے کہ آدمی جب اس کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ از سر نو اس کو اپنی رحمت کے سایہ میں لے لیتا ہے۔ خواہ اس سے کتنا ہی بڑا قصور کیوں نہ ہو گیا ہو۔

یہ ایک عظیم خوش خبری ہے۔ یہ انسان کو ناامیدی کے غار سے نکال کر امید کی طرف لے جاتی ہے۔ وہ آدمی کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ خدا کو ایک پرہیزگار کی نظر سے نہ دیکھے بلکہ ایک ایسے شفیق خدا کی نظر سے دیکھے جس نے یہ لکھ دیا ہے کہ اس کے غضب پر اس کی رحمت غالب رہے گی۔ یہ اعلان آدمی کے لئے خدا کو اس کے شوق و محبت کے جذبات کا مرکز بنا دیتا ہے۔

### 39-140

#### عبادت الہی

اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔ آسمان اور زمین کی سبھی اسی کے پاس ہیں۔ اور جن لوگوں نے اللہ کی آجوں کا انکار کیا وہی گھانٹے میں رہنے والے ہیں۔ کہو کہ اے نادانو، کیا تم مجھ کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کے لئے کہتے ہو۔ اور تم سے پہلے والوں کی طرف بھی وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا۔ اور تم خسارہ میں رہو گے۔ بلکہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور شکر کرنے والوں میں سے بنو۔ (الزمر ۶۲-۶۶)

کائنات کی موجودگی اس کے خالق کی موجودگی کا ثبوت ہے۔ اسی طرح کائنات جتنے بامعنی اور جس قدر منظم طور پر چل رہی ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہر آن ایک مگرانی کرنے والا اس کی مگرانی کر رہا ہے۔ آدمی اگر سنجیدگی کے ساتھ غور کرے تو وہ کائنات میں اس کے خالق کی نشانی پالے گا اور اسی طرح اس کے تاغم اور مدد کی نشانی بھی۔

ایسی حالت میں جو لوگ ایک خدا کے سوا دوسری ہستیوں کے عبادت گزار بنتے ہیں وہ ایک ایسا عمل کر رہے ہیں جس کی موجودہ کائنات میں کوئی قیمت نہیں۔ کیوں کہ خالق اور وکیل

جب صرف ایک ہے تو اسی کی عبادت آدمی کو قطع دے سکتی ہے۔ اس کے سوا کسی اور کی عبادت کرنا گویا ایسے معبود کو پکارتا ہے جس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں۔

39-141

عظمت الہی

اور لوگوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ اور زمین ساری اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور تمام آسمان لپٹے ہوں گے اس کے داسنے ہاتھ میں۔ وہ پاک اور برتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ اور صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے۔ مگر جس کو اللہ چاہے۔ پھر دوبارہ اس میں پھونکا جائے گا تو نیک ایک سب کے سب ہاتھ کر دیکھنے لگیں گے اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی۔ اور کتاب رکھ دی جائے گی اور عظیم اور گواہ حاضر کئے جائیں گے۔ اور لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔ اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں (الزمر ۶۷-۷۰)۔

اکثر مگر ایہوں کی جڑ خدا کا کتر اندازہ ہے۔ آدمی دوسری عظمتوں میں اس لئے گم ہوتا ہے کہ اس کو خدا کی اتنا عظمت کا پتہ نہیں۔ وہ اپنے اکابر سے وابستگی کو نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے تو اس لئے سمجھتا ہے کہ اس کو معلوم نہیں کہ خدا اس سے زیادہ بڑا ہے کہ وہاں کوئی شخص اپنی زبان کھولنے کی جرأت کر سکے۔ قیامت جب لوگوں کی آنکھ کا پردہ ہٹائے گی تو ان کو معلوم ہوگا کہ خدا تو اتنا عظیم تھا جیسے کہ ترمین ایک چھوٹے سکہ کی طرح اس کی مٹھی میں ہو اور آسمان ایک معمولی کاغذ کی طرح اس کے ہاتھ میں لپٹا ہوا ہو۔

جس طرح امتحان ہال میں امتحان کے ختم ہونے پر الارم بجتا ہے اسی طرح موجودہ دنیا کی مدت ختم ہونے پر صور پھونکا جائے گا۔ اس کے بعد سارا نظام بدل جائے گا۔ اس کے بعد ایک نئی دنیا بنے گی۔ ہماری موجودہ دنیا سورج کی روشنی سے روشن ہوتی ہے۔ جو صرف محسوس مادی اشیاء

کو ہمیں دکھاتی پاتی ہے۔ آخرت کی دنیا براہ راست خدا کے نور سے روشن ہوگی۔ اس لئے وہاں یہ ممکن ہو گا کہ معنوی حقیقتوں کو بھی کھلی آنکھ سے دیکھا جاسکے۔ اس وقت تمام لوگ خدا کی عدالت میں حاضر کئے جائیں گے۔ دنیا میں لوگوں نے پیغمبروں کو اور ان کی جمعیت میں اٹھنے والے داعیوں کو نظر انداز کیا تھا۔ مگر آخرت میں لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ لوگوں کے مستقبل کا فیصلہ وہاں اسی بنیاد پر کیا جا رہا ہے کہ کس نے ان کا ساتھ دیا اور کس نے ان کا انکار کر دیا۔

#### 48-142

#### خدا اور انسان

اور ان کو قریب آنے والی مصیبت کے دن سے ڈرنا جب کہ دل حلق تک آ پہنچیں گے، وہ غم سے بھرے ہوئے ہوں گے۔ ظالموں کا نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات مانی جائے۔ وہ نگاہوں کی چوری کو جانتا ہے اور ان باتوں کو بھی جن کو سینے چھپائے ہوئے ہیں۔ اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا۔ اور جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کرتے۔ بے شک اللہ سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے (المومن ۱۸-۲۰)

موجودہ دنیا میں انسان کو ہر طرح کے مواقع حاصل ہیں۔ وہ آزاد ہے کہ جو چاہے کرے۔ اس سے آدمی غلط فہمی میں پڑ جاتا ہے۔ وہ اپنی موجودہ عارضی حالت کو مستقل حالت سمجھ لیتا ہے۔ حالانکہ یہ مواقع جو انسان کو ملے ہیں وہ بطور امتحان ہیں نہ کہ بطور استحقاق۔ امتحان کی مدت ختم ہوتے ہی موجودہ تمام مواقع اس سے چھن جائیں گے۔ اس وقت انسان کو معلوم ہو گا کہ اس کے پاس عجز کے سوا اور کچھ نہیں جس کے سہارے وہ کھڑا ہو سکے۔

آدمی چاہتا ہے کہ بے قید زندگی گزارے۔ اسی مزاج کی وجہ سے آدمی غیر خدا کو بطور خود خدائی میں شریک بناتا ہے۔ تاکہ اس کے نام پر وہ اپنی بے راہ روی کو جائز ثابت کر سکے۔ مگر قیامت میں جب حقیقت بے پردہ ہو کر سامنے آئے گی تو آدمی جان لے گا کہ یہاں خدا کے سوا کوئی نہ تھا جس کو کسی قسم کا اختیار حاصل ہو۔

40-143

## تاریخ کی گواہی

کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ وہ دیکھتے کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ وہ ان سے بہت زیادہ تھے قوت میں اور ان آثار کے اعتبار سے بھی جو انہوں نے زمین میں چھوڑے۔ پھر اللہ نے ان کے گناہوں پر ان کو پکڑ لیا۔ اور کوئی ان کو اللہ سے بچانے والا نہ تھا۔ یہ اس لئے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے تو انہوں نے انکار کیا۔ تو اللہ نے ان کو پکڑ لیا۔ یقیناً وہ طاقت ور ہے سخت مزادینے والا ہے۔ (المومن ۲۱-۲۲)

دنیا کی تاریخ میں کثرت سے ایسے واقعات ہیں کہ ایک قوم ابھری اور پھر مٹ گئی۔ ایک قوم جس نے زمین پر شاندار تمدن کھڑا کیا آج اس کا تمدن کھنڈر کی صورت میں زمین کے نیچے دبا ہوا پڑا ہے۔ ایک قوم جس کو کسی وقت ایک زندہ واقعہ کی حیثیت حاصل تھی، آج وہ صرف ایک تاریخی واقعہ کے طور پر قابل ذکر سمجھی جاتی ہے۔

اس قسم کے واقعات لوگوں کے لئے معلوم واقعات ہیں۔ مگر لوگوں نے ان واقعات کو ارضی حوادث یا سیاسی انقلابات کے خانہ میں ڈال رکھا ہے۔ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ سب خدائی فیصلے تھے جو سچائی کے انکار کے نتیجے میں ان قوموں پر نازل ہوئے۔ اگر ہم کو وہ نگاہ حاصل ہو جس سے ہم معنوی حقیقتوں کو دیکھ سکیں تو ہم کو نظر آئے گا کہ ہر واقعہ خدا کے فرشتوں کے ذریعہ انجام پاتا تھا، اگرچہ بظاہر دیکھنے والوں کو وہ دعویٰ اسباب کے تحت ہوتا ہوا دکھائی دیا۔

41-144

## کائنات کا جواب

کہو کیا تم لوگ اس ہستی کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو ودون میں بنایا۔ اور تم اس کے ہمسر ٹھہراتے ہو۔ وہ رب ہے تمام جہان والوں کا اور اس نے زمین میں اس کے لوہے پر پھیلانے اور اس میں فائدہ کی چیزیں رکھ دیں۔ اور اس میں اس کی غذائیں ٹھہرائیں چار دن میں۔ پورا ہوا پوچھنے

دنوں کے لئے۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہو اور وہ عموماً تھا پھر اس نے آسمان اور زمین سے کہا کہ تم دونوں آؤ خوشی سے یا ناخوشی سے۔ دونوں نے کہا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔ پھر اس نے دو دن میں اس کے ساتھ آسمان بنائے اور ہر آسمان میں اس کا حکم بھیج دیا۔ اور ہم نے آسمان دنیا کو چرخوں سے زینت دی۔ اور اس کو محفوظ کر دیا۔ یہ عزیز و عظیم کی منصوبہ بندی ہے۔ (حم السجدہ ۹-۱۲)

کائنات کا طبعی مطالعہ بتاتا ہے کہ اس کی تخلیق کئی دوروں میں تدریجی طور پر ہوئی ہے۔ تدریجی تخلیق دوسرے لفظوں میں منصوبہ بند تخلیق ہے۔ اور جب کائنات کی تخلیق منصوبہ بند انداز میں ہوئی ہے تو یعنی ہے کلاس کا ایک منصوبہ ساز ہو جس نے اپنے مقرر منصوبہ کے تحت اس کو ارادہ بنایا ہو۔ اسی طرح یہاں زمین کے اوپر جگہ جگہ پہاڑ ہیں جو زمین کے توازن کو برقرار رکھتے ہیں۔ اس دنیا میں کروڑوں قسم کے ذی حیات ہیں۔ ہر ایک کو الگ رزق درکار ہے۔ مگر ہر ایک کا رزق اس طرح کامل نظم کے ساتھ موجود ہے کہ جس کو جو روزی درکار ہے وہ اپنے قریب ہی اس کو پالینا ہے۔ اسی طرح کائنات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ تمام چیزیں ابتداء منتشر انیم کی صورت میں تھیں۔ پھر وہ جمع ہو کر الگ الگ اشیاء کی صورت میں متشکل ہوئیں۔ اسی طرح کائنات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وسیع کائنات کی تمام چیزیں ایک ہی قانون فطرت میں نہایت محکم طور پر جکڑی ہوئی ہیں۔

یہ مشاہدات واضح طور پر ثابت کرتے ہیں کہ کائنات کا خالق عظیم و خیر ہے۔ وہ قوت اور غلبہ والا ہے۔ پھر دوسرا کون ہے جس کو انسان اپنا معبود قرار دے۔

41-145

کمال کی گواہی

اور جس دن اللہ کے دشمن آگ کی طرف جمع کئے جائیں گے، پھر وہ جدا جدا کئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آجائیں گے۔ ان کے کان ان کی آنکھیں اور ان کی کھال ان پر ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی

دی۔ وہ کہیں گی کہ ہم کو اسی اللہ نے گویائی دی ہے جس نے ہر چیز کو گویا کر دیا ہے۔ اور اسی نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا اور اسی کے پاس تم لائے گئے ہو۔ اور تم اپنے کو اس سے چھپانہ سکتے تھے کہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں تمہارے خلاف گواہی دیں۔ (حم السجدہ ۱۹-۲۲)

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن انسان کی کھال اور اس کے اعضاء اس کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ موجودہ زمانہ میں تعلقِ جلدی (skin speech) کے سائنسی نظریہ نے اس کو واقعاتی طور پر ثابت کر دیا ہے۔ اب خود انسانی علم کے تحت معلوم ہو گیا ہے کہ آدمی کا ہر یوں اس کے جسم کی کھال پر مرتب ہوتا رہتا ہے۔ اور اس کو دوبارہ اسی طرح سنا جاسکتا ہے جس طرح مشینی طور پر ریکارڈ کی ہوئی آواز کو دوبارہ سنا جاتا ہے۔

خدا چونکہ بظاہر دکھائی نہیں دیتا اس لئے انسان سمجھتا ہے کہ خدا اس کو دیکھتا نہیں ہے۔ یہی غلط فہمی آدمی کے اندر سرکش پیدا کرتی ہے۔ اگر آدمی جان لے کہ خدا ہر لمحہ اس کو دیکھ رہا ہے تو اس کا سارا رویہ بالکل بدل جائے۔

#### 41-146

#### خدا کا حق

اور اس کی نشانیوں میں سے ہیں رات اور دن اور سورج اور چاند۔ تم سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے۔ اگر تم اسی کی عبادت کرنے والے ہو۔ پس اگر وہ تکبر کریں تو جو لوگ تیرے رب کے پاس ہیں وہ شب و روز اسی کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ کبھی نہیں جھکتے۔ (حم السجدہ ۳۷-۳۸)

انسان کی سب سے بڑی گمراہی اس کی ظاہر پرستی ہے۔ قدیم زمانہ کے انسان کو سورج اور چاند اور ستارے سب سے زیادہ نمایاں نظر آئے۔ اس لئے اس نے ان مظاہر کو خدا سمجھ لیا اور ان کو پوجتا شروع کر دیا۔ موجودہ زمانہ میں مادی تہذیب کی جگہ گاہٹ لوگوں کو نمایاں دکھائی دے رہی ہے اس لئے اب مادی تہذیب کو وہ مقام دے دیا گیا ہے جو قدیم زمانہ میں سورج اور چاند کو حاصل

تھا۔ حالانکہ خواہ سورج اور چاند ہوں یا دوسرے مظاہر، سب کے سب خدا کی مخلوق ہیں۔ انسان کو چاہئے کہ وہ خالق کا پرستار بنے نہ کہ اس کی مخلوق کا۔

تکبر کرنے والوں کا تکبر و عتوت کے مقابلہ میں نہیں ہوتا، بلکہ وہ ہمیشہ داعی کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ وقت کے بڑوں کو بظاہر داعی اپنے سے چھوٹا نظر آتا ہے اس لئے وہ اس کو چھوٹا سمجھ لیتے ہیں اور اسی کے ساتھ اس کی طرف سے پیش کئے جانے والے پیغام کو بھی۔

#### 41-147

#### بارش کی مثال

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تم زمین کو فرسودہ حالت میں دیکھتے ہو پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھول جاتی ہے۔ بے شک جس نے اس کو زندہ کر دیا وہ مردوں کو بھی زندہ کر دینے والا ہے۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو لوگ ہماری آیتوں کو اٹلے معنی پہناتے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ کیا جو آگ میں ڈالا جائے گا وہ اچھا ہے یا وہ شخص جو قیامت کے دن امن کے ساتھ آئے گا جو کچھ چاہے کر لو۔ بے شک وہ دیکھتا ہے جو تم کر رہے ہو۔ (حم السجدہ ۳۰-۳۱)

سو سبھی زمین میں بارش کا برستا اور اس سے سبزہ کا آگنا ایک ایسا مظہر ہے جو ہر آدمی کے سامنے بار بار آتا ہے۔ یہ ایک معنوی حقیقت کی باری تمثیل ہے۔ اس طرح انسان کو بتایا جاتا ہے کہ خدا نے یہاں اس کے خشک وجود کو سرسبز و شاداب کرنے کا وسیع انتظام کر رکھا ہے۔ زمین کی مٹی پانی کو اپنے اندر جذب کرتی ہے اس کے بعد ہی یہ ممکن ہوتا ہے کہ بارش اس کو سرسبز و شاداب کرنے کا ذریعہ بنے۔ اسی طرح انسان اگر خدا کی ہدایت کو اپنے اندر اترنے دے تو اس کا وجود بھی ہدایت پا کر لہلہا اٹھے گا۔

خدا کی ہدایت سے فیض یاب نہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ انسان خدا کی باتوں میں الخاد (انحراف) کرتا ہے۔ خدا کی رہنمائی اس کے سامنے آتی ہے تو وہ اس کو سیدھے

مفہوم میں نہیں لیتا، بلکہ اس میں میزہ نکال کر اس کو منحرف کر دیتا ہے۔ اس طرح خدا کی رہنمائی اس کے ذہن کا جزء نہیں بنتی۔ وہ اس کی روح کو غذا دینے والی ثابت نہیں ہوتی۔

خدا کی رہنمائی کو سیدھی طرح قبول کرنے والوں کے لئے جنت کا انعام ہے اور خدا کی رہنمائی میں میزہ حاصل نہ کرنے والوں کے لئے جہنم کا عذاب۔

41-148

### آفاق و انفس کی گواہی

ہم ان کو اپنی نکتیاں دکھائیں گے آفاق میں اور خود ان کے اندر بھی۔ یہاں تک کلان پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ قرآن حق ہے۔ اور کیا یہ بات کافی نہیں کہ تیرا رب ہر چیز کا گواہ ہے۔ سن لو، یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات میں شک رکھتے ہیں بن لو، وہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ (حم السجدہ ۵۳-۵۴)

دنیا میں جتنے انسان بڑے بڑے و عموں کے ساتھ اٹھے ہیں، ان سب کی کہانی حال کی کہانی ہے، کسی کی کہانی بھی مستقبل کی کہانی نہیں۔ کسی کا مستقبل بھی اس کے حال کی تصدیق کرنے والا نہ بن سکا۔ اسی دنیا میں تقریباً بیڑھ ہزار سال پہلے یہ پیشین گوئی کی گئی کہ قرآن کے بعد ظاہر ہونے والے واقعات و حقائق قرآن کی تصدیق کرتے چلے جائیں گے۔ قرآن آئندہ آنے والے تمام زمانوں میں اپنی صداقت کو نہ صرف باقی رکھے گا بلکہ مزید واضح اور مدلل کرنا چلا جائے گا۔ قرآن ہمیشہ وقت کی کتاب رہے گا۔

یہ بات حیرت انگیز طور پر صد فی صد درست ثابت ہوئی ہے، علمی تحقیقات، تاریخی واقعات، زمانی انقلابات، سب قرآن کے حق میں جمع ہوتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ آج غیر مسلم محققین بھی گواہی دے رہے ہیں کہ قرآن اپنی نادر خصوصیات کی بنا پر خود اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ خدا کی کتاب ہے۔ کسی انسانی تصنیف میں ایسی ادنیٰ خصوصیات پائی نہیں جاسکتیں۔ اس کھلی ہوئی حقیقت کے باوجود جو لوگ قرآن کی صداقت کے آگے نہ جھکیں وہ صرف یہ ثابت کرتے ہیں کہ ان کی بے خوئی کی نغیسات نے ان کو غیر سنجیدہ بنا دیا ہے۔ کیونکہ غیر سنجیدہ

انسان ہی سے اس قسم کی غیر معقول روش ظاہر ہو سکتی ہے کہ وہ کھلے کھلے شواہد کو دیکھے اور اس کے باوجود اس کا اقرار نہ کرے۔

42-149

بشت محمدی

اور ہم نے اسی طرح تمہاری طرف عربی قرآن اتارا ہے تاکہ تم مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس والوں کو ڈراؤ اور ان کو جمع ہونے کے دن سے ڈرو جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ ایک گروہ جنت میں ہو گا اور ایک گروہ آگ میں (الشوری ۷)

پیغمبر کی دعوت کا اصل نشانہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو اس حقیقت سے آگاہ کر دیا جائے کہ آخر کار وہ خدا کے سامنے حاضر کئے جانے والے ہیں۔ اس کے بعد لوگوں کے عمل کے مطابق کسی کے لئے ابدی جنت کا فیصلہ ہو گا اور کسی کے لئے ابدی جہنم کا۔

رسول اللہ ﷺ اسی حقیقت سے آگاہ کرنے کے لئے آئے۔ آپ کی بشت کے دو دور ہیں ایک براہ راست، دوسرا بالواسطہ۔ آپ کی براہ راست بشت مکہ اور اطراف مکہ کے لئے تھی۔ اس کی تکمیل آپ نے خود اپنی زندگی میں فرمادی۔ آپ کی بالواسطہ بشت بواسطہ امت تمام عالم کے لئے ہے۔ آپ کی یہ دوسری بشت جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے اہل عرب کے سامنے عربی زبان میں اپنا پیغام پہنچایا۔ آپ کے بعد آپ کی امت کو بھی آپ کی نیابت میں اسی اصول پر اپنا دعوتی فریضہ انجام دینا ہے۔ اس کو ہر قوم کے سامنے اس کی اپنی زبان میں حق کا پیغام پہنچانا ہے۔ جب تک کسی قوم کو اس کی اپنی زبان میں پیغام نہ پہنچایا جائے اس پر پیغام رسائی کا حق ادا نہ ہو گا۔

42-150

خدا کی عدالت

اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی امت بنا دیتا۔ لیکن وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں

داخل کرتا ہے اور ظالموں کا کوئی حامی و مددگار نہیں۔ کیا انہوں نے اس کی سوا دوسرے کار ساز بنا رکھے ہیں۔ پس اللہ ہی کار ساز ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جس کسی بات میں تم اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے۔ وہی اللہ میرا رب ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔ (الشوریٰ ۸-۱۰)

انسان کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک غیر معمولی رحمت کا دروازہ کھولا ہے جو کسی اور کے لئے نہیں کھولا۔ وہ ہے خود اپنے ارادہ سے اللہ کی ہدایت کو اختیار کرنا۔ اور اس کے نتیجہ میں اللہ کے غیر معمولی انعام کا مستحق بننا۔ لوگوں کا مختلف راستے اختیار کرنا اسی آزادی کی قیمت ہے۔ یہ اختلاف یقیناً ایک ناپسندیدہ چیز ہے مگر اس قیمتی انسان کو پھیننے کی اس کے سوا کوئی دوسری صورت نہیں۔

خدا نے اگرچہ انسان کو آزاد پیدا کیا ہے۔ مگر اس کی ہدایت کے لئے انسان کے اندر اور اس کے باہر اتنا زیادہ سامان رکھا گیا ہے کہ اگر آدمی واقعہً سنجیدہ ہو تو وہ کبھی غلط راستہ اختیار نہ کرے۔ ایسی حالت میں جو لوگ غلط راستہ اختیار کریں وہ بہت بڑے ظالم ہیں۔ وہ خدا کے یہاں ہر گز معافی کے قائل نہ ٹھہریں گے۔

اہل حق اور اہل باطل کے درمیان دنیا میں جو اختلاف پیدا ہوتا ہے اس کا آخری فیصلہ دنیا میں نہیں ہو سکتا۔ دنیا کا حال یہ ہے کہ یہاں ہر آدمی اپنے موافق الفاظ پالتا ہے، یہاں یہ ممکن ہے کہ جھوٹ کو بھی سچ کے روپ میں ظاہر کیا جاسکے۔ مگر یہ صرف موجودہ زندگی کے مرحلہ تک ہے، جہاں انسان کا مقابلہ انسان سے ہے۔ اگلی زندگی میں انسان کا مقابلہ خدا سے ہو گا۔ وہاں کسی کے لئے یہ ناممکن ہو جائے گا کہ اپنے آپ کو پر فریب الفاظ کے پردہ میں چھپا سکے۔

42-151

دنیا اور آخرت

اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے روزی دیتا ہے۔ اور وہ قوت والا، زبردست ہے۔ جو شخص آخرت کی کھتی چاہے ہم اس کو اس کی کھتی میں ترقی دیں گے۔ اور جو

فخص دنیا کی کھیتی چاہے ہم اس کو اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ (الشوریٰ ۱۹-۲۰)

دنیا کی زندگی امتحان کے لئے ہے۔ یہاں ہر آدمی کو بقدر امتحان ضروری اسباب دئے جاتے ہیں۔ اب جو فخص آخرت پسند ہو وہ موجودہ دنیا کے اسباب کو آخرت کی تعمیر کے لئے استعمال کرے گا اور اس کے نتیجہ میں آخرت میں مزید اضافہ کے ساتھ اپنا انعام پائے گا۔ اس کے برعکس جو فخص دنیا پسند ہو وہ صرف موجودہ دنیا کے پیش نظر عمل کرے گا۔ ایسا فخص موجودہ دنیا میں اپنی محنتوں کا پھل پاسکتا ہے۔ مگر آخرت میں وہ سراسر محروم رہے گا۔ جب اس نے آخرت کے لئے کچھ بچا ہی نہ تھا تو کیسے ممکن ہے کہ آخرت میں اس کو کچھ دیا جائے۔

42-152

### ایمان کی صفات

اور وہ لوگ جو بڑے گناہوں سے اور بے حیائی سے بچتے ہیں اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو وہ معاف کر دیتے ہیں اور جنہوں نے اپنے رب کی دعوت کو قبول کیا اور نماز قائم کیا اور وہ اپنا کام آپس کے مشورہ سے کرتے ہیں۔ اور ہم نے جو کچھ انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ کہ جب ان پر چڑھائی ہوتی ہے تو وہ بدلہ لیتے ہیں۔ اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی۔ پھر جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ چنگ وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو فخص اپنے مظلوم ہونے کے بعد بدلہ لے تو ایسے لوگوں کے اوپر کچھ الزام نہیں۔ الزام صرف ان پر ہے جو لوگوں کے اوپر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے درناک عذاب ہے۔ اور جس فخص نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو بے شک یہ بہت کے کام ہیں۔ (الشوریٰ ۳۷-۴۳)

ایمان جب حقیقی معنوں میں کسی کو حاصل ہوتا ہے تو وہ اس کے اندر انقلاب پیدا کر دیتا ہے۔ اس کے اندر ایک نئی شخصیت ابھرتی ہے۔ یہاں بندۂ خدا کی جن خصوصیات کا ذکر

بے دہ سب وہی ہیں جو اس ایمانی شخصیت کے نتیجے میں کسی کے اندر ظاہر ہوتی ہیں۔

ایسے شخص کے اندر حقیقت واقعہ کے اعتراف کا حراج پیدا ہوتا ہے۔ وہ خدا کے خدا ہونے اور اپنے بندہ ہونے کی حیثیت کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے آگے جھک جاتا ہے۔ خدا کی ایک پکار بلند ہو تو اس کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے کہ وہ اس پر لیک نہ کہے۔ ایمانی شعور اس کو صحیح اور غلط کے بارہ میں حساس بنا دیتا ہے۔ وہ وہی کرتا ہے جو کرنا چاہئے اور وہ نہیں کرتا جو نہیں کرنا چاہئے۔

اپنی حیثیت واقعی کا اعتراف اس کے اندر تواضع پیدا کرتا ہے جو اس سے غصہ، ظلم اور سرکشی کا حراج چھین لیتا ہے۔ یہی تواضع اس کو مجبور کرتا ہے کہ اجتماعی معاملات میں وہ دوسروں کے مشورہ سے فائدہ اٹھائے وہ محض اپنی ذاتی رائے کی بنیاد پر اقدام سے پرہیز کرے۔ دوسروں کے ساتھ اس کا رشتہ خیر خواہی کا ہوتا ہے۔ نہ کہ ضد اور استحصال کا۔

ایسا آدمی دوسروں کے خلاف کبھی جارحیت نہیں کرتا۔ دوسروں کے خلاف وہ جب بھی اقدام کرتا ہے تو دفاع کے طور پر کرتا ہے اور اتنا ہی کرتا ہے جتنا ان کے ظلم کو روکنے کے لئے ضروری ہو۔ وہ عین اشتعال انگیز حالات میں بھی اس کے لئے تیار رہتا ہے کہ لوگوں کو محاف کر دے اور انہوں نے اس کے ساتھ جو برائی کی ہے اس کو بھول جائے۔

بندہ مومن یہ سارے کام اپنے جذبہ ایمان کے تحت کرتا ہے تاہم اللہ اس کی قدر دانی اس طرح فرماتا ہے کہ اس کو اہل ہمت اور اولوالعزم کے خطاب سے نوازتا ہے۔ اور اس کو ابدی نعمتوں کے باغ میں داخل کر دیتا ہے۔

43-153

پیغمبروں کی تاریخ

کیا ہم تمہاری نصیحت سے اس لئے صرف نظر کر لیں گے کہ تم حد سے گزرنے والے ہو اور ہم نے اگلے لوگوں میں کتنے ہی نبی بھیجے۔ اور ان لوگوں کے پاس کوئی نبی نہیں آیا جس کا انہوں

نے مذاق نہ اڑایا ہو۔ پھر جو لوگ ان سے زیادہ طاقت ور تھے ان کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ اور اگلے لوگوں کی مثالیں گذر چکیں (الزخرف ۵-۸)

آج دنیا میں بے شمار ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو پچھلے پیغمبروں کا نام عزت کے ساتھ لیتے ہیں۔ ایسی حالت میں یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ان پیغمبروں کا (شمول پیغمبر اسلام) ان کے ہم زمانہ لوگوں نے مذاق کیوں اڑایا۔

اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ پچھلے لوگ وحشی تھے اور آج کے لوگ مہذب ہیں۔ یہ صرف زمانہ کا فرق ہے۔ آج لمبی مدت گزرنے کے بعد ہر پیغمبر کے ساتھ تاریخی عظمت کا زور شامل ہو چکا ہے۔ اس لئے آج ہر ظاہر میں پیغمبر کو پہچان لیتا ہے۔ مگر پیغمبر اپنی زندگی میں اس پر عظمت تاریخ کے بغیر تھا، اس لئے وہ اپنے زمانہ کے لوگوں کو صرف ایک عام انسان نظر آتا تھا۔ اس وقت پیغمبر کی پیغمبرانہ حیثیت کو پہچاننے کے لئے حقیقت میں نگاہ دور کار تھی۔ اور بلاشبہ حقیقت میں نگاہ دنیا میں ہمیشہ سب سے کم پائی گئی ہے۔

دعوت حق کے مخاطبین خواہ کتنا ہی زیادہ غلط رویہ اختیار کریں، دعویٰ ایک طرفہ طور پر صبر کرتے ہوئے اپنے دعوتی عمل کو جاری رکھتا ہے۔ تا آنکہ وہ وقت آجائے جب کہ خدا اپنی طرف سے دونوں کے درمیان کوئی فیصلہ فرما دے۔

43-154

پیغمبر کا مقصد

اور جب عیسائی کھلی نشتانیوں کے ساتھ آئے۔ انھوں نے کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں اور تاکہ میں تم پر واضح کر دوں بعض باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ بے شک اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا رب بھی۔ تو تم اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ پھر گروہوں نے آپس میں اختلاف کیا۔ پس جاہلی ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے ظلم کیا، ایک دردناک دن کے عذاب سے۔ (الزخرف ۶۳-۶۵)

یہاں حکمت سے مراد دین کی روح ہے اور صراطِ مستقیم سے مراد وہی چیز ہے جس کو آیت میں خدا کا خوف، اس کی عبادت اور رسول کی اطاعت کہا گیا ہے۔ یہی اصل دین ہے۔ یہود نے بعد کو یہ کیا کہ انہوں نے روح دینِ کھودی اور دین کے بنیادی احکام میں موٹکائیوں کے ذریعہ بے شمار نئے نئے مسائل پیدا کئے۔ یہ مسائل آج بھی یہود کی کتابوں میں موجود ہیں۔ انہیں خود ساختہ اضافوں کی وجہ سے ان کے اندر اختلافی فرقے بنے۔ کسی نے ایک اختلافی مسئلہ پر زور دیا، کسی نے دوسرے اختلافی مسئلہ پر۔ اس طرح ان کے یہاں ایک دین کئی دین بن گیا۔ حضرت مسیح اس لئے آئے کہ وہ یہود کو بتائیں کہ دین میں اصل اہمیت روح کی ہے نہ کہ ظواہر کی۔ اور یہ کہ آدمی کو نجات جس چیز پر ملے گی وہ اس دین کی بیرونی پر ملے گی جو خدا نے بھیجا ہے نہ کہ اس دین پر جو تم لوگوں نے بطور خود وضع کر رکھا ہے۔

حضرت مسیح نے بتایا کہ اصل دین یہ ہے کہ تم اللہ سے ڈرو۔ صرف ایک اللہ کے عبادت گزار بنو۔ تمہاری معاملات میں پیغمبر کے نمونہ کی بیرونی کرو۔ اس کے سوا تم نے اپنی بحثوں اور موٹکائیوں سے جو بے شمار مسائل بنا رکھے ہیں وہ تمہارے اپنے اضافے ہیں۔ ان اضافوں کو چھوڑ کر اصل دین پر قائم ہو جاؤ۔ حضرت مسیح کی یہ باتیں آج بھی کسی نہ کسی صورت میں انجیلوں میں موجود ہیں۔

### 43-155

#### شفاعت کا تصور

اور اللہ کے سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ سفارش کا اختیار نہیں رکھتے، مگر وہ جو حق کی گواہی دیں گے اور وہ جانتے ہوں گے۔ اور اگر ان سے پوچھو کہ ان کو کس نے پیدا کیا تو وہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ پھر وہ کہاں بھٹک جاتے ہیں۔ اور اس کے رسول کے اس کہنے کی خبر ہے کہ اے میرے رب، یہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان نہیں لاتے۔ پس ان سے درگزر کرو اور کہو کہ سلام ہے تم کو، عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا۔ (الزخرف ۸۶-۸۹)

قیامت میں پیغمبر اور داعیانِ حق جو شفاعت کریں گے وہ ھدیۃ شفاعت نہیں ہے بلکہ

شہادت ہے۔ یعنی ایسی بات کی گواہی دینا جس کو آدمی ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ آخرت میں جب لوگوں کا مقدمہ پیش ہو گا تو سارے علم کے باوجود اللہ مزید تائید کے طور پر ان لوگوں کو کھڑا کرے گا جو قوموں کے ہم عصر تھے۔ انہوں نے ان کے سامنے حق کا پیغام پیش کیا۔ پھر کسی نے مانا اور کسی نے نہیں مانا۔ کسی نے حق کا ساتھ دیا اور کوئی حق کا مخالف بن کر کھڑا ہو گیا۔ یہی تجربہ جو ان صالحین پر براہ راست گزرا اس کو وہ خدا کے سامنے پیش کریں گے۔ یہ ایسا ہی ہو گا جیسے کہ کوئی گواہ عدالت میں اپنے مشاہدے کی بنیاد پر ایک سچا بیان دے۔ اس کے سوا کسی کو قیامت میں یہ اختیار حاصل نہ ہو گا کہ وہ کسی مجرم کا شافع بن کر کھڑا ہو اور اس کے بارے میں اس خدائی فیصلہ کو بدل دے جو از روئے واقعہ اس کے بارے میں ہونے والا تھا۔ خدا اس سے بہت بلند ہے کہ اس کے حضور کوئی شخص ایسا کرنے کی کوشش کرے۔

دعوت حق کا کام سراسر نصیحت کا کام ہے۔ آخری مرحلہ میں جب کہ داعی پر یہ واضح ہو جائے کہ لوگ کسی طرح ماننے والے نہیں ہیں، اس وقت بھی داعی لوگوں کے لئے خدا سے دعا کرتا ہے۔ لوگوں کی ایذا رسانی پر صبر کرتے ہوئے وہ لوگوں کا خیر خواہ بنا رہتا ہے۔

#### 44-158

#### کائنات کی معنویت

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل کے طور پر نہیں بنایا۔ ان کو ہم نے حق کے ساتھ بنایا ہے۔ لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ بے شک فیصلہ کا دن ان سب کا طے شدہ وقت ہے۔ جس دن کوئی رشتہ دار کسی رشتہ دار کے کام نہیں آئے گا اور ان کی کچھ حمایت کی جائے گی۔ ہاں مگر وہ جس پر اللہ رحم فرمائے بے شک وہ زبردست ہے، رحمت والا ہے۔ (الہ خان ۳۸-۴۲)

زمین و آسمان کے نظام پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تخلیق نہایت با معنی انداز میں ہوئی ہے۔ پوری کائنات ایک مقصد کے تحت عمل کرتی ہے۔ کائنات کے نظام میں اگر

یہ معنویت نہ ہو تو اس دنیا میں انسان کے لئے شاندار تمدن کی تعمیر ناممکن ہو جائے۔

آخرت کا عقیدہ کائناتی معنویت کی توسیع ہے۔ جو کائنات اتنے با معنی انداز میں بنائی گئی ہو، ناممکن ہے کہ وہ سراسر بے معنی طور پر ختم ہو جائے۔ کائنات کی موجودہ معنویت اس بات کا قرینہ ہے کہ وہ ایک با معنی اور با مقصد انجام پر ختم ہونے والی ہے۔ آخرت اسی با معنی اور با مقصد انجام کا دوسرا نام ہے۔

دنیا کا موجودہ مرحلہ آزمائش کا مرحلہ ہے۔ اس لئے آج دنیا کی معنویت میں ہر آدمی اپنا حصہ پارہا ہے۔ مگر جب آخرت آئے گی تو اس وقت کی معنویت میں صرف ان لوگوں کو حصہ ملے گا جو خدا کے نزدیک فی الواقع اس کے مستحق قرار پائیں۔

44-157

### جنت کی دنیا

بے شک خدا سے ڈرنے والے امن کی جگہ میں ہوں گے۔ ہانوں اور چشموں میں۔ ہاریک ریشم اور دیز ریشم کے لباس پہنے ہوئے آنے سانسے بیٹھے ہوں گے۔ یہ بات اسی طرح ہے، اور ہم ان سے بیاہویں گے حوریں بڑی بڑی آنکھ والی۔ وہ اس میں طلب کریں گے ہر قسم کے میوے تہامت اطمینان سے۔ وہ وہاں موت کو نہ چکیں گے مگر وہ موت جو پہلے آچکی ہے اور اللہ نے ان کو جہنم کے عذاب سے بچالیا۔ یہ تیرے رب کے فضل سے ہو گا، یہی ہے بڑی کامیابی (الدرخان ۵۷-۵۸)

ان الفاظ میں انسان کی پسند کی اس دنیا کی تصویر ہے جو اس کے خوابوں میں بسی ہوئی ہے۔ ہر آدمی اپنی پسند کی اس دنیا کو پانا چاہتا ہے۔ مگر موجودہ دنیا میں وہ اس کو حاصل نہیں کر پاتا۔ یہ خوابوں کی دنیا مزید اضافہ کے ساتھ اس کو جنت میں حاصل ہو جائے گی۔

ہر قسم کے ڈر سے خالی یہ دنیا ان لوگوں کو ملے گی جو دنیا میں اللہ سے ڈرتے رہے۔ ابدی نعمتوں سے بھری ہوئی یہ زندگی ان کا حصہ ہوگی جنہوں نے اس کی خاطر دنیا کی وقتی نعمتوں کو

قرآن کیا تھا۔ آخرت کی اس عظیم کامیابی میں وہ لوگ داخل ہوں گے جنہوں نے اس کو پانے کے لئے اپنی دنیا کی کامیابی کو خطرہ میں ڈالنے کا حوصلہ کیا تھا۔

43-138

قرآن کا دعویٰ

یہ تازل کی ہوئی کتاب ہے۔ اللہ غالب، حکمت والے کی طرف سے۔ بے شک آسمانوں اور زمین میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لئے۔ اور تمہارے بنانے میں اور ان حیوانات میں جو اس نے زمین میں پھیلار کھے ہیں۔ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں اور رات اور دن کے آنے جانے میں اور اس رزق میں جس کو اللہ نے آسمان سے اتارا، پھر اس سے زمین کو زندہ کر دیا اس کے مرنے کے بعد، اور ہواؤں کی گردش میں بھی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جن کو ہم حق کے ساتھ تمہیں سنارہے ہیں۔ پھر اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد کون سی بات ہے جس پر وہ ایمان لائیں گے۔ (الچاشہ ۱-۶)

قرآن کا یہ کہنا کہ یہ کتاب عزیز و حکیم خدا کی طرف سے اتری ہے، گویا خود اپنی طرف سے ایک ایسا قطعی معیار دیتا ہے جس پر قرآن کی صداقت کو جانچا جاسکے۔ خدائے عزیز کی طرف سے اس کے اترنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی اس کتاب کو زیر نہ کر سکے گا۔ قرآن ہر حال میں اپنے مخالفین پر غالب آکر رہے گا۔

یہ بات کئی دور میں کبھی گئی تھی۔ اس وقت حالات سر اسر قرآن کے خلاف تھے۔ مگر بعد کی تاریخ نے حیرت انگیز طور پر اس کی تصدیق کی۔ قرآن کی دعوت کو تاریخ کی سب سے بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔

اسی طرح خدائے حکیم کی طرف سے اترنے کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کے مضامین سب کے سب عقل و دانش پر مبنی ہوں۔ یہ بات بھی تقریباً بیڑہ ہزار سال سے مسلسل درست ثابت ہوتی جا رہی ہے، قرآن دور سائنس سے پہلے اترا۔ مگر دور سائنس میں بھی قرآن کی کوئی بات عقل کے

خلاف ثابت نہ ہو سکی۔

اس کے علاوہ جو کائنات انسان کے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے، اس کی تمام چیزیں قرآن کے پیغام کی تصدیق بن گئی ہیں۔ تاہم یہ تصدیق صرف ان لوگوں کے لئے تصدیق ہے جن کے اندر یقین کرنے کا ذہن ہو، جو نشانیوں کی زبان میں ظاہر کی جانے والی بات کو پانے استعداد رکھتے ہوں۔

45-159

حق کو نظر انداز کرنا

خرابی ہے ہر شخص کے لئے جو جھوٹا ہو۔ جو خدا کی آیتوں کو سنتا ہے جب کہ وہ اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں پھر وہ تکبر کے ساتھ اڑا رہتا ہے، گویا اس نے ان کو سنا ہی نہیں۔ پس تم اس کو ایک دردناک عذاب کی خوش خبری دے دو۔ اور جب وہ ہماری آیتوں میں سے کسی چیز کی خبر پاتا ہے تو وہ اس کو مذاق بنا لیتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔ ان کے آگے جہنم ہے اور جو کچھ انہوں نے کمایا وہ ان کے کچھ کام آنے والا نہیں۔ اور نہ وہ جن کو انہوں نے اللہ کے سوا بار گزار دیا۔ اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ یہ ہدایت ہے، اور جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا ان کے لئے سختی کا دردناک عذاب ہے۔ (الچاشیہ ۷۱)

حق کا اعتراف اکثر حالات میں اپنی بڑائی کو کھونے کے ہم معنی ہوتا ہے۔ آدمی اپنی بڑائی کو کھونا نہیں چاہتا۔ اس لئے وہ حق کا اعتراف بھی نہیں کرتا۔ مگر حق کے آگے نہ جھکنا خدا کے آگے نہ جھکنا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے خدا کے یہاں سخت ترین عذاب ہے۔

آدمی اگرچہ تکبر کی بنا پر حق سے اعراض کرتا ہے تاہم اپنے رویہ کے جواز کے لئے وہ نظریاتی دلیل پیش کرتا ہے۔ مگر اس دلیل کی حقیقت جھوٹی لفظی توجیہ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ایسا آدمی کسی چیز کو غلط مفہوم دے کر اس کو شوشہ بناتا ہے۔ وہ اس شوشہ کی بنیاد پر حق کا اور اس کے داعی کا مذاق اڑانے لگتا ہے۔ ایسے لوگ سخت ترین عذاب کے مستحق ہیں۔ کیوں کہ وہ اپنی ہد

عملی پر سرکشی کا اضافہ کر رہے ہیں۔ اس سرکشی پر انہیں جو چیز آبادہ کرتی ہے وہ ان کی دنیوی حیثیت ہے۔ مگر کسی کی دنیوی حیثیت آخرت میں اس کے کچھ کام آنے والی نہیں۔

45-100

### تسمیر کائنات

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کر دیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔ اور اس نے آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا، سب کو اپنی طرف سے۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور کرتے ہیں (الجمائہ ۱۲-۱۳)

پانی بظاہر ڈھانے والی چیز ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے قوانین کا پابند بنایا ہے کہ اتھارہ سمندروں کے اوپر بڑے بڑے جہاز ایک طرف سے دوسری طرف چلتے ہیں اور بحفاظت اپنی منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔ یہی معاملہ پوری کائنات کا ہے۔ کائنات اسی طرح بنائی گئی ہے کہ وہ پوری طرح انسان کے تابع ہے۔ انسان جس طرح چاہے اس کو اپنے فائدے کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔ موجودہ دنیا کی یہی خصوصیت ہے جس کی بنا پر یہ ممکن ہوا ہے کہ یہاں انسان اپنے لئے شاندار حیرت کی تعمیر کر سکے۔

کائنات کا موجودہ ڈھانچہ ہی اس کا آخری اور واحد ڈھانچہ ہے۔ وہ دوسرے بے شمار طریقوں سے بھی بن سکتی تھی۔ مگر مختلف امکانات میں سے وہی ایک امکان واقعہ بنا جو ہمارے لئے مفید تھا۔ یہ ایک نشانی ہے جس میں غور کرنے والے غور کریں تو وہ اس میں اپنے لئے عظیم الشان سبق پائیں گے۔

45-101

### بامعنی انجام

کیا وہ لوگ جنہوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا ہے یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں

کی مانند کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیا۔ ان سب کا جہنم اور مرتا کیساں ہو جائے۔ بہت ہر فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں۔ اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے اور ان پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔ (الہامیہ ۲۱-۲۲)

جو شخص یہ خیال کرے کہ آدمی اچھا بن کر رہے یا برا بن کر، سب برابر ہے۔ آخر کار دونوں ہی کو مر کر مٹ جانا ہے، ایسا آدمی نہایت بے بنیاد خیال اپنے دماغ میں قائم کرتا ہے۔ ایسا سمجھنا اس شعور عدل کے خلاف ہے جو ہر آدمی کی فطرت میں پیدا کئی طور پر موجود ہے۔ نیز یہ کائنات کی اس معنویت کا انکار کرنا ہے جو اس کے نظام کے اندر کمال درجہ میں پائی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی اندرونی فطرت اور اس کے باہر کی وسیع کائنات دونوں اس کو سرسیر باطل ثابت کرتے ہیں کہ زندگی کو ایک ایسی بے مقصد چیز سمجھ لیا جائے جس کا کوئی انجام سامنے آنے والا نہیں۔

45-192

بحرمانہ ذہن

پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے تو ان کا رب ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا جیسی کھلی کامیابی ہے۔ اور جنہوں نے انکار کیا، کیا تم کو میری آیتیں پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں۔ پس تم نے تکبر کیا اور تم مجرم لوگ تھے۔ اور جب کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہے، ہم تو بس ایک گمان سادہ کہتے ہیں، اور ہم اس پر یقین کرنے والے نہیں۔ (الہامیہ ۳۰-۳۲)

تکبر سے مراد خدا کے مقابلہ میں تکبر نہیں ہے بلکہ خدا کے دائمی کے مقابلہ میں تکبر ہے۔ خدا کی بات کو ماننا موجودہ دنیا میں بظاہر خدا کے دائمی کی بات کو ماننے کے ہم معنی ہوتا ہے۔ اب جو لوگ تکبر میں جھلا ہوں وہ اس کو اپنے مرتبہ سے کم تر سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے جیسے ایک انسان کی بات مان لیں۔ چنانچہ وہ اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ تکبر کی نفسیات

سے خالی ہوں وہ فوراً اس کے آگے جھک جاتے ہیں۔ پہلے گردہ کے لئے خدا کا غضب ہے اور دوسرے گردہ کے لئے خدا کی رحمت۔

ایک انسان جب حق کا انکار کرتا ہے تو اپنے انکار کو جائز ثابت کرنے کے لئے وہ طرح طرح کی باتیں کرتا ہے۔ وہ کبھی داعی کو ناقابل اعتماد ثابت کرتا ہے۔ کبھی داعی کے پیغام میں شک و شبہ کا پہلو نکالتا ہے۔ مگر قیامت کے دن کھل جائے گا کہ یہ سب مجربانہ ذہن سے نکل ہوئی باتیں تھیں نہ کہ حق پرستانہ ذہن سے نکل ہوئی باتیں۔

45-183

### علم کی دو قسمیں

کہو کہ کیا تم نے ان چیزوں پر غور کیا جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین میں کیا بتایا ہے۔ یا ان کا آسمان میں کچھ سا جماع ہے۔ میرے پاس اس سے پہلے کی کوئی کتاب لے آؤ یا کوئی علم جو چلا آتا ہو، اگر تم سچے ہو۔ اور اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہو گا جو اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارتے جو قیامت تک اس کا جواب نہیں دے سکتے۔ اور ان کو ان کے پکارنے کی بھی خبر نہیں۔ اور جب لوگ اکٹھا کئے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور وہ ان کی عبادت کے منظر بن جائیں گے۔ (الاحقاف ۶۴)

علم ھیچہٴ صرف دو ہے۔ ایک الہامی علم (revealed knowledge)۔ یعنی وہ علم جو پیغمبروں کے ذریعہ سے انسانوں تک پہنچا۔ دوسرا بت شدہ علم (established knowledge) یعنی وہ علم جس کا علم ہونا انسانی تحقیقات اور تجربات سے ثابت ہو گیا ہو ان کو دوسرے لفظوں میں، نقلی علم اور عقلی علم کہہ سکتے ہیں۔

ان دونوں میں سے کوئی بھی علم یہ نہیں جانتا کہ اس کائنات میں ایک خدا کے سوا کوئی اور ہستی ہے جو خدائی کے لائق ہے۔ اور جب علم کے دو ذریعوں میں سے کوئی ذریعہ شرک کی گواہی دے تو شرکانہ عقیدہ انسان کے لئے کیوں کر درست ہو سکتا ہے۔ جو شخص خدا کو چھوڑ کر کسی

اور چیز کو اپنا سہارا بنائے وہ سہارا آخرت کے دن اس سے برأت کرے گا نہ کہ وہ اس کا مددگار بنے۔

48-184

### آسانی کتابیں

اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب تھی رحمت اور رحمت۔ اور یہ ایک کتاب ہے جو اس کو سچا کرتی ہے۔ عربی زبان میں، تاکہ وہ ان لوگوں کو ڈرائے جنہوں نے ظلم کیا۔ اور وہ خوش خبری ہے نیک لوگوں کے لئے۔ بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ اس پر جسے رہے تو ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ ممکن ہوں گے۔ یہی لوگ جنت والے ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے، ان اعمال کے بدلے جو وہ دنیا میں کرتے تھے (الاحقاف ۱۲-۱۳)

قرآن میں اور دوسری آسانی کتابوں میں ایک فرق یہ ہے کہ کچھ آسانی کتابیں اپنے بعد ایک اور کتاب کی اور اسی طرح ایک اور نبی کے آنے کی خبر دیتی ہیں جب کہ قرآن صاف طور پر اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ وہ آخری آسانی کتاب ہے، پیغمبر اسلام کے بعد کوئی اور پیغمبر آنے والا نہیں۔ اس لئے یہ بھی ممکن نہیں کہ قرآن کے بعد کوئی اور کتاب آسان سے نازل ہو۔

یہ فرق اپنے آپ ثابت کرتا ہے کہ کچھ آسانی کتابوں کی حیثیت انسان کے لئے آخری ہدایت نامہ کی نہیں۔ یہ کتابیں صرف کچھ قافلہ انسانی کے لئے تھیں۔ قرآن کے نزول کے بعد ان کا دور ہدایت ختم ہو گیا۔ اب انسان جس دور ہدایت میں ہے اس میں انسان کے لئے صرف ایک ہی کتاب ہدایت الہی کا ماخذ ہے۔ یہ کتاب قرآن ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ قرآن کچھ آسانی کتابوں کے لئے تاریخ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی ان کے دور کو منسوخ کر دینے والا۔

48-185

### نظرت کا نظام

اور ہم نے انسان کو حکم دیا کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرے۔ اس کی ماں نے تکلیف کے ساتھ اس کو پیٹ میں رکھا۔ اور تکلیف کے ساتھ اس کو جٹا۔ اور اس کا دودھ چھڑانا

تیس مہینے میں ہوا۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی پختگی کو پہنچا اور چالیس برس کو پہنچ گیا تو وہ کہنے لگا کہ اے میرے رب، مجھے توفیق دے کہ میں تیرے احسان کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر کیا اور میرے ماں باپ پر کیا اور یہ کہ میں وہ نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو۔ اور میری اولاد میں بھی مجھ کو نیک اولاد دے۔ میں نے تیری طرف رجوع کیا اور میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔ یہ لوگ ہیں جن کے اچھے اعمال کو ہم قبول کریں گے اور ان کی برائیوں سے درگزر کریں گے۔ وہ اہل جنت میں سے ہوں گے۔ سچا وعدہ جو ان سے کیا جاتا تھا۔ (الاحقاف ۱۵-۱۶)

انسانی نسل کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی ایک ماں اور ایک باپ کے ذریعہ وجود میں آتا ہے جو اس کی پرورش کر کے اس کو بڑا بناتے ہیں۔ یہ گویا انسان کی تربیت کا فطری نظام ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ اس کے ذریعہ سے انسان کے اندر حقوق اور فرائض کا شعور پیدا ہو۔ اس کے اندر یہ جذبہ پیدا ہو کہ اسے اپنے محسن کا احسان ماننا ہے اور اس کا حق ادا کرنا ہے۔ یہ جذبہ بیک وقت انسان کو دوسرے انسانوں کے حقوق ادا کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اسی کے ساتھ خالق و مالک خدا کے عظیم تر حقوق کو ادا کرنے کی تعلیم بھی۔

جو لوگ فطرت کے معلم سے سبق لیں جو لوگ اپنے شعور کو اس طرح بیدار کریں کہ وہ اپنے والدین سے لے کر اپنے خدا تک ہر ایک کے حقوق کو پہچانیں اور ان کو ٹھیک ٹھیک ادا کریں۔ وہی وہ لوگ ہیں جو آخرت میں خدا کی ابدی رحمتوں کے مستحق قرار دیئے جائیں گے۔

48-198

طیبات دنیا، طیبات آخرت

اور ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کے اعتبار سے درجے ہوں گے۔ اور تاکہ اللہ سب کو ان کے اعمال پورے کر دے اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ اور جس دن انکار کرنے والے آگ کے سامنے لائے جائیں گے۔ تم اپنی اچھی چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے اور ان کو برت چکے تو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی، اس وجہ سے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ تم

نا فرمائی کرتے تھے (الاحقاف ۱۹-۲۰)

ایک شخص کے سامنے حق آتا ہے اور وہ دنیوی مصلحت اور مادی مفاد کی خاطر اس کو اختیار نہیں کرتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو اہمیت دی۔ اس نے طہیاتِ آخرت کے مقابلہ میں طہیاتِ دنیا کو اپنے لئے پسند کر لیا۔

اسی طرح اپنی بڑائی کا احساس آدمی کے لئے بے حد لذیذ چیز ہے۔ جب ایسا ہو کہ اپنی بڑائی کا گھروند اتوڑ کر حق کو قبول کرنا ہو اور آدمی اپنی بڑائی کو بچانے کے لئے حق کو قبول نہ کرے، اس وقت بھی گویا اس نے طہیاتِ دنیا کو ترجیح دی اور طہیاتِ آخرت کو ناقابلِ لحاظ سمجھ کر چھوڑ دیا۔

ایسے تمام لوگ جنہوں نے دنیا کی طہیات کی خاطر آخرت کی طہیات کو نظر انداز کیا وہ آخرت میں ذلت کے عذاب ہے دوچار ہوں گے۔ جس کا عمل جس درجہ کا ہو گا اسی کے بقدر وہ اپنے عمل کا انجامِ آخرت میں پائے گا۔

قرآن کی اس آیت میں ”طہیات“ سے مراد دولت اور اقتدار سے لے کر شہرت اور مقبولیت تک تمام وہ چیزیں ہیں جن کو انسان پسند کرتا ہے۔ اس طرح اس کا تعلق انسان کے ہر قول و عمل سے ہو جاتا ہے۔ جب بھی انسان کے سامنے ایک صورت حال ہو مگر اس میں وہ خدا کی پسندیدہ روش کو اس لئے اختیار نہ کرے کہ ایسا کرنے سے اس کا دنیا کا مفاد یا اس کی دنیوی مصلحتیں بمرحوم ہوں گی تو گویا کہ اس نے طہیاتِ آخرت کو نظر انداز کیا اور طہیاتِ دنیا کو لے لیا۔ اس قسم کی روش چونکہ دنیا میں آدمی کو بظاہر کامیاب بناتی ہے اس لئے وہ سمجھتا ہے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں ٹھیک کر رہا ہوں۔ لیکن موت جب اس کی نگاہ سے غفلت کا پردہ ہٹائے گی تو اچانک وہ محسوس کرے گا کہ اس نے ایک حقیر چیز کی خاطر کتنے بڑے فائدے کو کھو دیا۔

47-187

دلیل یا جھوٹی توجیہ

کیا وہ اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل (بیعت) پر ہے۔ وہ اس کی طرح ہو جائے گا

جس کی بد عملی اس کے لئے خوشنما بنا دی گئی ہے اور وہ اپنی خواہشات پر چل رہے ہیں۔ جنت کی مثال جس کا وعدہ ڈرنے والوں سے کیا گیا ہے، اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں نہریں ہیں ایسے پانی کی جس میں تغیر نہ ہو گا اور نہریں ہوں گی شہد کی جو بالکل صاف ہو گا۔ اور ان کے لئے وہاں ہر قسم کے پھل ہوں گے۔ اور ان کے رب کی طرف سے بخشش ہوگی۔ کیا یہ لوگ ان جیسے ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور ان کو کھولتا ہو پانی پینے کے لئے دیا جائے گا، پس وہ ان کی آستوں کو نکلے نکلے کر دے گا۔ (عمر ۱۳-۱۵)

دلیل (بینۃ) پر کھڑا ہونا اپنی زندگی کی تعمیر حقیقت واقعہ کی بنیاد پر کرتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص اہواء (اپنی خواہشات) پر کھڑا ہوتا ہے وہ حقیقت واقعہ سے انحراف کرتا ہے، وہ خدا کی دنیا میں خدا کی مرضی کے خلاف اپنی دنیا بنانا چاہتا ہے۔

موجودہ امتحان کی دنیا میں دونوں گروہ بظاہر یکساں مواقع پارہے ہیں۔ مگر آخرت کی حقیقی دنیا میں صرف پہلا گروہ خدا کی اہدی نعمتوں میں حصہ پائے گا اور دوسرا گروہ ہمیشہ کے لئے ذلیل اور ناکام ہو کر رہ جائے گا۔

حق انتہائی واضح ہے۔ تمام ولیلیں اسی کی تائید کرتی ہیں۔ اس کے باوجود کیوں ایسا ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ حق کو چھوڑ کر ناحق کو اختیار کر لیتے ہیں۔ اس کا سبب دلیل کا اجراع نہیں ہے بلکہ خواہش کا اجراع ہے۔ لوگوں کے لئے ان کی خواہشات محبوب ہوتی ہیں۔ اپنی خواہشات کو چھوڑنا انہیں گوارا نہیں ہوتا۔ اس لئے واضح دلائل کے باوجود لوگ حق کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور اپنی خواہشوں کے پیچھے دوڑتے رہتے ہیں۔ یہاں شیطان آدمی کی مدد کرتا ہے۔ وہ خوشنما تو جیہات کے ذریعہ آدمی کو اس جہنم میں مبتلا کر دیتا ہے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں وہی درست ہے۔

49-188

رسول اور اصحاب رسول

قرآن میں پیغمبر اور آپ کے ساتھیوں کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ: محمد اللہ کے

رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ منکروں پر سخت ہیں اور آپس میں مہربان ہیں تم ان کو رکوع میں اور سجدہ میں دیکھو گے۔ وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی کی طلب میں لگے رہتے ہیں۔ ان کی نشانی ان کے چہروں پر ہے سجدہ کے اثر سے، ان کی یہ مثال تورات میں ہے۔ اور انجیل میں ان کی مثال یہ ہے کہ جیسے کھیتی، اس نے اپنا اکھو اکھلا، پھر اس کو مضبوط کیا، پھر وہ اور موٹا ہوا، پھر اپنے تئیں پر کھڑا ہو گیا، وہ کسانوں کو بھلا لگتا ہے۔ تاکہ ان سے کافروں کو جلائے۔ ان میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ نے ان سے معافی کا اور بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔ (الفتح ۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں۔ یہ صرف ایک واقعہ کا بیان نہیں ہے بلکہ وہ اس کی دلیل بھی ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب بھی کسی نے یہ اعلان کیا کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو وہ واقعہ اللہ کا رسول تھا۔ پیغمبر اسلام سے پہلے یا پیغمبر اسلام کے بعد کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی شخص جو اللہ کا رسول نہ ہو وہ اپنی زبان سے یہ جملہ بولے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کہنا کہ ”میں اللہ کا رسول ہوں“ اتنا زیادہ مشکل ہے کہ یہ جملہ صرف وہی شخص بولے گا جو واقعہ اللہ کا رسول ہوگا، کوئی غیر رسول یہ جملہ بولنے کی ہمت ہی نہیں کر سکتا۔ اور نہ کبھی تاریخ میں کسی نے اس قسم کی جرأت کی۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الرسالہ مدارج ۲۰۰۰۔

یہی اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ خدا کے آخری پیغمبر تھے۔ آپ کے بعد جب کوئی شخص یہ نہ کہہ سکا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں تو آپ کا دعویٰ غیر متاثرہ طور پر اپنے آپ تاریخ میں قائم ہے۔ آپ کو خاتم الرسل ثابت کرنے کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ اور جو لوگ رسول کے ساتھ ہیں۔ یہ بظاہر ایک سادہ جملہ ہے جو اصحاب رسول سے متعلق ہے۔ لیکن جب اس پر غور کیا جائے کہ یہ اولین لوگ کیسے پیغمبر اسلام کے ساتھی بنے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض ایک سادہ جملہ نہیں بلکہ اس کے اندر ایک انتہائی اہم حقیقت چھپی ہوئی ہے۔ اسلام کے دور اول میں پیغمبر کی تصویر، قرآن کے الفاظ میں صرف ایک بشر جیسی تھی۔ وہ لوگوں کو بس محمد بن عبد اللہ کے روپ میں دکھائی دیتے تھے۔ لیکن آج آپ کے نام کے ساتھ

اتنی زیادہ تاریخی عظمتیں جمع ہو چکی ہیں کہ ایک غیر مسلم محقق بھی مجبور ہے کہ آپ کو تمام پیدا ہونے والے انسانوں میں سب سے بڑا انسان قرار دے۔ گویا آپ کے ابتدائی پیروؤں نے ”محمد بدون تاریخ“ میں آپ کے رسول خدا ہونے کی حقیقت کو دریافت کیا۔ جب کہ آج کا ایک شخص ”محمد بشمول تاریخ“ میں آپ کے رسول خدا ہونے کا اعتراف کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کے اولین پیروؤں نے آپ کے رسول خدا ہونے کو اس وقت مانا جب کہ آپ اپنی اضافی حیثیت کے بغیر مجرد روپ میں ان کے سامنے ظاہر ہوئے تھے۔ جب کوئی شخص اس طرح پیغمبر کو اس کی اضافی نسبتوں کے بغیر مجرد روپ میں جان لے تو ایسے آدمی کا ایمان ایک گہری معرفت پر مبنی ہوتا ہے۔ وہ اس کے لئے ایک عظیم دریافت (Discovery) کے ہم معنی ہوتا ہے۔ ایسی دریافت آدمی کے پورے وجود میں ایک مکمل فکری اور روحانی انقلاب برپا کر دیتی ہے۔ اس انقلاب کے بعد اس کی جو شخصیت بنتی ہے، اس کا ذکر آیت کے اگلے الفاظ میں کیا گیا ہے۔

پیروان رسول کی ایک صفت یہ بتائی گئی کہ وہ منکروں پر (اشداء علی الکفار) ہیں۔ یہاں سخت یا شدید کا مطلب کڑا پن یا درستی نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ غیر اہل اسلام کی غیر اسلامی باتوں کا اثر قبول نہیں کرتے۔ عربی میں کہا جاتا ہے: هو شدید علی۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ میرے ساتھ سخت معاملہ کرتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ میرا اثر قبول نہیں کرتا۔ مومن ایک با اصول انسان ہوتا ہے۔ وہ بے اصول لوگوں یا مفاد پرستی کے علمبرداروں سے غیر متاثر ہو کر رہتا ہے۔ وہ خود اپنے طے کردہ اصولوں کی روشنی میں اپنی زندگی کی تعمیر کرتا ہے۔ وہ کبھی کسی خلاف حق رواج کا اثر قبول نہیں کرتا۔

وہ آپس میں مہربان ہیں (وحماء بینہم)۔ لوگوں سے مہربانی کے ساتھ پیش آنا انصافیت کا اعلیٰ ترین تقاضہ ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اہل ایمان اپنے لوگوں سے معاملہ کرتے ہوئے رجم و شقیق ہوں۔ اور جب دوسروں سے معاملہ پیش آئے تو وہ ان کے ساتھ اس

کے برعکس عمل کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ رحمت و شفقت اہل ایمان کی ایک مستقل اور عمومی صفت ہے جو ایک کے مقابلہ میں ظاہر ہوتی ہے، خواہ وہ اپنا ہویا کوئی غیر۔

آپس میں مہربان ہونے کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے فرمایا کہ آپس میں مہربان ہونا نسبتاً زیادہ مشکل کام ہے۔ جو آدمی اپنوں کے ساتھ رحمت و شفقت کا معاملہ کرے وہ غیروں کے ساتھ بھی ضرور رحمت و شفقت کا معاملہ کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے لوگوں کے درمیان ہمیشہ ملنا جانا زیادہ ہوتا ہے۔ ان سے زیادہ معاملات پیش آتے ہیں۔ لیکن دین کی عملی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے اپنے لوگوں سے اکثر شکایت اور نزاع پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا کہ غیروں کے مقابلہ میں شفقت کا معاملہ اگر سادہ طور پر صرف شفقت کرنے کا معاملہ ہے تو اپنوں کے مقابلہ میں شفقت کا معاملہ شکایت اور نزاع کے باوجود شفقت کا معاملہ۔ اپنوں کے مقابلہ میں رحیم ثابت ہونا زیادہ بڑی جانچ میں پورا ہوتا ہے۔ اور یہ ایک فطری بات ہے کہ جو آدمی بڑی جانچ میں پورا ہوتا ہے وہ چھوٹی جانچ میں بدرجہ کوئی پورا ہوتا ہے۔

تم ان کو رکوع میں اور سجدہ میں دیکھو گے۔ یہ اہل ایمان کی اس کیفیت کی تصویر ہے جو ان کے اندر خدا کی نسبت سے پیدا ہوتی ہے۔ خدا پر ایمان ان کے لئے خدا کی عظمت کی دریافت کے ہم معنی ہوتا ہے۔ یہ دریافت ان کے سینہ کو خشوع اور تواضع سے بھر دیتی ہے۔ اس کا مظاہرہ بار بار صلات اور رکوع اور سجود کی صورت میں ہوتا رہتا ہے۔

وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی کی طلب میں لگے رہتے ہیں۔ ایمان آدمی کے اندر یہ شعور پیدا کرتا ہے کہ ساری طاقتیں صرف ایک خدا کے پاس ہیں۔ وہ دینے والا ہے اور انسان اس سے پانے والا۔ یہ شعور اس کی زندگی میں اس طرح داخل جاتا ہے کہ وہ ہر چیز کو خدا کا فضل سمجھنے لگتا ہے۔ اس کی ہر سرگرمی خدا کی خوشنودی کی تلاش میں بدل جاتی ہے۔

ان کی ننگائی ان کے چہروں پر ہے سجدہ کے اثر سے۔ یہ ایک فطری حقیقت ہے کہ آدمی کی اندرونی کیفیت اس کے چہرے پر نمایاں ہوتی ہے۔ آدمی اندر سے خوش ہے یا غمگین،

دونوں حالتوں میں اس کا چہرہ اس کی داخلی حالت کی عکاسی کرتا ہے۔ اسی طرح جب ایک شخص حقیقی معنوں میں سجدہ گزار ہو، اس کا وجود ایمان کی کیفیات سے بھر گیا ہو تو اس کے چہرے پر اس کے اثرات اسی طرح ظاہر ہو جائیں گے کہ دیکھنے والا اس کے ظاہر سے اس کے باطن کو پڑھ سکے۔ یہ اہل ایمان کی انفرادی خصوصیات ہیں جن کا ذکر عقلی طور پر تورات میں کیا گیا تھا۔ اصحاب رسول کی یہ صفت موجودہ تبدیل شدہ تورات میں قدسیوں (Saints) کے لفظ کی صورت میں پائی جاتی ہے۔ (کتاب استثناء باب ۳۳)

انجیل (مرقس، باب ۳) میں اس گروہ کے اجتماعی اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس اجتماعی خصوصیت کو مذکورہ قرآنی آیت کے آخر میں کھتی یا زرعی فصل کی تشبیل کے ذریعہ اس طرح بتایا گیا ہے کہ سچے اہل اسلام خدا کی زمین میں درخت کی طرح اگتے اور بڑھتے ہیں۔ وہ پودے سے آواز کر کے ہر ابھرا باغ بن جاتے ہیں۔ اہل اسلام کا گروہ پودے کی صورت میں ایک ابتدائی مقام سے ابھرتا ہے۔ پھر وہ بڑھتے بڑھتے ایک طاقتور درخت بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا استحکام اس درجہ کو پہنچ جاتا ہے کہ اہل حق اس کو دیکھ کر خوش ہوں اور اہل باطل غیظ و حسد میں مبتلا ہو کر رہ جائیں کہ چاہنے کے باوجود وہ اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔

آیت کے آخری کلمے میں بتایا گیا ہے کہ جو لوگ مذکورہ انفرادی اور اجتماعی صفات میں پورے اثر میں ان کے لئے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ان کو مغفرت اور اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ یہاں مغفرت سے مراد آخرت کی کامیابی ہے اور اجر عظیم سے مراد دنیا کی کامیابی۔ آخرت کی کامیابی انہیں جنت کی صورت میں ملے گی اور دنیا کی کامیابی ملی و قار اور فکری طلبہ کی صورت میں۔

49-181

خط حراج

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لائے تو تم اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔ کس ایسا ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانی سے کوئی نقصان پہنچاؤ، پھر تم کو اپنے کئے پر کچھ بتانا پڑے، اور

جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ کا رسول ہے۔ اگر وہ بہت سے معاملات میں تمہاری بات مان لے تو تم بڑی مشکل میں پڑ جاؤ لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے دلوں میں مرغوب بنا دیا، اور کفر اور فسق اور نافرمانی سے تم کو متنفر کر دیا۔ ایسے ہی لوگ اللہ کے فضل اور انعام سے راستہ پر ہیں۔ اور اللہ جاننے والا، حکمت والا ہے (الْحَجْرَات ۶-۸)

ایک آدمی کو اگر کوئی ایسی خبر ملے جس میں اس آدمی پر کوئی الزام آتا ہو تو ایسی خبر کو محض سن کر مان لینا ایمانی احتیاط کے سراسر خلاف ہے۔ سننے والے پر لازم ہے کہ وہ اس کی ضروری تحقیق کرے، اور جو رائے قائم کرے، غیر جانب دارانہ تحقیق کے بعد کرے نہ کہ تحقیق سے پہلے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی بری خبر ایک شخص کو ملتی ہے تو فوراً ہی اس کو مان کر اس کے خلاف جو اپنی اقدام کا منصوبہ بنانے لگتا ہے۔ یہ سخت غیر ذمہ داری کی بات ہے نہ کسی آدمی کو ایسی خبر پر قہر از تحقیق کوئی رائے قائم کرنا چاہئے اور نہ دوسروں کو قہر از تحقیق اقدام کا مشورہ دینا چاہئے۔ جو لوگ واقعی ہدایت کے راستہ پر آجائیں ان کے اندر انتہائی عظام مزاج پیدا ہو جاتا ہے۔ دوسروں پر الزام تراشی سے انہیں نفرت ہو جاتی ہے۔ غیر تحقیق بات پر بولنے سے زیادہ وہ اس پر چپ رہتا پسند کرتے ہیں۔ ان کا یہ مزاج اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ ان کو خدا کی رحمتوں سے حصہ ملا ہے۔ وہ ایمان فی الواقع ان کی ذمہ گدوں میں اترا ہے جس کا وہ اپنی زبان سے اقرار کر رہے ہیں۔

48-178 .

### نزاع کے وقت

اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان کے درمیان صلح کرو۔ پھر اگر ان میں کا ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پھر اگر وہ لوٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرو اور انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مسلمان سب بھائی بھائی ہیں، پس اپنے بھائیوں کے درمیان ملاپ کرو اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے (الْحَجْرَات ۹-۱۰)

مسلمان آپس میں کس طرح رہیں، اس کا جواب ایک لفظ میں یہ ہے کہ وہ اس طرح رہیں جس طرح بھائی بھائی آپس میں رہتے ہیں۔ دینی رشتہ خوبی رشتہ سے کسی طرح کم نہیں۔ اگر دو مسلمان آپس میں لڑ جائیں تو بقیہ مسلمانوں کو ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ وہ ان کے درمیان مزید آگ بھڑکائیں۔ بلکہ انہیں بھائیوں والے جذبہ کے تحت دونوں کے درمیان مصالحت کے لئے اٹھ جانا چاہئے۔

دو مسلمان جب آپس میں لڑ جائیں تو ایک صورت یہ ہے کہ بقیہ مسلمان غیر جانبدار بن جائیں۔ یا اگر وہ دخل دیں تو اس طرح کہ خاندانی اور گروہی مصیبت کے تحت ایٹوں سے مل کر تیروں سے لڑنے لگیں۔ یہ تمام طریقے بقیہ اسلام کے خلاف ہیں۔ صحیح اسلامی طریقہ یہ ہے کہ اصل معاملہ کی تحقیق کی جائے اور جو شخص حق پر ہو اس کا ساتھ دیا جائے اور جو شخص ناحق پر ہو اس کو مجبور کیا جائے کہ وہ معاملہ کے منصفانہ فیصلہ پر راضی ہو۔

اللہ سے ڈرنے والا آدمی کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ دوسروں کو لڑتے ہوئے دیکھ کر اس سے لذت لے۔ وہ ایسے منظر کو دیکھ کر ترپے گا۔ اس کا مزاج اسے مجبور کرے گا کہ وہ دونوں کے درمیان تعلقات کو درست کرنے کی کوشش کرے۔ جیسا کہ لوگ ہیں جن کے لئے اللہ پر ایمان اللہ کی رحمتوں کا دروازہ کھولنے کا سبب بن جاتا ہے۔

48-171

### معاشرتی اخلاق

اے ایمان والو، نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگانا برا ہے۔ اور جو ہارت آئیں تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ (المحجرات 11)

ہر آدمی کے اندر پیدا نشی طور پر بڑا بڑے کا جذبہ چھپا ہوا ہے۔ جیسا کہ ہے کہ ایک شخص کو

دوسرے شخص کی کوئی بات مل جائے تو وہ اس کو خوب نمایاں کرتا ہے تاکہ اس طرح اپنے کو بڑا اور دوسرے کو چھوٹا ثابت کرے۔ وہ دوسرے کا مذاق اڑاتا ہے، وہ دوسرے پر عیب لگاتا ہے، وہ دوسرے کو برے نام سے یاد کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے اپنی بڑائی کے جذبہ کی تسکین حاصل کرے۔ مگر اچھا لور برا ہونے کا معیار وہ نہیں ہے جو آدمی بطور خود مقرر کر لے۔ اچھا دراصل وہ ہے جو خدا کی نظر میں اچھا ہو اور برا وہ ہے جو خدا کی نظر میں برا ٹھہرے۔ اگر آدمی کے اندر فی الواقع اس کا احساس ہو جائے تو اس سے بڑائی کا جذبہ چھین جائے گا۔ دوسرے کا مذاق اڑانا، دوسرے کو طعنہ دینا، دوسرے پر عیب لگانا، دوسرے کو برے لقب سے یاد کرنا، سب اس کے بے معنی معلوم ہونے لگیں گے۔ کیوں کہ دکھ جانے گا کہ لوگوں کے درجہ و مرتبہ کا اصل فیصلہ خدا کے یہاں ہونے والا ہے؛ پھر اگر آج میں کسی کو حقیر سمجھوں اور آخرت کی حقیقی دنیا میں وہ باعزت قرار پائے تو میرا اس کو حقیر سمجھنا کس قدر بے معنی ثابت ہوگا۔

48-172

برائی رائے قائم کرنا

اے ایمان والو، بہت سے گمانوں سے بچو، کیوں کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اور نودہ میں نہ لگو۔ اور تم سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ وہ اپنے سرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ اس کو تم خود بنا گوار سمجھتے ہو۔ اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ مناف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ (الجمرات ۱۲)

ایک آدمی کسی شخص کے بارہ میں بدگمان ہو جائے تو اس کی ہر بات اس کو غلط معلوم ہونے لگتی ہے۔ اس کے بارہ میں اس کا ذہن حقیقی رخ پر چل پڑتا ہے۔ اس کی خوبیوں سے زیادہ وہ اس کے میوب تلاش کرنے لگتا ہے۔ اس کی برائیوں کو بیان کر کے اسے بے عزت کرنا اس کا محبوب مشغلہ بن جاتا ہے۔

اکثر سماجی خرابیوں کی جڑ بدگمانی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ آدمی اس معاملہ میں چوکنا

ہے۔ وہ بدگمانی کو اپنے ذہن میں داخل نہ ہونے دے۔

آپ کو کسی سے بدگمانی ہو جائے تو آپ اس سے مل کر گفتگو کر سکتے ہیں۔ مگر یہ سخت غیر اخلاقی فعل ہے کہ کسی کی غیر موجودگی میں اس کو برا کہا جائے جب کہ وہ اپنی صفائی کے لئے وہاں موجود نہ ہو۔ واقعی طور پر کبھی آدمی سے اس قسم کی ظلیماں ہو سکتی ہیں۔ لیکن اگر وہ اللہ سے ڈرنے والا ہے تو وہ اپنی ظلیمی پر ڈھیٹ نہیں ہوگا۔ اس کا خوف خدا اس کو فوراً اپنی ظلیمی پر متنبہ کرے گا۔ وہ اپنی روش کو چھوڑ کر اللہ سے معافی کا طالب بن جائے گا۔

کسی کی غیر موجودگی میں اس کو برا کہنا بلاشبہ سخت غیر اخلاقی فعل ہے۔ مگر اس کا تعلق شخص برائی سے ہے، نہ کہ نظریاتی ظلیمی سے۔ اگر ایک شخص کوئی نظریاتی ظلیمی کرے اور اس کو چھاپ کر پھیلانے تو یقیناً اس کا رد کیا جائے گا، خواہ وہ مقامِ تردید پر موجود ہو یا نہ ہو۔

48-173

### فرق و اختلاف

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور تم کو قوموں اور خانہ دہانوں میں تقسیم کر دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ جاننے والا، خبر رکھنے والا ہے۔ (الحجرات ۱۳)

انسانوں کے درمیان مختلف قسم کے فرق ہوتے ہیں۔ کوئی سفید ہے اور کوئی کالا۔ کوئی ایک نسل سے ہے اور کوئی دوسری نسل سے۔ کوئی ایک جغرافیہ سے تعلق رکھتا ہے اور کوئی دوسرے جغرافیہ سے یہ تمام فرق صرف تعارف کے لئے ہیں نہ کہ امتیاز کے لئے۔ اکثر خرابیوں کا سبب یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس قسم کے ظاہری اختلاف کی بنا پر ایک دوسرے کے درمیان درجہ کے اعتبار سے فرق کرنے لگتے ہیں۔ اس سے وہ تفریق اور تعصب وجود میں آتا ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔ تمام انسان اپنے آغاز کے اعتبار سے ایک ہیں۔ ان میں امتیاز کی اگر کوئی بنیاد ہے تو وہ

صرف یہ ہے کہ کون اللہ سے ڈرنے والا ہے اور کون اللہ سے ڈرنے والا نہیں۔ اور اس کا بھی صحیح علم صرف خدا کو ہے نہ کہ کسی انسان کو۔

انسانوں کے درمیان جو فرق یا تنوع نظر آتا ہے وہ معاشرتی اور تمدنی مصلحتوں کی بنا پر ہے نہ کہ امتیاز یا تفوق کی بنا پر۔ یہ فرق سماجی زندگی کی تعمیر اور تہذیب کے ارتقاء میں مددگار ہوتا ہے۔ جہاں تک انسانی شرف کا سوال ہے، اس کا تعلق ہر آدمی کے اپنے اخلاقی اوصاف پر ہے۔ یہ دراصل اخلاقی صفات ہیں جو کسی انسان کو پست اور کسی انسان کو بلند کرتی ہیں۔ نہ کہ ظاہری علاقہ میں۔

www.KitaboSunnat.com

50-174

### قول و عمل کا ریکارڈ

اور ہم نے انسان کو بغیر اکیا اور ہم جانتے ہیں ان باتوں کو جو اس کے دل میں آتی ہیں۔ اور ہم رگ گردن سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔ جب دو لینے والے لیتے رہتے ہیں جو کہ دائیں اور بائیں طرف بیٹھے ہیں۔ کوئی لفظ وہ نہیں بولتا مگر اس کے پاس ایک مستند مگر اہم موجود ہے۔ (قرآن ۱۸-۱۶)

دنیا کا علمی مطالعہ بتاتا ہے کہ یہاں فطری طور پر ”ریکارڈنگ“ کا قابل نظام موجود ہے۔ انسان کی سوچ اس کے ذہنی پردہ پر ہمیشہ کے لئے نقش ہو رہی ہے۔ انسان کا ہر بول لہروں کی صورت میں مستقل طور پر باقی رہتا ہے۔ انسان کا عمل حرارتی لہروں کے ذریعہ خارجی دنیا میں اس طرح محفوظ ہو جاتا ہے کہ اس کو کسی بھی وقت دہرایا جاسکے۔

یہ سب آج کی معلوم چیزیں ہیں۔ اور یہ معلوم چیزیں قرآن کی اس خبر کو قابل فہم بنا رہی ہیں کہ انسان کی نیت، اس کا قول اور اس کا عمل سب کچھ خالق کے علم میں ہے۔ انسان کی ہر چیز فرشتوں کے رجسٹر میں درج کی جا رہی ہے۔ اس معاملہ میں علمی مطالعہ اور الہامی خبر کے درمیان یہ فرق ہے کہ جس واقعہ کو ہم قانون فطرت کے تحت ہوتا ہوا دیکھتے ہیں اسی کو قرآن خدائی فرشتوں کی طرف منسوب کر رہا ہے۔ گویا کہ دونوں میں جو فرق ہے وہ صرف اتنا ہے کہ نفس واقعہ کی موجودگی میں۔

58-175

## صابر نہ عمل

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں بنایا اور ہم کو کچھ  
 انسان نہیں ہوئی۔ پس جو کچھ وہ کہتے ہیں اس پر صبر کرو اور اپنے رب کی تسبیح کرو حمد کے ساتھ،  
 شروع نکلنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے۔ اور رات میں اس کی تسبیح کرو اور سجدوں کے  
 نیچے (ق ۳۸-۴۰)

زمین و آسمان کو چھ دنوں، بالفاظ دیگر چھ دوروں میں پیدا کرنا بتاتا ہے کہ خدا کا طریقہ  
 تدریجی عمل کا طریقہ ہے۔ اور جب خدا ساری طاقتوں کا مالک ہونے کے باوجود واقعات کو تدریج  
 کے ساتھ لمبی مدت میں ظہور میں لاتا ہے تو انسان کو بھی چاہئے کہ وہ جلد بازی سے بچے، وہ  
 صابر نہ عمل کے ذریعہ نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کرے۔

دعوت کا عمل شروع سے آخر تک صبر کا عمل ہے۔ اس میں انسان کی طرف سے پیش  
 آنے والی تکلیفوں کو سہنا پڑتا ہے۔ اس میں نتیجہ سامنے دکھائی نہ دینے کے باوجود اپنے عمل کو جاری  
 رکھنا پڑتا ہے۔ اس صبر آزمائی پر وہی شخص قائم رہ سکتا ہے جس کے صبح و شام سدا کور عبادت میں گزارے  
 ہوں، جو انسانوں سے نپا کر خدا سے پار ہوا، جو سب کچھ کو کربھی احساس محرومی کا شکار نہ ہو سکے۔

51-176

## صفت نطق

اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کے لئے۔ اور خود تمہارے اندر بھی۔ کیا تم  
 دیکھتے نہیں اور آسمان میں تمہاری روزی ہے اور وہ چیز بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ پس  
 آسمان اور زمین کے رب کی قسم وہ یقینی ہے جیسا کہ تم بولتے ہو (الذاریات ۲۰-۲۳)  
 اللہ تعالیٰ نے دنیا کو اس طرح بنایا ہے کہ موجودہ معلوم دنیا بعد کو آنے والی نامعلوم دنیا کی  
 نشانی بن گئی ہے۔ زمین میں پھیلے ہوئے مادی واقعات اور انسان کے اندر چھپے ہوئے احساسات

دونوں بالواسطہ انداز میں اس واقعہ کی پیشگی خبر دے رہے ہیں جو موت کے بعد برہم اور استغناء میں انسان کے سامنے آنے والا ہے۔ انہیں نشانوں میں سے ایک نشانی نقل (بولنا) ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ آخرت میں جو کچھ ملے گا وہ خود آدمی کے اپنے اعمال ہوں گے جو اس کی طرف لوہا دئے جائیں گے (الما ہی اعمالکم تود علیکم) گویا آخرت کی دنیا موجودہ دنیا ہی کا نقلی (double) ہے۔ آدمی کا نقل اسی امکان کا ایک جزئی مظاہرہ ہے۔ آدمی کی آواز ٹیپ پر ریکارڈ کر دی جائے اور پھر ٹیپ کو بجلیا جائے تو آدمی کے مرنے کے بعد بھی وہی آواز اس سے نکلتی ہے جو انسان کی آواز تھی۔ ٹیپ کی آواز انسان کی اصل آواز کا نقلی (double) ہے، اس طرح انسان کی آواز جزئی سطح پر اس واقعہ کا تجربہ کر رہی ہے جو کئی سطح پر آخرت میں ظاہر ہونے والا ہے۔ جب ایک مرے ہوئے انسان کی ہستی آواز کی صورت میں جزئی طور پر ناقابلِ اعادہ ہے تو انسان کی پوری ہستی کیوں ناقابلِ اعادہ ہو جائے گی۔ نقل کا یہ ظاہرہ حیات بعد الممات ایک واقعاتی ثبوت ہے۔

51-177

### کائنات کا مطالعہ

اور ہم نے آسمان کو اپنی قدرت سے بنایا اور ہم کشاہدہ کرنے والے ہیں۔ اور زمین کو ہم نے بچھایا، پس کیا ہی خوب بچھانے والے ہیں۔ اور ہم نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا بنایا ہے تاکہ تم دھیان کرو۔ پس دوڑو اللہ کی طرف، میں اس کی طرف سے ایک کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اور اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہ بنو، میں اس کی طرف سے تمہارے لئے کھلا ڈرانے والا ہوں (الذاریات ۷۷-۵۱)

”ہم آسمان کو کشاہدہ کرنے والے ہیں“ اس فقرہ میں غالباً کائنات کی اس نوعیت کی طرف اشارہ ہے جو صرف حال میں دریافت ہوئی ہے۔ یعنی کائنات کا مسلسل اپنے چاروں طرف پھیلنا۔ کائنات کا اس طرح پھیلنا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کو کسی پیدا کرنے والے نے پیدا کیا ہے۔

کیوں کہ اس پھیلاؤ کا مطلب یہ ہے کہ اپنی ابتداء میں وہ سمٹی ہوئی تھی۔ معلوم ہادی قانون کے مطابق، کائنات کے اس ابتدائی گولے کے تمام اجزاء اندر کی طرف کھینچے ہوئے تھے۔ اسی حالت میں ان کا بیرونی طرف سفر کرنا کسی خارجی مداخلت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اور خارجی مداخلت کو ماننے کے بعد خدا کے وجود کو ماننا لازم ہو جاتا ہے۔

ہماری دنیا کا نظام اچھائی یا معنی نظام ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ دنیا کی تخلیق کسی اعلیٰ مقصد کے تحت ہوئی ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ انسان نے زمین کو فساد سے بھر دیا ہے۔ پامعنی کائنات میں یہ بے معنی واقعہ بالکل بے جوڑ ہے۔ یہ صورت حال تقاضہ کرتی ہے کہ ایک ایسی دنیا بنے جو ہر قسم کی برائیوں سے پاک ہو۔

یہاں دوبارہ موجودہ دنیا کے اندر ایک ایسا واقعہ موجود ہے جو اس سوال کا جواب دیتا ہے۔ اور وہ ہے یہاں کی تمام چیزوں کا جوڑے جوڑے ہونا۔ مادہ میں مثبت اور منفی ذرے، نباتات میں نر اور مادہ، انسان میں عورت اور مرد۔ اس سے کائنات کا یہ مزاج معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اشیاء کی کمی کو اس کے جوڑے کے ذریعہ مکمل کرنے کا قانون رائج ہے۔ یہ ایک قرینہ ہے جو آخرت کے امکان کو ثابت کرتا ہے۔ آخرت کی دنیا گویا موجودہ دنیا کا دوسرا اجزہ ہے جس سے مل کر ہماری دنیا اپنے آپ کو مکمل کرتی ہے۔

62-178

سب سے بڑا عمل

بے شک متقی لوگ ہانگوں اور نعمتوں میں ہوں گے۔ وہ خوش دل ہوں گے ان چیزوں سے جو ان کے رب نے انہیں دی ہوں گی۔ اور ان کے رب نے ان کو دوزخ کے عذاب سے بچالیا، کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ اپنے اعمال کے بدلے میں تنگی لگائے ہوئے صف پہ صف چھتوں کے اوپر۔ اور ہم بڑے بڑی آنکھوں والی حوریں ان سے پیاویں گے۔ (الطور ۱-۲۰)

انسان کا سب سے بڑا جرم حق کو جھٹلانا ہے۔ اسی سے بقیہ تمام جرائم پیدا ہوتے ہیں۔ اسی

طرح انسان کی سب سے بڑی نیکی حق کا اعتراف ہے۔ تمام دوسری نیکیاں اسی سے بطور نتیجہ ظاہر ہوتی ہیں۔

حق کو ماننے سے آدمی کی بڑائی ٹوٹتی ہے۔ یہ کسی انسان کے لئے سب سے زیادہ مشکل کام ہے۔ اس پر وہی لوگ پورے اترتے ہیں جن کو اللہ کے ڈرنے آخری حد تک سنجیدہ بنا دیا ہو۔ جو لوگ اس سب سے بڑی نیکی کا ثبوت دیں وہ اس کے مستحق ہیں کہ ان کے لئے جنت کی ابدی نعمتوں کے دروازے کھول دئے جائیں۔

52-179

بے غرضی

قرآن میں پیغمبر کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: کیا تم ان سے معاوضہ مانگتے ہو کہ وہ تادان کے بوجھ سے دبے جا رہے ہیں۔ کیا ان کے پاس غیب ہے۔ کیا وہ لکھ لیتے ہیں۔ کیا وہ کوئی تدبیر کرنا چاہتے ہیں۔ پس انکار کرنے والے خود ہی اس تدبیر میں گرفتار ہوں گے۔ کیا اللہ کے سوا ان کا اور کوئی معبود ہے۔ اللہ پاک ہے ان کے شریک بنانے سے۔ (الطور ۲۰-۲۳)

مذکورہ ہمیشہ مادہ پرستی کی سچ پر ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں مذموم کو اگر یہ احساس ہو کہ داعی اس سے اس کی کوئی مادی چیز لینا چاہتا ہے تو وہ فوراً اس کی طرف سے متوجہ ہو جائے گا۔ وہ داعی کے پیغام پر سنجیدگی کے ساتھ غور نہیں کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر کی کوشش ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ اس کے اور مخاطبین کے درمیان کسی قسم کے مادی مطالبہ کی بات کہی نہ آئے پائے۔ اس کے اور مخاطبین کے درمیان آخر وقت تک بے غرضی کی فضا ہاتی رہے۔ خواہ اس کے لئے اسے یک طرفہ طور پر مادی نقصان برداشت کرنا پڑے۔

داعی جب اپنی دعوت کے حق میں اس حد تک سنجیدگی کا ثبوت دے دے تو اس کے بعد وہ خدا کی اس نصرت کا مستحق ہو جاتا ہے کہ مگرین کی ہر تدبیر ان کے نوپرائی پڑے۔ وہ کسی بھی طرح داعی کو مغلوب کرنے میں کامیاب نہ ہوں۔

## حق سے امر نہی

ہملائم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اعراض کیا۔ تموڑا سا دیا اور رک گیا۔ کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے۔ پس وہ دیکھ رہا ہے۔ (انجیم ۳۳-۳۵)

بہت سے لوگ جو تموڑا سا حق کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ پھر ان کے مفادات ان پر غالب آتے ہیں۔ اور وہ دوبارہ اپنی کھجلی حالت کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنی غلط روش کی تاویل کے لئے طرح طرح کے خوبصورت عقیدے بنا لیتے ہیں۔ مگر اس قسم کی باتیں صرف ان کے جرم کو بڑھاتی ہیں۔ یہ غلطی پر سرکشی کے اضافہ کے ہم معنی ہے۔

دعوت حق کے مقابلہ میں اعراض کا یہ طریقہ اختیار کرنا کوئی سادہ بات نہیں۔ حق کی دعوت اپنی حقیقت کے اعتبار سے موجود دنیا میں خدا کی نما سجدگی ہوتی ہے اس لئے ایسی دعوت کو نظر انداز کرنا گو خود خدا کو نظر انداز کرنا ہے۔ اس قسم کی روش بلاشبہ خدا کے یہاں قابل معافی نہیں۔

## سبب اعلیٰ

اور بے شک دعویٰ جہاتا ہے اور رلاتا ہے۔ اور وہی مارتا ہے اور جہاتا ہے۔ اور اسی نے دونوں قسم، نر اور مادہ کو پیدا کیا، ایک یونٹ سے جب کہ وہ ٹپکانی چلے۔ اور اسی کے ذمہ ہے دوسری بار اٹھانا۔ اور اسی نے دولت دی اور سر ملیا اور بنایا۔ اور وہی شعریٰ کارب ہے (انجیم ۳۳-۳۹)

دنیا کے ہر واقعہ کا تعلق ایسے ملاوٹی اسباب سے ہوتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی اور اس کے ظہور پر قادر نہیں ہو سکتا۔ خوشی اور غم، موت و حیات، تخلیقی نظام، امیری اور غربی، سب ایک بلند و مرتبہ حالات کا کرشمہ ہیں۔ قدیم انسان ستاروں کو سبب حیات سمجھتا تھا۔ موجودہ زمانہ میں قانون فطرت کو سبب حیات سمجھ لیا گیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان اسباب کے اوپر بھی ایک سبب ہے اور وہ خدا ہے رب العالمین ہے۔ پھر اس کے سوا کسی اور کو مرکز توجہ بنانا انسان کے لئے کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔

## سیاسی اقتدار

اور فرعون والوں کے پاس پہنچے ڈرانے والے۔ انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ایک غالب اور قوت والے کے پلانے کی طرح پکڑا (القدر ۳۱-۳۲)

فرعون قدیم مصر کا حکمران تھا۔ اس کی سلطنت رقبہ کے اعتبار سے موجودہ مصر سے بہت بڑی تھی۔ وہ اپنے وقت کا ایک طاقت ور بادشاہ تھا۔ مگر حق کا انکار کرنے کے بعد وہ اللہ کی نظر میں بے قیمت ہو گیا۔ اس کے بعد وہ ایک عاجز انسان کی طرح ہلاک کر دیا گیا۔ اس دنیا میں حق کے ساتھ کھڑا ہونے والا آدمی زور آور ہے اور حق کے خلاف کھڑا ہونے والا آدمی بے زور۔

سیاسی اقتدار کسی کا حق نہیں۔ سیاسی اقتدار جس کو بھی ملتا ہے، امتحان کے لئے ملتا ہے، خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ جس فرد یا قوم کو خدا اقتدار دے، اس کو اسے امتحان کی نظر سے دیکھنا چاہئے۔ اس کی ساری توجہ اس پر ہونا چاہئے کہ وہ اس خدا کی امتحان میں پورا اترے۔ سیاسی اقتدار کو عزت سمجھنا یا اس کو اپنی ذاتی عظمت قائم کرنے کے لئے استعمال کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ آدمی اپنے امتحان میں ناکام ہو گیا۔

## خدا کا فیصلہ

ہم نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اندازہ سے۔ اور ہمارا حکم بس یہی رہا ہے کہ آجائے گا جیسے آنکھ کا جھپکنا۔ اور ہم ہلاک کر چکے ہیں تمہارے ساتھ والوں کو، پھر کیا کوئی ہے سوچنے والا، اور جو کچھ انہوں نے کیا سب کتابوں میں درج ہے۔ اور ہر چھوٹی اور بڑی بات لکھی ہوئی ہے۔ بے شک ڈرنے والے باغوں میں اور غمروں میں ہوں گے۔ بیٹھے گئے بیٹھک میں، قدرت والے بادشاہ کے پاس۔ (القدر ۳۹-۵۵)

دنیا کی ہر چیز کا ایک مقرر ضابطہ ہے۔ یہی اصول انسان کے معاملہ میں بھی ہے۔ انسان کو

ایک مقرر ضابطہ کے تحت موجود دنیا میں عمل کا موح دیا گیا ہے۔ اور مقرر ضابطہ ہی کے تحت اس کو عمل کے مقام سے ہٹا کر انجام کے مقام میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ خالق کی قدرت جو موجودہ کائنات میں ظاہر ہوئی ہے وہ یہ یقین دلانے کے لئے کافی ہے کہ یہ معاملہ عین اپنے وقت پر بلا تاخیر پیش آئے گا۔ اسی طرح موجود دنیا میں ریکارڈنگ کا نظام اس حقیقت کا پیشگی اعلان ہے کہ ہر ایک کے ساتھ عین وہی معاملہ کیا جائے گا جو اس کے عمل کے مطابق ہو، تاہم یہ باتیں اسی شخص کی سمجھ میں آئیں گی جو اپنے اندر یہ مزاج رکھتا ہو کہ وہ واقعات پر غور کرے اور ظاہر سے گزر کر باطن میں چھپی ہوئی حقیقتوں کو دیکھ سکے۔

موجودہ دنیا امتحان کی دنیا ہے۔ یہاں ہر ایک کو پوری آزادی حاصل ہے۔ اس لئے موجودہ دنیا میں یہ ممکن ہے کہ آدمی مقصد کذب (جھوٹی نشست) پر بیٹھ کر نمایاں ہو سکے۔ وہ جھوٹ کی زمین پر عزت اور مرتبہ کا مقام حاصل کر لے۔ مگر آخرت میں کسی کے لئے ایسا ممکن نہ ہوگا۔ آخرت میں عزت اور کامیابی صرف ان لوگوں کو ملے گی جو مقصد صدق (سچی نشست) پر بیٹھے والے ہوں۔ جنہوں نے فی الواقع اپنے آپ کو سچ کی زمین پر کھڑا کیا ہو۔ آخرت میں خدا کی قدرت کامل کا ظہور اس بات کی ضمانت بن جائے گا کہ وہاں مقصد صدق کے سوا کسی اور مقصد پر پیشہ ناسی کے کچھ کام نہ آسکے۔

55-134

### قرآن اور کائنات

رحمن نے، قرآن کی تعلیم دی، اس نے انسان کو پیدا کیا۔ اس کو بولنا سکھایا۔ سورج اور چاند کے لئے ایک حساب ہے۔ اور ستارے اور درخت سجدہ کرتے ہیں۔ اور اس نے آسمان کو اونچا کیا اور اس نے ترازو رکھ دی۔ کہ تم تولنے میں زیادتی نہ کرو۔ اور انصاف کے ساتھ سیدھی ترازو تولو اور تول میں نہ گھٹاؤ (الرحمن ۹)۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بتایا۔ اس کو نطق کی انوکھی صلاحیت دی جو ساری معلوم کائنات

میں کسی کو حاصل نہیں۔ پھر انسان سے جو عبادتِ رُوحِ مطلوب تھی اس کا عملی نمونہ اس کے کائنات میں قائم کر دیا۔ انسان کے گرد و پیش کی پوری دنیا میں اسی اصولِ عدل پر قائم ہے جو انسان سے اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے اور قرآن میں اسی عدل کو لفظی طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ قرآنِ خدائی عدل کا لفظی اظہار ہے اور کائناتِ خدائی عدل کا عملی اظہار۔ بندوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے قول و عمل کو اسی ترازو سے ناپتے رہیں۔ وہ نہ لینے میں بے انصافی کریں اور نہ دینے میں۔ انسان کی فطرت اگر زندہ ہو۔ وہ اپنی گرد و پیش کی دنیا کو کھلی آنکھ سے دیکھے اور کھلے ذہن سے سمجھے تو وہ پھیلی ہوئی دنیا میں وہ سب کچھ پالے گا جو اسے کامیاب زندگی کی تعمیر کے لئے درکار ہے۔ وہ کائنات میں جو کچھ دیکھے گا اسی کو قرآن میں پڑھے گا، اور قرآن میں جو کچھ پڑھے گا وہی اسے کائنات کے کارخانے میں دکھائی دے گا۔ قرآن میں اگر ہدایت کی کتاب ہے تو کائناتِ ہدایت پائی ہوئی عملی زندگی کا نمونہ۔

55-185

خدا کی نعمتیں

اور زمین کو اس نے خلق کے لئے رکھ دیا۔ اس میں میوے ہیں اور کھجور ہیں جس کے اوپر غلاف ہوتا ہے۔ اور بھس والے اناج بھی ہیں اور خوشبودار پھول بھی۔ پھر تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھلاؤ گے۔ اس نے پیدا کیا انسان کو خمیرے کی طرح کھٹکتاتی مٹی سے اور اس نے جنات کو آگ کی لپٹ سے پیدا کیا۔ پھر تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھلاؤ گے۔ وہ مالک ہے دونوں مشرق کا اور دونوں مغرب کا۔ پھر تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھلاؤ گے۔ اس نے چلائے دو دریا، مل کر چلنے والے۔ دونوں کے درمیان ایک پردہ ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔ پھر تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھلاؤ گے۔ ان دونوں سے موتی اور موتی کھلا ہے۔ پھر تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھلاؤ گے۔ اور اسی کے ہیں جہاز، سمندر میں اونچے کھڑے ہوئے جیسے پہاڑ، پھر تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھلاؤ گے (ار حٰن ۱۰-۲۵)

اس دنیا کا بیشتر حصہ ستاروں پر مشتمل ہے جو سر پلا آگ ہیں۔ جنات اسی آگ کے بارے سے بتائے گئے ہیں۔ مگر انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی معاملہ ہے کہ اس کو ”مٹی“ سے بنایا گیا ہے جو وسیع کائنات میں انتہائی نادر چیز ہے۔

زمین ساری کائنات میں ایک انوکھا استثناء ہے۔ یہاں وہ تمام اسباب حد درجہ توازن اور تناسب کے ساتھ مہیا کئے گئے ہیں جن کے ذریعہ انسان جیسی مخلوق کے لئے رہنا اور تمدن کی تعمیر کرنا ممکن ہو سکے۔ انہی انتظامات میں سے ایک انتظام زمین میں مشرقین اور مغربین کا ہونا ہے۔ چارے کے موسم میں سورج کے طلوع و غروب کے مقامات دوسرے ہوتے ہیں۔ اور گرمی کے موسم میں دوسرے۔ اس لحاظ سے اس کے مشرق و مغرب کئی ہو جاتے ہیں۔ یہ موسمی فرق فضا میں زمین کے محوری جھکاؤ (axial tilt) کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ جھکاؤ کائنات کا ایک انتہائی انوکھا واقعہ ہے اور اس سے بے شمار تمدنی فائدے انسان کو حاصل ہوتے ہیں۔

نا قابل قیاس حد تک وسیع کائنات میں انسان اور زمین کا یہ استثناء خدا کی نعمت و قدرت کا ایسا عظیم معاملہ ہے کہ انسان کسی بھی طرح اس کا شکر ادا کرنے پر قادر نہیں۔

58-108

### نظام خدائے

ہم نے تم کو پیدا کیا ہے۔ پھر تم تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ کیا تم نے غور کیا اس چیز پر جو تم نکلتے ہو۔ کیا تم اس کو مانتے ہو یا ہم ہیں بنانے والے۔ ہم نے تمہارے درمیان موت مقدر کی ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں کہ تمہاری جگہ تمہارے جیسے پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں بنا دیں جن کو تم جانتے نہیں۔ اور تم پہلی پیدا کرائے جانے ہو پھر کیوں سہتی نہیں لیجئے۔ کیا تم نے غور کیا اس چیز پر جو تم بولتے ہو۔ کیا تم اس کو اگاتے ہو یا ہم ہیں اگانے والے۔ اگر ہم چاہیں تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیں۔ پھر تم ہاتھ مانتے رہ جاؤ۔ ہم تو ہوا میں پڑ گئے۔ بلکہ ہم بالکل محروم ہو گئے۔ کیا تم نے غور کیا اس پانی پر جو تم پیچے ہو۔ کیا تم نے اس کو بادل سے اتارا ہے یا ہم ہیں اتارنے

والے۔ اگر ہم چاہیں تو اس کو سخت کھاری بنادیں۔ پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے۔ کیا تم نے غور کیا اس آگ پر جس کو تم جلاتے ہو۔ کیا تم نے پیدا کیا ہے اس کے درخت کو یا ہم ہیں اس کے پیدا کرنے والے۔ ہم نے اس کو یاد دہانی بتایا ہے۔ اور مسافروں کے لئے ٹائم کی چیز۔ پس تم اپنے عظیم رب کے نام کی تسبیح کرو (الواقفہ ۷۵-۷۴)

ماں کے پیٹ سے انسان کا پیدا ہونا، زمین سے کھیتی کا آگنا، بارش سے پانی کا بر سنا، ایندھن سے آگ کا حاصل ہونا، یہ سب چیزیں بر لہو راست خدا کی قدرت کے تحت ہوتی ہیں۔ آدمی کو ان کے ملنے پر خدا کا شکر گزار ہونا چاہئے۔ ان کو خدا کا عطیہ سمجھنا چاہئے نہ کہ اپنے عمل کا نتیجہ۔ ان واقعات میں غور کرنے والے کے لئے بے شمار فصیحیں ہیں۔ ان میں موجودہ زندگی کے بعد دوسری زندگی کا ثبوت ہے۔ اسی طرح ان میں یہ نکلتی ہے کہ جس نے ان کو دیا ہے وہ ان کو چھین بھی سکتا ہے۔ پھر اسی کا ایک نمونہ پانی کا معاملہ ہے۔ پانی کا ذخیرہ سمندروں کی صورت میں ہے جو کہ زیادہ تر کھاری ہیں۔ پانی کا تقریباً ۹۸ فیصد حصہ سمندر میں ہے۔ اور سمندر کے پانی کا ۱ حصہ نمک ہوتا ہے۔ یہ خدا کے قانون کا کرشمہ ہے کہ سمندر سے جب پانی کے بخارات اٹھتے ہیں تو خالص پانی اوپر اڑ جاتا ہے اور نمک نیچے رہ جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بارش کا عمل ازالہ نمک (desalination) کا ایک عظیم آفاقی عمل ہے۔ اگر یہ قدرتی اہتمام نہ ہو تو سارا کاسا ر پانی دیا ہی کھاری ہو جائے جیسا سمندر کا پانی ہوتا ہے۔ پہاڑوں پر جمی ہوئی برف اور دریاؤں میں بہنے والا پانی سب کے سب سخت کھاری ہوں۔ زمین پر پانی کے اتھاہ ذخیروں کے باوجود ٹھیکے پانی کا حصول انسانیت کے لئے سخت ناقابل حل مسئلہ بن جائے۔ آدمی اگر اس کو سوچے تو اس کا سینہ حمد خداوندی کے جذبہ سے بھر جائے گا۔

57-187

دنیا کی حقیقت

جان لو کہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ کھیل اور تماشہ ہے اور زندگی اور باہمی فخر

اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ جیسے کہ بارش کہ اس کی پیداوار کسانوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ پھر وہ خشک ہو جاتی ہے۔ پھر تو اس کو زرد دیکھتا ہے، پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ اور آخرت میں سخت عذاب ہے اور اللہ کی طرف سے معافی اور رضامندی بھی۔ اور دنیا کی زندگی دھوکے کی پونجی کے سوا اور کچھ نہیں۔ دوڑو اپنے رب کی معافی کی طرف نور ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعت کے برابر ہے۔ وہ ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں، یہ اللہ کا فضل ہے، وہ اس کو دیتا ہے جسے وہ چاہتا ہے اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے (المائدہ ۲۰-۲۱)

دنیا میں اللہ نے آخرت کی مثالیں قائم کر دی ہیں۔ ان میں سے ایک مثال کھیتی کی ہے۔ کھیتی جب پانی پا کر تیار ہوتی ہے تو تھوڑے دنوں کے لئے اس کی سرسبزی نہایت پرکشش معلوم ہوتی ہے۔ مگر بہت جلد گرم ہوائیں چلتی ہیں۔ ساری سرسبزی اچانک ختم ہو جاتی ہے۔ اور پھر اس کو کاٹ کر اسے چوراچور کر دیا جاتا ہے۔

اسی طرح موجودہ دنیا کی رونق بھی چند روزہ ہے۔ آدمی اس کو پا کر دھوکے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ وہ اسی کو سب کچھ سمجھ لیتا ہے۔ مگر اس کے بعد جب وہ خدا کی طرف لوٹایا جائے گا تو اس پر کھلے گا کہ دنیا کی رونقوں کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ دنیا محض وقتی ہے، اور آخرت کامل اور دائمی۔

57-188

صحیح رد عمل

کوئی مصیبت نہ زمین میں آتی ہے اور نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے اس سے پہلے کہ ہم ان کو پیدا کریں، بیشک یہ اللہ کے لئے آسان ہے تاکہ تم غم نہ کرو اس پر جو تم سے کھویا گیا۔ اور نہ اس چیز پر فخر کرو جو اس نے تم کو دیا، اور اللہ اترانے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا جو کہ بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور جو شخص اعراض کرنے کا تو اللہ بے نیاز ہے خوبیوں والا ہے (المائدہ ۲۲-۲۳)

دنیا میں کسی چیز کا ملنا یا کسی چیز کا چھننا دونوں امتحان کے لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہی طریقہ طور پر مقرر فرمایا ہے کہ کس شخص کو اس کے امتحان کا پرچہ کن کن صورتوں میں دیا جائے گا۔ آدمی کو اصل جس چیز پر توجہ دینا چاہئے وہ یہ نہیں کہ اس کو کیا ملا اور اس سے کیا چھینا گیا بلکہ یہ کہ اس نے کس موقع پر کس قسم کا رد عمل (response) پیش کیا۔ صحیح اور مطلوب رد عمل یہ ہے کہ آدمی سے کھویا جائے تو وہ دل برداشتہ نہ ہو اور جب اس کو ملے تو وہ اس کی بنا پر فخر و غرور میں مبتلا نہ ہو جائے۔

57-189

حدیثی کردار

ہم نے اپنے رسولوں کو نشانہوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو اتاری، تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔ اور ہم نے لوہا اتارا جس میں بڑی قوت ہے اور لوگوں کے لئے فائدے ہیں اور تاکہ اللہ جان لے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے بن دیکھے، بے شک اللہ طاقت والا زبردست ہے۔ (المائدہ ۲۵)

اس دنیا میں صاحب ایمان سے دو چیزیں مطلوب ہیں۔ ایک بھروسہ دین اور دوسری حمایت دین۔ ترازو گویا بھروسہ دین کی علامتی مثال ہے۔ جس طرح ترازو پر کسی چیز کا کم و بیش ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح خدا کی کتاب بھی حق کی ترازو ہے، ہر آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنے اعمال کو خدا کی کتاب پر جانچ کر دیکھے اور یہ معلوم کرے کہ اس کا عمل کس حد تک درست ہے اور کس حد تک درست نہیں۔ اسی طرح لوہا گویا حمایت دین کی علامتی مثال ہے۔ جب بھی دین کا کوئی معاملہ پڑے تو وہاں آدمی کو لوہے کی طرح مضبوط ثابت ہونا چاہئے۔ اس کو فولادی قوت کے ساتھ دین کا دفاع کرنا چاہئے۔ دین کے معاملہ میں کمزوری دکھانا اپنے ایمان کو خدا کی نظر میں مشتبہ ثابت کرنا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی جانچ میں پورا نہیں اترا۔

اس دنیا میں دین کے تقاضے پورا کرنا اسی شخص کے لئے ممکن ہے جو اپنے اندر پختہ کردار کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اکثر حالات میں ایسا ہوتا ہے کہ حق کا کھلا اعتراف کرنا اپنے آپ کو لوگوں کی

نظر میں حقیر بنانے کے ہم معنی ہوتا ہے۔ حق کی حمایت میں بولنے میں یہ اندیشہ لگارتا ہے کہ آدمی اپنے گروہ سے کٹ جائے گا۔ حق کا ساتھ دینا صرف اس قیمت پر ہوتا ہے کہ آدمی اپنے مفادات کی پروا نہ کرے۔ حق کی جانب کھڑے ہونے میں آدمی تنہا ہو جاتا ہے اور حق کی جانب کھڑے نہ ہونے میں اس کو امید ہوتی ہے کہ عوام کی بھیڑ اس کا ساتھ دے گی۔ حق کی حمایت کرنے میں زندگی کا نقشہ بگڑتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور حق کی حمایت نہ کرنے میں یہ امید ہوتی ہے کہ زندگی کے تمام معاملات درست رہیں گے۔

حدیدہ (لوہا) اس دنیا میں استحکام کی علامت ہے۔ لوہا اس بات کا عملی سبب ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ وہ زندگی کے امتحان میں لوہے کی طرح مستحکم رہے، وہ حدیدہ کی کردار کے ساتھ خدا کے دین کا حامی بنادے۔

58-100

### خدا کی نگرانی

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ کوئی سرگوشی تین آدمیوں کی نہیں ہوتی جس میں چوتھا لٹنہ ہو۔ اور نہ سپانچ کی ہوتی ہے جس میں چھٹا لٹنہ ہو۔ اور نہ اس سے کم کی اور نہ اس سے زیادہ کی۔ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہوں، پھر وہ ان کو ان کے کئے سے آگاہ کرے گا قیامت کے دن۔ بے شک اللہ ہر بات کا علم رکھنے والا ہے (المجادلہ ۸) کائنات اپنے انتہائی پیچیدہ نظام کے ساتھ یہ گواہی دے رہی ہے کہ وہ ہر آن کسی بالاتر طاقت کی نگرانی میں ہے۔ اگر یہ مسلسل نگرانی نہ ہو تو دنیا اپنی موجودہ با معنی حیثیت میں باقی نہ رہے۔ کائنات میں نگرانی کی شہادت یہ ثابت کرتی ہے کہ انسان بھی مسلسل طور پر اپنے خالق کی نگرانی میں ہے۔ جب بقیہ کائنات خالق کی زیر نگرانی ہے تو انسان اپنے خالق کے زیر نگرانی کیوں نہ ہوگا۔ ایسی حالت میں حق کے خلاف خفیہ سرگرمیاں دکھانا صرف ایسے اندھے لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو خدا سے بے خوف ہوں، وہ خدا کی منتوں کو نہ براہ راست طور پر ملحوظ قرآن میں پڑھ سکیں اور نہ

بالواسطہ طور پر غیر ملفوظ کائنات میں۔

”میں خدا کی نگرانی میں ہوں“ یہ یقین آدمی کو آخری حد تک چھوکتا دیتا ہے۔ وہ ہر وقت اپنا جائزہ لیتا رہتا ہے۔ کیوں کہ اس کو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر وہ خود اپنا احتساب نہ کرے تو خداوند عالم اس کا احتساب کرے گا، اور پھر خدا کی پکڑ سے بچنا میرے لئے کسی طرح ممکن نہ ہوگا۔

59-181

ایمانی بلندی

اور جو لوگ پہلے سے دارالاسلام (مدینہ) میں قرار پکڑے ہوئے ہیں اور ایمان استوار کئے ہیں، جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے اس سے وہ محبت کرتے ہیں اور وہ اپنے دلوں میں اس سے تنگی نہیں پاتے جو مہاجرین کو دیا جاتا ہے۔ اور وہ ان کو اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان کے اوپر فائدہ ہو۔ اور جو شخص اپنے جی کے لالچ سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ ظالم ہونے والے ہیں۔ اور جو ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب، ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں۔ اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لئے کینہ نہ رکھ، اے ہمارے رب، تو بڑا شفیق اور مہربان ہے۔ (الحشر ۹-۱۰)

ہجرت کے نتیجے میں جو مسلمان بے وطن ہوئے اور مکہ کو چھوڑ کر مدینہ پہنچے، ان کا مدینہ آبادی کے مقامی مسلمانوں (انصار) پر ایک بوجھ تھا۔ مگر انہوں نے نہایت خوش دلی کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب احوال آئے تو آپ نے سارا مال مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دیا۔ اور انصار کو کچھ نہیں دیا۔ اس پر بھی انصار مدینہ کے اندر ان کے خلاف کوئی رنجش پیدا نہیں ہوئی۔ اس کے بعد بھی وہ ان مہاجر مسلمانوں کے اتنے زیادہ قدر وادار رہے کہ ان کے حق میں ان کے دل سے بھرت دعائیں نکلتی رہیں۔ یہی وہ عالی حوصلگی ہے جو کسی گروہ کو تاریخ ساز گروہ بناتی ہے۔

ہجرت کے بعد مدینہ میں جو حالات پیدا ہوئے وہ دونوں کے لئے امتحان تھے۔ وہ یہ کہ

اختلاف کے باوجود دونوں مسلم گروہ آپس میں متحد رہیں۔ معاشی مسائل کے باوجود ان کی فراخ دلی متاثر نہ ہو۔ مشکلات کے باوجود ان کے اخلاص میں کوئی فرق نہ آئے۔ مفادات کے ٹکرائو کے باوجود ہر ایک دوسرے کا خیر خواہ بنا رہا۔ اپنی قربانی کی باری قیمت نہ ملنے کے باوجود ان کے اندر حقیقی جذبات نہ ہوں۔ دولت اور عہدہ کی تقسیم میں امتیاز کے باوجود ان کی دینی یکسوئی میں فرق نہ آئے۔ دنیوی نوعیت کے تلخ تجربات کے باوجود ان کا سینہ شکایت اور نفرت سے خالی رہا۔

58-182

### عقل کا نتیجہ

بے شک تم لوگوں کا ذہن ان کے دلوں میں اللہ سے زیادہ ہے۔ یہ اس لئے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔ یہ لوگ سب مل کر تم سے کبھی نہیں لڑیں گے۔ مگر حفاظت والی بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ میں۔ ان کی لڑائی آپس میں سخت ہے۔ تم ان کو متحد خیال کرتے ہو اور ان کے دل جدا جدا ہو رہے ہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ لوگ عقل نہیں رکھتے۔ (المحشر ۱۳-۱۴)

خدا کی طاقت بظاہر دکھائی نہیں دیتی۔ مگر انسانوں کی طاقت کھلی آنکھ سے نظر آتی ہے۔ ان کا بظاہر ظاہر پرست لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ سے تو بے خوف رہتے ہیں۔ مگر انسانوں میں اگر کوئی زور آور دکھائی دے تو وہ فوراً اس سے ڈرنے کی ضرورت محسوس کرنے لگتے ہیں۔ خدا کے بارہ میں ان کی بے شعوری انہیں ان کی دنیا کے بارہ میں بھی بے شعور بنا دیتی ہے۔

ایسے لوگ جن کو صرف حقیقی مقصد نے متحد کیا ہو وہ زیادہ دیر تک اپنا اتحاد باقی نہیں رکھ پاتے کیوں کہ دیرپا اتحاد کے لئے مثبت بنیاد درکار ہے اور وہ ان کے پاس موجود ہی نہیں۔

ان آیتوں میں خدا سے خوف کو بھی عقل کا نتیجہ بتایا گیا ہے اور باہمی اتحاد کو بھی عقل کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ الہیات اور انسانیت دونوں ہی کی درستی عقل و علم کے لاپر منحصر ہے۔ کوئی فرد یا گروہ عقلی اعتبار سے جتنا زیادہ باشعور ہوگا اتنا ہی زیادہ اس کی زندگی کے معاملات درست ہوں گے، خدا کی نسبت سے بھی اور انسانوں کی نسبت سے بھی۔

58-193

## انسان کا مستقبل

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور ہر شخص دیکھے کہ اس نے کل کے لئے کیا بھیجا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ بن جاؤ جو اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے ان کو خود ان کی جانوں سے عاقل کر دیا۔ یہی لوگ بافرمان ہیں۔ دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں ہو سکتے۔ جنت والے ہی اصل میں کامیاب ہیں۔ (الحشر ۱۸-۲۰)

انسانی زندگی کو "آج" اور "کل" کے درمیان تقسیم کیا گیا ہے۔ موجودہ دنیا انسان کا آج ہے اور آخرت کی دنیا اس کا کل ہے۔ انسان موجودہ دنیا میں جو کچھ کرے گا اس کا لازمی انجام اس کو آنے والی طویل تر زندگی میں جگہ بنا دے گا۔

یہی اصل حقیقت ہے اور اسی حقیقت کا دوسرا نام اسلام ہے۔ انسان کی کامیابی اس میں ہے کہ وہ اس حقیقت واقعی کو ہمیشہ ذہن میں رکھے۔ جو شخص اس حقیقت واقعی سے عاقل ہو جائے اس کی پوری زندگی غلط ہو کر رہ جائے گی۔ اس معاملہ میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا کوئی فرق نہیں۔ مسلمانوں کو اس کا فائدہ اسی وقت ملے گا جب کہ واقعہ وہ اس پر قائم ہوں۔ مسلمان اگر غفلت میں پڑ جائیں تو ان کا انجام بھی وہی ہو گا جو اس سے پہلے غفلت میں پڑنے والے یہود کا ہوا۔ آخرت میں کامیاب انسانوں اور ناکام انسانوں کی تفریق کی جائے گی۔ ایک گروہ کے لئے جنت ہوگی اور دوسرے گروہ کے لئے جہنم۔ یہ تقسیم نسلی یا گروہی بنیاد پر نہیں ہوگی۔ وہ تمام تر حقیقت کی بنیاد پر ہوگی۔ ہر آدمی کا مستقبل اس کے ذاتی وصف (merit) کی بنیاد پر ملے کیا جائے گا کہ کسی اور مفروضہ بنیاد پر۔

58-194

## خدا اور کائنات

اگر ہم اس قرآن کو پہلا پر اتار دیتے تو تم دیکھتے کہ وہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ

جاتا اور یہ مثالیں ہم لوگوں کو لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا، وہ بڑا مہربان ہے۔ نہایت رحم والا ہے۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بادشاہ، سبکدوشوں سے پاک، سرسرملا متقی، امن دینے والا، نگہبان، غالب، زور آور، حکمت والا، اللہ اس شرک سے پاک ہے جو لوگ کر رہے ہیں۔ وہی اللہ ہے عید کرنے والا، وجود میں لانے والا، صورت گری کرنے والا، اسی کے لئے ہیں سارے اچھے نام۔ ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اس کی تسبیح کر رہی ہے۔ اور وہ زبردست ہے، حکمت والا ہے۔ (الحشر ۲۱-۲۴)

قرآن اس عظیم حقیقت کا اعلان ہے کہ انسان آزاد نہیں ہے بلکہ اس کو اپنے تمام اعمال کی جواب دہی اللہ کے سامنے کرنی ہے جو انتہائی طاقت ور ہے۔ وہ ہر ایک کے اعمال کو بذات خود پوری طرح دیکھ رہا ہے۔ یہ خبر اتنی سنگین ہے کہ پہلا تک کو لرزا دینے کے لئے کافی ہے۔ مگر انسان اتنا غافل اور بے حس ہے کہ وہ اس ہولناک خبر کو سن کر بھی نہیں ترسے۔

اللہ کے اسما جو یہاں بیان کئے گئے ہیں وہ ایک طرف اللہ کی ذات کا تعارف ہیں۔ دوسری طرف وہ بتاتے ہیں کہ وہ ہستی کیسی عظیم ہستی ہے جو انسانوں کی خالق ہے اور ان کے اوپر ان کی نگرانی کر رہی ہے۔ اگر آدمی کو واللہ اس کا احساس ہو جائے تو وہ اللہ کی حمد و تسبیح میں سرپا غرق ہو جائے گا۔ کائنات اپنی تخلیقی معنویت کی صورت میں خدا کی صفات کا آئینہ ہے۔ وہ خود حمد و تسبیح میں مصروف ہو کر انسان کو بھی حمد و تسبیح کا سبق دیتی ہے۔

88-135

اخلاقی حدود

اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے نہیں روکتا جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جگمگ نہیں کی۔ اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا کہ تم ان سے بھلائی کرو اور تم ان کے ساتھ انصاف کرو۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ بس ان لوگوں سے تم کو منع کرتا ہے جو دین کے معاملہ میں تم سے لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا۔ اور تمہارے نکالنے میں مدد

کی کہ تم ان سے دوستی کرو، اور جو ان سے دوستی کرے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ (المستحذہ ۹۸)

جہاں تک عدل و انصاف کا تعلق ہے وہ ہر ایک سے کیا جائے گا، خواہ فریقِ چینی دشمن ہو یا غیر دشمن۔ عدل سے انحراف کسی بھی حال میں جائز نہیں۔ مگر دوستی کا تعلق ہر ایک سے درست نہیں۔ دوستی صرف اسی کے ساتھ جائز ہے جو اللہ کا دوست ہو یا کم از کم یہ کہ وہ اللہ کا دشمن نہ ہو۔

81-188

### کامیاب تجارت

اے ایمان والو، کیا میں تم کو ایک ایسی تجارت بتاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچالے۔ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنے جان سے چھوڑ کر، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو ایسے باخوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے شہرں جاری ہوں گی، نور عمدہ مکانوں میں جو ہمیشہ رہنے کے باخوں میں ہوں گے، یہ ہے بڑی کامیابی اور ایک اور چیز بھی جس کی تم تمنا رکھتے ہو، اللہ کی مدد اور فتح جلدی، اور مومنوں کو بشارت دے دو۔ (الف ۱۰-۱۳)

تجارت میں آدمی پہلے دیتا ہے، اس کے بعد اس کو واپس ملتا ہے، دین کی جدوجہد میں بھی آدمی کو اپنی قوت اور اپنا مال دینا پڑتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ بھی ایک قسم کی تجارت ہے۔ البتہ دنیوی تجارت کا نفع صرف دنیا میں ملتا ہے اور دین کی تجارت کا نفع مزید انصاف کے ساتھ دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں بھی۔ پھر اسی "تجارت" سے اہل اسلام کے غلبہ کی راہ بھی کھلتی ہے جو موجودہ دنیا میں کسی گروہ کو باعزت زندگی حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

82-187

www.KitaboSunnat.com

### جمعہ کا دن

اے ایمان والو، جب جمعہ کے دن کی نماز کے لئے پکارا جائے تو اللہ کی یاد کی طرف چل پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔ پھر جب نماز پوری ہو جائے

زمین میں کھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ تاکہ تم صلاح پاؤ۔ اور جب وہ کوئی تجارت یا کھیل تماشا دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ اور تم کو کھڑا ہوا چھوڑ دیتے ہیں، کہو کہ جو اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے بہتر ہے۔ اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ (المجموعہ ۹-۱۱)

دنیا میں آدمی بیک وقت دو تقاضوں کے درمیان ہوتا ہے۔ ایک معاش کا تقاضا اور دوسرے دین کا تقاضا۔ ان میں سے ہر تقاضا ضروری ہے۔ البتہ ان کے درمیان اس طرح تقسیم ہونی چاہئے کہ معاشی سرگرمیاں دینی تقاضے کے ماتحت ہوں۔ آدمی کو اجازت ہے کہ وہ جائز حدود میں معاش کے لئے دوڑ دوپ کرے۔ مگر یہ ضروری ہے کہ اس کو جو معاشی کامیابی حاصل ہو اس کو وہ سر اسر اللہ کا فضل سمجھے۔ نیز معاشی سرگرمی کے دوران برابر اللہ کو یاد کرتا رہے۔ اسی کے ساتھ اس کو ہمیشہ تیار رہنا چاہئے کہ جب بھی دین کے کسی تقاضے کے لئے پکارا جائے تو اس وقت وہ ہر دوسرے کام کو چھوڑ کر دین کے کام کی طرف دوڑ پڑے۔

قرآن کی ان آیتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کا دن اسلام کے نقشہ حیات میں، کاروباری اور دفتری چھٹی کا دن نہیں ہے، کیوں کہ اس آیت کے مطابق مسلمان جمعہ کے دن اپنے کاروبار میں مشغول رہیں گے اور صرف اس وقت کچھ دیر کے لئے اپنا کاروبار بند کریں گے جب کہ مسجدوں سے نذران کی آواز بلند ہو، نذران کے بعد وہ فقی طور پر مسجد میں آئیں گے اور نماز کی ادائیگی کے بعد وہ دوبارہ اپنے کاروباری مشاغل کی طرف لوٹ جائیں گے۔ اصل یہ ہے کہ ہفتہ کی چھٹی کا مسئلہ کوئی دینی مسئلہ نہیں وہ ایک دنیوی مسئلہ ہے۔ اور حدیث: انتم اعلم بامور دنیاکم (صحیح مسلم) کے مطابق، اس کا فیصلہ دنیوی مصلحت کی بنیاد پر کیا جائے گا نہ کہ شرعی مسئلہ کی بنیاد پر۔

63-198

مناقشات و روش

جب مناقشہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک

اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک تم اس کے رسول ہو۔ اور اللہ کو اسی دیتا ہے کہ یہ منافقین جوڑے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو ذحال بنا رکھا ہے، پھر وہ روکتے ہیں اللہ کی رلو سے، بے شک نہایت برا ہے جو وہ کر رہے ہیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ وہ ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا، پھر ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی۔ پس وہ نہیں سمجھتے۔ (المطلعون ۱-۳)

یہ کسی آدمی کے خفاق کی علامت ہے کہ وہ بڑی بڑی باتیں کرے۔ اور قسم کھا کر اپنی بات کا یقین دلوائے۔ ظلم آدمی اللہ کے خوف سے دبا ہوا ہوتا ہے۔ وہ زبان سے زیادہ دل سے بولتا ہے۔ منافق آدمی صرف انسان کو اپنی آواز سنانے کا مشتاق ہوتا ہے۔ اور ظلم آدمی خدا کو سنانے کا۔

جب ایک شخص ایمان لاتا ہے تو وہ ایک سنجیدہ عہد کرتا ہے۔ اس کے بعد زندگی کے عملی مواقع آتے ہیں، جہاں ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اس عہد کے مطابق عمل کرے۔ اب جو شخص ایسے مواقع پر اپنے دل کی آواز کو سن کر عہد کے تقاضے پورے کرنے گا۔ اس نے اپنے عہد ایمان کو پختہ کیا۔ اس کے برعکس جس کا یہ حال ہو کہ اس کے دل نے آواز دی مگر اس نے دل کی آواز کو نظر انداز کر کے عہد کے خلاف عمل کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ دھیرے دھیرے اپنے عہد ایمان کے معاملہ میں بے حس ہو جائے گا۔ یہی مطلب ہے دل پر مہر لگنے کا۔

53-188

### منافقانہ روش

اور جب تم ان منافقین کو دیکھو تو ان کے جسم تم کو اچھے لگتے ہیں، اور اگر وہ بات کرتے ہیں تو تم ان کی بات سنتے ہو، گویا کہ وہ لکڑیاں ہیں ٹیک لگائی ہوئی۔ وہ ہر زور کی آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں۔ یہی لوگ دشمن ہیں، پس ان سے بچو۔ اللہ ان کو ہلاک کرے، وہ کہاں بھرے جاتے ہیں۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ، اللہ کا رسول تمہارے لئے استغفار کرے تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں۔ اور تم ان کو دیکھو گے کہ وہ تکبر کرتے ہوئے بد رخی کرتے ہیں۔ ان کے لئے یکساں ہے، تم ان کے لئے معفرت کی دعا کرو یا معفرت کی دعا نہ کرو، اللہ ہر گز ان کو معاف نہ کرے گا۔ اللہ نافرمان

لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا (المنطقون ص ۶۷)

منافق آدمی مصلحت پرستی کے ذریعہ اپنے مفادات کو محفوظ رکھتا ہے۔ وہ حق ناحق کی بحث میں نہیں پڑتا، اس لئے ہر ایک سے اس کا بھلا ہوتا ہے۔ اس کی زندگی درداور غم سے خالی ہوتی ہے۔ یہ چیزیں اس کے جسم کو فریب بنا دیتی ہیں۔ وہ لوگوں کے مزاج کی رعایت کر کے بولتا ہے۔ اس لئے اس کی باتوں میں ہر ایک اپنے لئے دل چسپی کا سامان پالیتا ہے۔ مگر یہ بظاہر ہرے بھرے درخت جھپٹے صرف سوکھی لکڑی کے مانند ہوتے ہیں جن میں کوئی زندگی نہ ہو۔ وہ اندر سے بزدل ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک ان کا دنیوی مفاد ہر دینی مفاد سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ وہ حق اور ناحق کے معاملہ میں کبھی جرأت مندانہ موقف اختیار نہیں کرتے۔ بلکہ ہمیشہ مصالحانہ انداز اختیار کرتے ہیں تاکہ وہ ہر ایک کی نظر میں اچھے بنے رہیں۔ ایسے لوگ ایمان کے بلند بانگ مدعی ہونے کے باوجود خدا کی ہدایت سے یکسر محروم ہیں۔

منافقانہ روش جھپٹے مصالحانہ روش (compromising behavior) کا دوسرا نام ہے۔ منافق انسان ایک طرف اسلام کے ظاہری اعمال کو اختیار کئے ہوئے ہوتا ہے۔ تاکہ وہ اہل اسلام کو مومن و مسلم دکھائی دے۔ دوسری طرف وہ اہل دنیا کے ساتھ ہمیشہ اس طرح معاملہ کرتا ہے کہ وہ ان کی نظر میں اچھا بنارہے۔ اور کسی سے بھی اس کا ٹکڑا نہ چیش آئے۔ منافق انسان خدا اور رسول کا نام لیتا ہے مگر اس کا مذہب خدا پرستی نہیں ہوتا۔ اس کا حقیقی مذہب مفاد پرستی ہوتا ہے۔ اس کی تمام سرگرمیوں کا مرکز صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کا شخصی مفاد محفوظ رہے۔ دنیا والوں کے درمیان اس کو ہمیشہ عزت کا مقام حاصل رہے۔

83-200

مال اور اولاد

اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائیں۔ اور جو ایسا کرے گا تو وہی گھٹائے میں پڑنے والے لوگ ہیں۔ اور ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں

سے خرچ کر دیا اس سے پہلے کہ تم میں کسی کی موت آجائے۔ پھر وہ کہے کہ اے میرے رب، تو نے مجھے کچھ اور مہلت کیوں نہ دی کہ میں صدقہ کرتا اور نیک لوگوں میں شامل ہو جاتا۔ اور اللہ ہرگز کسی جان کو مہلت نہیں دیتا جب کہ اس کی میعاد آجائے، اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو (المطفون ۹-۱۱) ہر آدمی کے لئے سب سے بڑا مسئلہ آخرت کا مسئلہ ہے۔ مگر مال اور اولاد انسان کو اس سب سے بڑے مسئلے سے غافل کر دیتے ہیں۔ انسان کو جانتا چاہئے کہ مال اور اولاد مقصد نہیں بلکہ ذریعہ ہیں۔ وہ اس لئے کسی کو دئے جاتے ہیں کہ وہ ان کو اللہ کے کام میں لگائے۔ وہ ان کو اپنی آخرت بنانے میں استعمال کرے۔ مگر نادان آدمی ان کو بذات خود مقصود سمجھ لیتا ہے۔ ایسے لوگ جب اپنے آخری انجام کو پہنچیں گے تو وہاں ان کے لئے حسرت و اسوس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ دنیا میں مال اور اولاد اور اس قسم کی دوسری مادی چیزیں جو انسان کو دی گئی ہیں وہ اس کے لئے انعام نہیں ہیں بلکہ وہ اس کے لئے آزمائش ہیں۔ یعنی اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی ان چیزوں کو پا کر اپنے لئے ایک پر راحت زندگی بنائے اور اس میں خوش رہے۔ بلکہ ان میں سے ہر چیز انسان کے لئے امتحان کا پرچہ ہے۔ ان کے ذریعہ انسان کو جانچا جا رہا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ وہ ان چیزوں کو اپنے لئے آزمائش سمجھے نہ کہ نعمت۔ نعمت تو آخرت میں ملے گی۔ موجودہ دنیا جانچنے کی جگہ ہے۔ اور آخرت اس جانچ کے مطابق انعام یا سزا لانے کی جگہ ہے۔

84-281

### تصحیح کائنات

اللہ کی تصحیح کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر چیز جو زمین میں ہے۔ اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لئے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن، اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر پیدا کیا اور اس نے تمہاری صورت بنائی تو نہایت اچھی صورت بنائی۔ اور اسی کی طرف ہے لوٹنا۔ وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور وہ جانتا ہے جو تم

چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔ اور اللہ دلوں تک کی باتوں کا جاننے والا ہے (التغابن ۱-۳)  
 "کائنات اللہ کی تسبیح کر رہی ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جس حقیقت کو قرآن  
 میں کھولا ہے۔ کائنات سر لپاس کی تصدیق بنی ہوئی ہے، وہ زبان حال سے حمد و ستائش کی حد تک  
 اس کی تائید کر رہی ہے۔ اس دو طرفہ اعلان کے باوجود جو لوگ مومن نہ بنیں، اس کے بعد انہیں  
 تیسرے اعلان کا انتظار کرنا چاہئے جب کہ تمام لوگ خدا کے یہاں جمع کئے جائیں گے تاکہ خود  
 مالک کائنات کی زبان سے اپنے بارہ میں آخری فیصلہ کو سنیں۔

انسان کے سوا اس دنیا میں جو چیزیں ہیں، ان میں مومن اور منکر کی تقسیم نہیں۔ یہاں  
 تمام چیزیں اقرار و ایمان کی سطح پر ہی رہتی ہیں۔ یہ صرف انسان کی دنیا ہے جہاں یہ تقسیم دکھائی  
 دیتی ہے۔ یہ تقسیم اس لیے ہے کہ انسان کو قول و عمل کی آزادی دی گئی ہے۔ تاہم یہ آزادی  
 انسان کا حق نہیں۔ اس آزادی کے باوجود انسان کو وہی کرنا ہے جو بقیہ کائنات کر رہی ہے۔ جو  
 لوگ ایمان کریں وہ زندگی کے اگلے دور میں سخت عذاب کے مستحق قرار پائیں گے۔

84-202

پارلور جیت

انکار کرنے والوں نے دعویٰ کیا کہ وہ ہرگز دوبارہ اٹھائے نہ جائیں گے، کہو کہ ہاں، میرے  
 رب کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔ پھر تم کو بتایا جائے گا جو کچھ تم نے کیا ہے، اور یہ اللہ کے لئے  
 بہت آسان ہے۔ پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر اور اس کے نور پر جو ہم نے اتارا ہے۔  
 اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ جس دن وہ تم سب کو ایک جمع ہونے کے دن جمع کرے گا۔  
 یہی دن ہمار جیت کا دن ہوگا، اور جو شخص اللہ پر ایمان لایا ہو گا اور اس نے نیک عمل کیا ہوگا، اللہ اس  
 کے گناہ اس سے دور کر دے گا اور اس کو باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں  
 گی۔ وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہی ہے بڑی کامیابی، اور جن لوگوں نے انکار کیا اور ہماری آیتوں کو  
 جھٹلایا یعنی آگ والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور وہ برا ٹھکانا ہے (التغابن ۷-۱۰)

لوگ دنیا کو ہار جیت (انتخاب) کی جگہ سمجھتے ہیں۔ کسی شخص کو یہاں کامیابی مل جائے تو وہ خوش ہوتا ہے۔ اور جو شخص یہاں ناکامی سے دوچار ہو وہ لوگوں کی نظر میں حقیر بن کر رہ جاتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا کی ہار بھی بے قیمت ہے اور یہاں کی جیت بھی بے قیمت۔

ہار جیت کا اصل مقام آخرت ہے۔ ہارنے والا وہ ہے جو آخرت میں ہارے اور جیتنے والا وہ ہے جو آخرت میں جیتے۔ اور وہاں کی ہار جیت کا معیار بالکل مختلف ہے۔ دنیا میں ہار جیت ظاہری مادیات کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ اور آخرت کی ہار جیت خدا کی اخلاقیات کی بنیاد پر ہوگی۔ اس وقت دیکھنے والے یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ یہاں سارا معاملہ بالکل بدل گیا ہے۔ جس پانے کو لوگ پانا سمجھ رہے تھے وہ دراصل کھوتا تھا۔ اور جس کھونے کو لوگوں نے کھوتا سمجھ رکھا تھا وہی دراصل وہ چیز تھی جس کو پانا کہا جائے۔ اسی دن کی ہار ہار ہے اور اسی دن کی جیت جیت۔

دنیا بھی ہار اور جیت کا میدان ہے اور آخرت بھی ہار اور جیت کا میدان۔ مگر دونوں میں یہ فرق ہے کہ دنیا کی ہار اور جیت دونوں صرف وقتی ہیں۔ جب کہ آخرت کی ہار اور جیت دونوں ابدی ہیں۔ اور اسی کے ساتھ کامل بھی۔

84-203

### معصیت کیوں

جو معصیت بھی آتی ہے اللہ کے لان سے آتی ہے۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ اس کے دل کو روک دیکھاتا ہے، اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اور تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر تم اعراض کرو گے تو ہمارے رسول پر بس صاف صاف پہنچا دیتا ہے۔ اللہ اس کے سوا کوئی اللہ نہیں، اور ایمان لانے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے (انتخابین ۱۱-۱۳)

کوئی معصیت اپنے آپ نہیں آتی، ہر معصیت خدا کی طرف سے آتی ہے، اور اس لئے آتی ہے کہ اس کے ذریعہ سے انسان کو ہدایت عطا کی جائے۔ معصیت آدمی کے دل کو نرم کرتی ہے۔ اور اس کی سوئی ہوئی نفسیات میں الجھل پیدا کرتی ہے۔ معصیت کے جھٹکے آدمی کے ذہن کو جگانے کا کام کرتے ہیں۔

اگر آدمی اپنے آپ کو منفی رد عمل سے بچائے تو مصیبت اس کے لئے بہترین رہبانی معلم بن جائے گی۔

85-204

### نکاح و طلاق

اسے غمگین، جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو ان کی مدت پر طلاق دو اور مدت گنتے رہو، اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے۔ ان عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، الا یہ کہ وہ کوئی کھلی بے حیائی کریں، اور یہ اللہ کی حدیں ہیں، اور جو شخص اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا تو اس نے اپنے اوپر ظلم کیا، تم نہیں جانتے شاید اللہ اس طلاق کے بعد کوئی نئی صورت پیدا کر دے۔ پھر جب وہ اپنے مدت کو پہنچ جائیں تو ان کو یا تو معروف کے مطابق رکھ لویا معروف کے مطابق ان کو چھوڑ دو اور اپنے میں سے دو معتبر گواہ کر لو اور ٹھیک ٹھیک اللہ کے لئے گواہی دو۔ یہ اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے لئے رولہ نکالے گا، اور اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں اس کا مکان بھی نہ گیا ہو، اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے گا تو اللہ اس کے لئے کافی ہے، بے شک اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے، اللہ نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ ٹھہرا رکھا ہے۔ (الطلاق: ۱-۳)

اسلام میں نکاح کی اصل نہلہ ہے۔ تاہم استثنائی طور پر اسلام میں طلاق کی بھی اجازت دی گئی ہے۔ اسلامی طلاق کا ایک مقرر طریق کار ہے جو خاص وقت کے درمیان پورا ہوتا ہے۔ اس طرح طلاق کے عمل کو کچھ حدود کا پابند کر دیا گیا ہے۔ ان حدود کا مقصد یہ ہے کہ فریقین کے درمیان آخر وقت تک واپسی کا موقع باقی رہے۔ اور طلاق کا واقعہ کسی قسم کے خاندانی یا سماجی فساد کا ذریعہ نہ بنے، وہی طلاق اسلامی طلاق ہے جس کے پورے عمل کے دوران خدا کے خوف کی روح جاری و ساری رہے۔ سرکشی اور اتانیت کے تحت دیا ہوا طلاق جائز اسلامی طلاق نہیں۔ ایسا طلاق خولہ قانونی طور پر واقع ہو جائے، وہ ایسے شخص کو خدا کی نظر میں مجرم ثابت کرتا ہے۔ جس کی سزا سے وہ بچ نہیں سکتا، الا یہ کہ وہ تائب ہو اور وہ اپنے جرم کی تلافی کرے۔

83-283

## خاندانی زندگی

تم ان عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہنے ہو اور ان کو تنگ کرنے کے لئے انہیں تکلیف نہ پہنچو، اور اگر وہ حمل والیاں ہوں تو ان پر خرچ کر دیں تاکہ ان کا وضع حمل ہو جائے۔ پھر اگر وہ تمہارے لئے دودھ پلائیں تو ان کی اجرت انہیں دو۔ اور تم آپس میں ایک دوسرے کو بھینسیں سکھو۔ اور اگر تم آپس میں ضد کرو تو کوئی اور عورت دودھ پلائے گی۔ چاہئے کہ وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جس کی آمدنی کم ہو اس کو چاہئے کہ اللہ نے جتنا اس کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے۔ اللہ کسی پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اتنا ہی جتنا اس کو دیا ہے، اللہ سختی کے بعد جلد ہی آسانی پیدا کر دے گا (الطلاق ۶۔)

اسلام میں مطلوب یہ ہے کہ آدمی معاملات میں فریق ثانی کے ساتھ فراخ دلی کا طریقہ اختیار کرے۔ وہ میر کے ساتھ خلاف مزاج باتوں کو ہے۔ ناگوار یوں کے باوجود دوسرے کا حق لو اکرے۔ جب آدمی ایسا کرتا ہے تو وہ صرف فریق ثانی کے لئے اچھا نہیں کرتا بلکہ خود اپنے لئے بھی اچھا کرتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے اندر حقیقت پسندی کا مزاج پیدا کرتا ہے اور حقیقت پسندی کا مزاج بلاشبہ اس دنیا میں کامیابی کا سب سے بڑا راز ہے۔

گھر کی زندگی باہر کی سماجی زندگی کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے۔ گھر کے اندر وہ سب کچھ چھوٹے پیمانے پر پیش آتا ہے جو باہر کی سماجی زندگی میں زیادہ بڑے پیمانے پر پیش آتا ہے۔ اس اعتبار سے گھر کو ایک تربیت گاہ ہے۔ جو آدمی اپنے گھر کی زندگی میں صحیح انسان ثابت ہو وہ یقینی طور پر وسیع تر سماجی زندگی میں بھی صحیح انسان ثابت ہوگا۔

88-288

## عذاب سے نجات

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھروالوں کو اس آگ سے بچو جس کا ایحدہ من آدمی

اور پتھر ہوں گے۔ اس پر تمہارا زبردست فرشتے مقرر ہیں۔ اللہ ان کو جو حکم دے اس میں وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اور وہ وہی کرتے ہیں جس کا ان کو حکم ملتا ہے۔ اے لوگوں جنہوں نے انکار کیا، آج عذر نہ پیش کرو، تم وہی بدلہ میں پارہے ہو جو تم کرتے تھے۔ (التحریم ۷۶۔۷۷)

موجودہ دنیا میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایک چیز کو حق سمجھتا ہے، مگر بیوی بچوں سے بڑھا ہوا تعلق اس کو مجبور کرتا ہے کہ وہ حق کے طریقہ کو چھوڑ دے اور وہی کرے جو اس کے بیوی بچے چاہتے ہیں۔ مگر یہ زبردست بھول ہے۔ انسان کو یاد رکھنا چاہئے کہ آج جن بچوں کی رعایت کرنے میں وہ اس حد تک جاتا ہے کہ حق کی رعایت کرنا بھول جاتا ہے، وہ بچے اپنی اس روش کے نتیجے میں کل ایسے جہنمی کارندوں کے حوالے کئے جائیں گے جو مشینی انسان (Robot) کی طرح بے رحم ہوں گے اور ان کے ساتھ کسی قسم کی کوئی رعایت نہیں کریں گے۔

حق مکمل طور پر واضح ہے۔ انسان کی فطرت اور خدا کی وحی دونوں اس کی صداقت کا غیر مبہم اعلان کر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں انسان کا کوئی بھی عذر قابل لحاظ نہیں۔ دنیا میں جھوٹے عذرات (excuses) کی بنا پر انسان حق سے انحراف کرتا ہے۔ مگر آخرت میں اس پر مکمل جائے گا کہ اس کا کیس سرکشی کا کیس تھا نہ کہ عذر کا کیس۔

۷۷-۲۵۷

### آخرت کی روشنی

اے ایمان والو، اللہ کے آگے سچی توبہ کرو۔ امید ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ جس دن اللہ نبی کو اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہیں کرے گا۔ ان کی روشنی ان کے آگے اور ان کے دائیں طرف دوڑ رہی ہوگی۔ وہ نہ رہے ہوں گے کہ اے ہمارے رب ہمارے لئے ہماری روشنی کو کابل کر دے اور ہماری مغفرت فرما لے۔ (التحریم ۸)

موجودہ دنیا میں انسان کو آزمائشی حالات میں رکھا گیا ہے۔ اس لئے انسان سے غلطیاں

بھی ہوتی ہیں۔ اس کی ستانی کے لئے توبہ ہے۔ یعنی اللہ کی طرف رجوع کرنا۔ توبہ کی اصل حقیقت شرمندگی ہے۔ آدمی کو اگر واقف اپنی غلطی کا احساس ہو تو وہ سخت شرمندہ ہو گا اور اس کی شرمندگی اس کو مجبور کرے گی کہ وہ آئندہ ایسا فعل نہ کرے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ شرمندگی ہی توبہ ہے (النعم توبہ)۔ ایک صحابی نے کہا کہ مجی توبہ یہ ہے کہ آدمی رجوع کرے اور پھر اس فعل کو نہ دہرائے (عوب نم لا یعود)۔

توبہ وہ ہے جو مجی توبہ (توبۃ النصوح) ہو۔ محض الفاظ دہراوینے کا نام توبہ نہیں۔ حضرت علی نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنی کسی غلطی کے بعد زبان سے توبہ توبہ کہ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ جمونے لوگوں کی توبہ (توبۃ الکاذبین) ہے۔ مجی توبہ آخرت کی روشنی ہے اور جمونی توبہ آخرت کا اندھیرا۔

67-208

### انسان اور بقیہ کائنات

بڑا ہارکت ہے وہ جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تم کو جانچے کہ تم میں سے کون اچھا کام کرتا ہے، اور وہ زبردست ہے، بجٹنے والا۔ جس نے بنائے سات آسمان اوپر تلے، تم رخن کے بنانے میں کوئی غلط نہیں دیکھو گے۔ پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لو، کہیں تم کو کوئی نظر آتا ہے۔ پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھو، نگاہ نام تک کر تمہاری طرف داپس آجائے گی۔ (الملك ۱۳)

جب ایک شخص موجود دنیا کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کو یہاں ایک تضاد نظر آتا ہے۔ انسان کے سوا جو بقیہ کائنات ہے وہ انتہائی حد تک منظم اور کامل ہے۔ اس میں کہیں بھی کوئی نقص نظر نہیں آتا۔ اس کے برعکس انسانی زندگی میں ظلم و فساد کھائی دیتا ہے۔ اس کی وجہ انسان کی غلیظہ نوعیت ہے۔ انسان اس دنیا میں حالت امتحان میں ہے۔ امتحان لازمی طور پر عمل کی آزادی چاہتا ہے۔ اسی عمل کی آزادی نے انسان کو یہ موقع دیا کہ وہ دنیا میں ظلم و فساد کر سکے۔

انسانی دنیا کا ظلم انسانی آزادی کی قیمت ہے۔ اگر یہ حالات نہ ہوں تو ان قیمتی انسانوں کا احتساب کیسے کیا جائے گا۔ جنہوں نے ظلم کے مواقع پاتے ہوئے ظلم نہیں کیا۔ جنہوں نے سرکشی کی طاقات رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو سرکشی سے بچائے رکھا۔

67-288

### سجرائے کا تم کرنا

کیا جو شخص لوٹہ سے منہ چل رہا ہے وہ زیادہ صحیح راہ پانے والا ہے یا وہ شخص جو سیدھا ایک سراط مستقیم پر چل رہا ہے۔ کہو کہ وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے لئے کان اور آنکھ اور دل بنائے۔ تم لوگ بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔ کہو کہ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلا لیا اور تم اسی کی طرف اٹھنا کئے جاؤ گے۔ (الملک ۲۲-۲۴)

انسان کو سننے اور دیکھنے اور سوچنے کی صلاحیتیں دی گئی ہیں۔ اب کوئی انسان وہ ہے کہ جو کچھ اس نے سنا اسی پر چل پڑا۔ جو دیکھا اس کو بس اس کے ظاہر کے اعتبار سے مان لیا۔ جو بات آپک بار ذہن میں آگئی اسی پر جم گیا۔ یہ انسان وہ ہے جو جانوروں کی طرح سر جھکائے ہوئے بس ایک ڈاگر پر چلا جا رہا ہے۔

دوسرا انسان وہ ہے جو سنی ہوئی بات کی تحقیق کرے۔ جو دیکھی ہوئی بات کو یعنی صحت کے ساتھ جاننے کی کوشش کرے۔ جو اپنے ذہنی خول سے باہر نکل کر سچائی کو دریافت کرے۔ یہ دوسرا انسان وہ ہے جو سیدھا ہو کر ایک ہموار راستے پر چلا جا رہا ہے۔ جس دھرونگو کو کی صلاحیت آدمی کو اس لئے دی گئی ہے کہ وہ حق کو پہچانے نہ یہ کہ وہ اندھے بہرے کی طرح اس سے بے خبر رہے۔

68-210

### اعلیٰ اخلاق

نہ قسم ہے ظلم کی اور جو کچھ لوگ لکھتے ہیں۔ تم اپنے رب کے فضل سے دیوانے نہیں بنو۔ اور بے شک تمہارے لئے اجر ہے کبھی ختم نہ ہونے والا۔ اور بے شک تم ایک اعلیٰ اخلاق پر

ہو۔ پس عنقریب تم دیکھو گے اور وہ بھی دیکھیں گے، کہ تم میں سے کس کو جتوں تھا۔ تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے، جو اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے۔ اور وہ راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے (القلم اے) اعلیٰ اخلاق سے مراد وہ اخلاق ہے جب کہ آدمی دوسروں کے رویہ سے بلند ہو کر عمل کرے۔ اس کا طریقہ یہ نہ ہو کہ برائی کرنے والوں کے ساتھ برائی اور بھلائی کرنے والوں کے ساتھ بھلائی، بلکہ وہ ہر ایک کے ساتھ بھلائی کرے۔ خواہ دوسرے اس کے ساتھ برائی ہی کیوں نہ کر رہے ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق یہی دوسرا اخلاق تھا۔ اس قسم کا اخلاق ثابت کرتا ہے کہ آپ ایک با اصول انسان تھے۔ آپ کی شخصیت حالات کی پیداوار نہ تھی۔ بلکہ خود اپنے اعلیٰ اصولوں کی پیداوار تھی۔ آپ کا یہ اعلیٰ اخلاق آپ کے اس دعوہ کے عین مطابق ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں۔

والقلم وما یسطرون سے مراد تاریخی ریکارڈ ہے۔ تاریخ کی شکل میں انسانی یادداشت کا جو ریکارڈ جمع ہوا ہے اس میں قرآن ایک استثنائی کتاب ہے۔ اور صاحب قرآن ایک استثنائی شخصیت۔ اس استثناء کی اس کے سوا اور کوئی توجیہ نہیں کی جاسکتی کہ قرآن کو خدا کی کتاب مانا جائے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا پیغمبر۔ کیوں کہ قرآن کا استثنائی طور پر پوری طرح محفوظ رہنا اور پیغمبر کی تعلیمات کا استثنائی طور پر ہر تاریخی جانچ پر پورا اترنا اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ انہیں خدا کی خصوصی تائید حاصل ہو۔

68-211

### پیغمبر کی صداقت

پس نہیں، میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو، اور جن کو تم نہیں دیکھتے ہو۔ بے شک یہ ایک باعزت رسول کا کلام ہے۔ اور وہ کسی شاعر کا کلام نہیں۔ تم بہت کم ایمان لاتے ہو۔ اور یہ کسی کا ہن کا کلام نہیں۔ تم بہت کم غور کرتے ہو۔ خداوند کی طرف سے اتارا ہوا ہے۔ اور اگر وہ کوئی بات گھڑ کر ہمارے اوپر لگاتا تو ہم اس کا وہاں ہاتھ پکڑتے۔ پھر ہم اس کی رنگ دل کاٹ دیتے۔ پھر تم میں سے کوئی اس سے ہم کو روکتے والا نہ ہوتا۔ اور بلاشبہ یہ یاد دہانی ہے اور

والوں کے لئے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ تم میں اس کے جھٹلانے والے ہیں اور وہ منکروں کے لئے  
 بچھتاوا ہے۔ اور یہ یقینی حق ہے۔ پس تم اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کرو۔ (الحاقہ ۳۸-۵۲)  
 جو کچھ تم دیکھتے ہو اور جو کچھ تم نہیں دیکھتے سب اس کلام کی صداقت پر گواہ ہے۔ اس  
 کا مطلب یہ ہے کہ نزول قرآن کے وقت جو معلومات انسان کی دسترس میں آچکی تھیں اور جو بعد  
 کے زمانہ میں اس کی دسترس میں آنے والی تھیں، دونوں اس کلام کی حقانیت ثابت کرنے والی  
 ہیں۔ اس کالم کے برحق ہونے کی تردید نہ حال کا علم کر رہا ہے اور نہ مستقبل کا علم اس کی تردید کر  
 سکے گا۔ اس کے باوجود جو لوگ اس کو نہ مانیں وہ اپنے بارہ میں صرف یہ ثابت کر رہے ہیں کہ وہ  
 حق اور ناسخ کے معاملہ میں سنجیدہ نہیں۔

مگر وہ کوئی بات گمراہ کر لگا تا تو ہم اس کو پکڑتے اور اس کو کاٹ ڈالتے۔ اس ارشاد  
 الہی سے ایک اہم حقیقت مستنبط ہوتی ہے وہ یہ کہ رسول خدا ہونے کا دعویٰ کرنا کوئی آسان بات  
 نہیں۔ یہ بے حد سنگین بات ہے۔ اس دنیا میں کسی غیر پیغمبر کو خدا پر موقیع دینے والا نہیں کہ وہ اپنی  
 زبان سے اس قسم کا غیر معمولی اعلان کرے۔ حتیٰ کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں  
 خدا نے انسان کو فطری طور پر اتنا زیادہ دہشت زدہ کر رکھا ہے کہ پوری تاریخ میں کوئی بھی غیر  
 پیغمبر یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکا کہ ”میں خدا کا پیغمبر ہوں۔“

78-212

جنت کے باشندے

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ سرکش لوگ آخرت میں آگ کے عذاب کی گرفت میں  
 آجائیں گے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا ہے: مگر وہ نمازی جو اپنی نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ اور جن  
 کے مالوں میں سائل اور محروم کا صیغہ حق ہے۔ اور جو انصاف کے دن پر یقین رکھتے ہیں۔ اور جو  
 اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک ان کے رب کے عذاب سے کسی کو بڑھتا ہونا  
 چاہئے۔ اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں سے یا اپنی مملوکہ عورتوں

سے، پس ان پر ان کو کوئی ملامت نہیں۔ پھر جو شخص اس کے علاوہ کچھ اور چاہے تو وہی لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ اور جو اپنی لامتناہی اور اپنے عہد کو نباتے ہیں۔ اور جو اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں۔ اور جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ جنتوں میں عزت کے ساتھ ہوں گے۔ (المجاد ۱۵-۳۵)

ان آجوں میں بتایا گیا ہے کہ وہ کون خوش نصیب لوگ ہیں جو آخرت کی ابدی جنتوں میں بسائے جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں صلاہ (نماز) کے پابند رہے۔ یعنی انہوں نے اپنے رات دن کے اوقات کو خدا کی عبادت کے ماتحت کیا۔ جنہوں نے اپنی پوری زندگی اس طرح گزاری کہ وہ خدا کے آگے بچکے ہوئے تھے۔ اسی طرح ان کا حال یہ تھا کہ انہوں نے جو کچھ کلیا اس کو اپنی ذاتی چیز نہیں سمجھا بلکہ خدا کا حلیہ سمجھا۔ ان کا یہ احساس اس طرح ظاہر ہوا کہ وہ اپنے مال میں خدا کے دوسرے بندوں کو شریک کہتے رہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کی پوری زندگی اس طرح گزری کہ وہ ہر لمحہ اس اندیشہ میں مبتلا رہے کہ وہ مرنے والے ہیں اور مرنے کے بعد انہیں خدا کی عبادت میں اپنے قول و عمل کا حساب دینا ہے۔ اسی طرح انہوں نے اپنے شہوانی جذبات کو پوری طرح قابو میں رکھا۔ اس سلسلہ میں وہ خدا کے حدود سے باہر نہیں گئے۔ اسی طرح ان لوگوں کا حال یہ تھا کہ امت اور عہد کے معاملہ میں پوری طرح ذمہ دار ثابت ہوئے۔ انہوں نے نہ کسی سے خیانت کا معاملہ کیا اور نہ کسی سے بد عہدی کا۔ اسی طرح انہوں نے ہمیشہ اپنی گواہی کے تقاضے کو پورا کیا۔

جو لوگ دنیا میں اس طرح با اصول اور ذمہ دارانہ زندگی گزاریں وہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں جنت کے دروازے کھولے جائیں گے۔

71-218

ان کا پرستی

نوح نے کہا کہ اے میرے رب، انہوں نے میرا کہانہ بنا لیا اور ایسے آدمیوں کی ضروری کی



72-214

## معرفت حق

یہاں تک کہ جب وہ دیکھیں گے اس چیز کو جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے تو وہ جان لیں گے کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کون تعداد میں کم ہے۔ کہو کہ میں نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ قریب ہے یا میرے رب نے اس کے لئے لمبی مدت مقرر کر رکھی ہے۔ غیب کا جاننے والا وہی ہے۔ وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ سو اس رسول کے جس کو اس نے پسند کیا ہو، تو وہ اس کے آگے اور پیچھے محافظ لگا دیتا ہے۔ تاکہ اللہ جان لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دئے ہیں اور وہ ان کے ماحول کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور اس نے ہر چیز کو گن رکھا ہے (الحج ۲۳-۲۸)۔

حق کا دائمی بظاہر ایک عام انسان ہوتا ہے۔ اس لئے وہ لوگ اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں جن کے اوپر اس کی دعوت کی زد پڑتی ہو۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ دائمی حق کے خلاف کارروائی خود خدا کے خلاف کارروائی ہے، اور کون ہے جو خدا کے خلاف کارروائی کر کے کامیاب ہو۔

اس دنیا میں انسان کا سب سے بڑا امتحان یہ ہے کہ وہ اپنے پیچھے ایک انسان کو دائمی حق کے روپ میں پہچانے۔ وہ ایک انسان کو نمائندہ خدا کی حیثیت سے دریافت کرے۔ وہ کسی بادی زور یا تاریخی عظمتوں کے بغیر حق کے علم بردار کا اعتراف کرے۔ انسان کا یہی امتحان پیغمبروں کے دور میں بھی تھا اور اس کا یہی امتحان پیغمبروں کے دور کے بعد بھی باقی ہے، اس فرق کے ساتھ کہ پہلے یہ امتحان پیغمبر کی سطح پر ہوتا تھا اور بعد کو یہ امتحان دائمی حق کی سطح پر ہو گا۔ معرفت حق کے اس امتحان میں پورا اثرے بغیر کسی بھی شخص کی حق پرستی حقیقت نہیں۔

73-215

## قرض حسن

بے شک تمہارا رب جانتا ہے کہ تم دو تہائی رات کے قریب یا آدمی رات یا ایک تہائی

رات قیام کرتے ہو، اور ایک گروہ تمہارے ساتھیوں میں سے بھی۔ اور اللہ ہی رات اور دن کا اعزازہ ٹھہراتا ہے، اس نے جانا کہ تم اس کو پورا نہ کر سکو گے۔ پس اس نے تم پر مہربانی فرمائی، اب قرآن سے پڑھو جتنا تم کو آسان ہو، اس نے جانا کہ تم میں بیمار ہوں گے اور کتنے لوگ اللہ کے فضل کی تلاش میں زمین میں سفر کریں گے اور دوسرے ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ پس اس میں سے پڑھو جتنا تم کو آسان ہو، اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو قرض دو اچھا قرض۔ اور جو بھلائی تم اپنے لئے آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے یہاں موجود پاؤ گے وہ بہتر ہے اور ثواب میں زیادہ، اور اللہ سے معافی مانگو، بے شک اللہ بخشنے والا، مہربان ہے (الزلزلہ ۲۰) دین میں جو قرض اعمال ہیں وہ عام انسان کی استطاعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مقرر کئے گئے ہیں۔ مگر یہ فرائض لازمی حدود کو بتاتے ہیں۔ اس لازمی حد کے آگے بھی مطلوب اعمال ہیں۔ مگر وہ نوافل ہیں۔ مثلاً بیچ وقتہ نمازوں کے بعد تہجد، زکوٰۃ کے بعد حرید انفاق، حج کے بعد عمرہ وغیرہ۔ یہ آدمی کے اپنے حوصلے کا امتحان ہے کہ وہ کتنا زیادہ عمل کرتا ہے اور آخرت میں کتنا زیادہ انعام کا حق بنتا ہے۔ ”قرض جن کا لفظ بتاتا ہے کہ اس معاملہ کا تعلق صرف عبادات سے نہیں ہے بلکہ دوسرے اعمال دین سے بھی ہے۔ مثلاً اخلاقی سلوک میں لوگوں کے ساتھ اس سے زیادہ کرنا جتنا تمہوں نے آپ کے ساتھ کیا ہے۔ اسی طرح دعوتی عمل میں کسی معارفہ کی توقع کے بغیر زیادہ اپنا وقت اور مال خرچ کرنا، وغیرہ۔ چاہو کہ وہ ہے جس کے تمام اعمال میں قرض حسن یا عمل مزید کا یہ روپ مراہت کئے ہوئے ہو۔“

#### 74-218

#### صفات مومن

اے کپڑے میں لپٹنے والے، اٹھ اور لوگوں کو ڈر۔ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر۔ اور اپنے کپڑے کو پاک رکھ۔ اور گندگی کو چھوڑ دے۔ اور ایسا نہ کرو کہ احسان کرو اور بہت بدلہ چاہو اور اپنے رب کے لئے صبر کرو (المدثر ۱۷) اس دنیا میں اصل پیغمبرانہ کام انداز ہے۔ یعنی آخرت میں پیش آنے والے سنگین مسئلہ

سے لوگوں کو آگاہ کرنا۔ یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جس کا دل اللہ کی بڑائی سے لبریز ہو۔ جو اچھے اخلاق کا مالک ہو۔ جو ہر قسم کی برائی سے دور ہو۔ جو بدلہ کی امید کے بغیر ننگی کرے۔ جو دوسروں کی طرف سے پیش آنے والی تکلیفوں پر یک طرفہ صبر کر سکے۔

”ورہلک فکھو“ سے مراد اعلیٰ تکبیر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے دل و دماغ میں خدا کی عظمت کا تصور اتنا زیادہ چھا جائے کہ اس کا اظہار الفاظ کی صورت میں ہونے لگے۔ گویا اس آیت سے مراد وہی چیز ہے جس کو ذکر رب کہا جاتا ہے۔ جب ایک شخص کو خدا کی گہری معرفت ہوتی ہے تو اس کا سینہ خدا کی عظمت و کبریائی سے بھر جاتا ہے۔ اس کی روح خدا کی بڑائی کے احساس میں غرق ہو جاتی ہے۔ اس کی زبان ہمیشہ خدا کے جلال و کمال کے تذکرے سے تر رہتی ہے۔ وہ اپنے اندر سے لے کر باہر تک خدا کی بڑائی کے احساس میں سرشار ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی انسان حقیقی مومن ہے اور ایسا ہی انسان دعوتِ حق کی ذمہ داریوں کو ادا کر سکتا ہے۔

### 75-217

#### نفسِ لوامہ

نہیں، میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی۔ اور نہیں، میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی۔ کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہ کریں گے۔ کیوں نہیں، ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کی پور پور تک درست کر دیں۔ بلکہ انسان چاہتا ہے کہ ڈھٹائی کرے اس کے سامنے۔ وہ پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا۔ پس جب آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔ اور چاند بے نور ہو جائے گا۔ اور سورج اور چاند اکٹھا کر دئے جائیں گے۔ اس دن انسان کہے گا کہ کہاں بھاگوں۔ ہر گز نہیں، کہیں پناہ نہیں۔ اس دن تیرے رب ہی کے پاس ٹھکانا ہے۔ اس دن انسان کو بتایا جائے گا کہ اس نے کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑا۔ بلکہ انسان خود اپنے آپ کو جانتا ہے، چاہے وہ کتنے ہی بہانے پیش کرے۔ (القیامت: ۱-۱۵)

انسان کے اندر پیدا انٹی طور پر یہ شعور موجود ہے کہ وہ برائی اور بھلائی میں تمیز کرے۔ وہ

میں اپنی فطرت کے تحت یہ چاہتا ہے کہ برائی کرنے والے کو سزا ملے اور بھلائی کرنے والے کو انعام دیا جائے۔ یہی وہ شعور ہے جس کو قرآن میں نفس لوامہ کہا گیا ہے۔ یہ نفس لوامہ عالم آخرت کے حقیقی ہونے کی ایک نفسیاتی شہادت ہے۔ اس داخلی شہادت کے بعد جو شخص اس کے تقاضے پورے نہ کرے وہ گویا اپنی ہی مانی ہوئی بات کا انکار کر رہا ہے۔

اس آیت میں نفس لوامہ سے مراد وہی چیز ہے جس کو عام طور پر ضمیر (Conscience) کہا جاتا ہے۔ یہ ضمیر استثنائی طور پر صرف انسان کے اندر موجود ہے۔ حیوانات بھی بظاہر انسان جیسی ایک مخلوق ہیں۔ مگر کسی بھی حیوان کے اندر ضمیر جیسی صفت موجود نہیں۔ انسان کے اندر استثنائی طور پر ضمیر جیسی ایک صفت کا موجود ہونا ثابت کرتا ہے کہ انسان کا معاملہ دوسرے حیوانات سے بالکل مختلف ہے۔ خود اپنے ہی فطری معیار کے مطابق، انسان یہ چاہتا ہے کہ اچھے اور برے کے درمیان فرق کیا جائے۔ اس لئے انسان کے ساتھ اگر احتساب کا معاملہ کیا جائے تو یہ میں وہی معاملہ ہو گا جو اس کی خود اپنی فطرت کا تقاضہ ہے۔

## 78-218

### مقصد حیات

کبھی انسان پر زمانہ میں ایک وقت گزرا ہے کہ وہ کوئی کاغذی ذکر چیز نہ تھا۔ ہم نے انسان کو ایک مخلوق بوجہ سے پیدا کیا، ہم اس کو پلٹتے رہے۔ پھر ہم نے انہیں کوشنے والا، دیکھنے والا بنا دیا۔ ہم نے اس کو راہ بھائی، چاہے وہ شکر کرنے والا بنے یا انکار کرنے والا۔ (الدھر ۱-۳)

قرآن ساتویں صدی عیسوی کے ریلج اول میں اترے۔ اس وقت ساری دنیا میں کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ رحم مادر میں انسان کا آغاز ایک مخلوق نطفہ سے ہوتا ہے۔ یہ صرف بیسویں صدی کی بات ہے کہ انسان نے یہ جاننا کہ انسان (اور حیوان) کا ابتدائی نطفہ دو اجزاء سے مل کر بنتا ہے۔ ایک عورت کا بیضہ (Ovum) اور دوسرے مرد کا نطفہ (Sperm) یہ دونوں خورد بینی اجزاء جب باہم مل جاتے ہیں، اس وقت رحم مادر میں وہ چیز بننا شروع ہوتی جو بالآخر انسان کی صورت اختیار کرتی

ہے۔ ڈیڑھ ہزار سال پہلے قرآن میں نطفہ اشباح (مخلوط نطفہ) کا لفظ آنا اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن خدا کی کتاب ہے۔

قرآن میں اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں۔ مثالیں اپنی استثنائی نوعیت کی بنا پر واضح طور پر قرآن کو خدا کی کتاب ثابت کرتی ہیں۔ اور جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ قرآن خدا کی کتاب ہے تو اس کے بعد قرآن کا ہر بیان مجرد قرآن کا بیان ہونے کی بنیاد پر درست ماننا پڑے گا۔

77-219

باری نعیتیں

بے شک ڈرنے والے سایہ میں اور چشموں میں ہوں گے، اور بچلوں میں جو وہ چاہیں۔  
 مزے کے ساتھ کھاؤ اور پیو۔ اس عمل کے بدلہ میں جو تم کرتے تھے۔ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ خرابی (ویل) ہے اس دن جھلانے والوں کے لئے۔ کھاؤ اور برت لو تو ڈرے دن، بے شک تم گناہ گار ہو۔ خرابی ہے اس دن جھلانے والوں کے لئے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جھکو تو وہ نہیں جھکتے۔ خرابی ہے اس دن جھلانے والوں کے لئے۔ اب اس کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔ (المراست ۴۱-۵۰)

موجودہ دنیا میں خدا کی نعیتیں وقتی طور پر امتحان کی غرض سے رکھی گئی ہیں۔ آخرت میں خدا کی نعیتیں ابدی طور پر زیادہ کامل صورت میں ظاہر ہوں گی۔ آج ان نعیتوں میں ہر ایک حصہ پارہا ہے۔ مگر آخرت کی اعلیٰ نعیتیں صرف ان لوگوں کا حصہ ہوں گی جنہوں نے آزادی کے حالات میں اطاعت کی۔ جو اس وقت جھکے جب کہ وہ جھکنے کے لئے مجبور نہ تھے۔ جو لوگ قول پر جھکیں ان کے لئے جنت ہے اور جو لوگ ویل کو دیکھ کر جھکیں ان کے لئے جہنم۔

78-220

جنت کی دنیا

بے شک ڈرنے والوں کے لئے کامیابی ہے۔ ہلخ اور انگور اور نونہر ہم سن لڑکیاں اور بھرے

ہوئے جام۔ وہاں وہ لغو بات نہ بنیں گے۔ بدلہ تیرے رب کی طرف سے ہوگا۔ ان کے عمل کے حساب سے رحمان کی طرف سے جو آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کا رب ہے، کوئی قدرت نہیں رکھتا کہ اس سے بات کرے۔ جس دن روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے، کوئی نہ یوں لے گا مگر جس کو رحمان اجازت دے، اور وہ ٹھیک بات کہے گا۔ یہ دن برحق ہے، پس جو چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانا بنا لے۔ ہم نے تم کو قریب آجانے والے عذاب سے ڈرایا ہے، جس دن آدمی اس کو دیکھے لگا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھجا ہے۔ اور مگر کہے گا، کاش میں مٹی ہو جا۔ (التبا ۳۱-۳۰)

جنت کا ماحول لغو اور جموٹی باتوں سے پاک ہوگا۔ اس لئے جنت کی لطیف و نفیس دنیا میں بنانے کے لئے صرف وہی لوگ چنے جائیں گے جنہوں نے موجودہ دنیا میں اس اہلیت کا ثبوت دیا ہو کہ وہ لغو اور جموٹ سے دور رہ کر زندگی گزارنے کا ذوق رکھتے ہیں۔

جنت میں کسی شخص کا داخلہ کسی کی سفارش کی بنیاد پر نہیں ہوگا۔ اور نہ وہ کسی دوسری خوش چہمی کی بنیاد پر ہوگا۔ جنت ایک انتہائی نفیس اور لطیف کالونی ہے۔ وہاں کی دنیا میں داخلہ صرف ان انسانوں کے لئے مقدر ہے جو اس کے مطابق لطیف اور نفیس روح لے کر وہاں پہنچیں۔ موجودہ دنیا اسی قسم کے اعلیٰ انسانوں کے انتخاب کے لئے بنائی گئی ہے۔ جو لوگ موجودہ امتحان کی دنیا میں اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کریں گے وہی جنت میں داخلہ کے مستحق قرار پائیں گے۔

79-221

### دنیا کی آزمائش

پھر جب وہ بڑا ہنگامہ آئے گا۔ جس دن انسان اپنے کئے کو یاد کرے گا۔ اور دیکھنے والوں کے سامنے دوزخ ظاہر کر دی جائے گی۔ پس جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی، تو دوزخ اس کا ٹھکانا ہوگا اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا، تو جنت اس کا ٹھکانا ہوگا۔ (النار ۴۳-۴۱)

آدمی دو چیزوں کے درمیان ہے۔ ایک موجودہ دنیا جو سامنے ہے۔ اور دوسرے آخرت کی دنیا

جو غیب میں ہے۔ آدمی کا اصل امتحان یہ ہے کہ وہ موجودہ دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو ترجیح دے مگر یہ کام صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اپنے نفس کی خواہش پر کنٹرول کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔ موجودہ دنیا مختلف قسم کی آزمائشوں سے بھری ہوئی ہے۔ یہ آزمائشیں بار بار انسان کو نفسیاتی خواہشوں کی طرف لے جاتی ہیں۔ جو آدمی دنیا کی رغبتوں میں کھو جائے، وہ اپنے امتحان میں ناکام رہا۔ اس لیے انجام سے وہی شخص بچ سکتا ہے جو آخرت کے دن خدا کی عدالت میں حاضری پر یقین رکھتا ہو۔ یہ یقین اس کو نفسیاتی خواہشوں میں مبتلا ہونے سے بچالے گا۔

88-222

### قیامت کا زلزلہ

پس جب وہ کانوں کو ہیرہ کر دینے والا شور برپا ہوگا۔ جس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے، اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے۔ ان میں سے ہر شخص کو اس دن ایسا ٹھکر لگا ہوگا جو اس کو کسی اور طرف متوجہ نہ ہونے دے گا۔ کچھ چہرے اس دن روشن ہوں گے، ہنستے ہوئے، خوشی کرتے ہوئے۔ اور کچھ چہروں پر اس دن خاک اتر ہی ہوگی، ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی۔ یہی لوگ مگر ہیں، ذہیت ہیں۔ (عبس ۳۳-۳۴)

موجودہ دنیا کے ماحول میں آدمی کو سب سے زیادہ دلچسپی اپنے اہل و عیال سے ہوتی ہے۔ وہ اپنے مادی مفادات کے لئے سب سے زیادہ محبت اپنے دل میں پاتا ہے۔ مگر یہ دلچسپی اور محبت محض غفلت کی وجہ سے ہے نہ کہ شعور کی وجہ سے۔ چونکہ انسان ظاہری حالات کی بنا پر اس حقیقت سے بے خبر ہے کہ وہ ایک عظیم خطرہ کے سامنے کھڑا ہوا ہے۔ وہ مغربِ آخرت کے زلزلہ خیز حالات سے دوچار ہونے والا ہے۔ مستقبل میں پیش آنے والی اس صورت حال سے بے خبری اس کو مادی چیزوں میں مشغول کئے ہوئے ہے۔ اگر اس کو آنے والے زلزلہ کا احساس ہو جائے تو اس کی موجودہ دلچسپیاں اچانک ختم ہو جائیں۔ آج ہی اس کا وہ حال ہو جائے جو کل اس کا حال ہونے والا ہے، اگرچہ کل ہوش میں آنا کسی کو فائدہ دینے والا نہیں۔

81-223

## کائنات کی نشانی

پس نہیں، میں قسم کھاتا ہوں جیسے ہٹے والے، چلنے والے اور چپ جانے والے ستاروں کی۔ اور رات کی جب وہ جانے لگے۔ اور صبح کی جب وہ آنے لگے کہ یہ ایک باعزت رسول کا لایا ہوا کلام ہے۔ قوت والا، عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہے۔ اس کی بات مبنی جاتی ہے، وہ لمانت دار ہے۔ اور تمہارا ساتھی دیوانہ نہیں۔ اور اس نے اس کو کھلے افاق میں دکھا ہے۔ اور وہ غیب کی باتوں کا حریص نہیں۔ اور وہ شیطان مردود کا قول نہیں تم کہہ رہا ہے۔ یہ تو بس عالم دلوں کے لئے ایک نصیحت ہے، اس کے لئے جو تم میں سے پیدا چاہتا ہے۔ اور تم نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ رب العالمین چاہے۔ (الستورہ ۱۵-۲۵)

زمین پر رات دن کا آنا اور انسان کے مشاہدہ میں ستاروں کے مقامات کا بدلنا زمین کی محوری گردش کی بنا پر ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے ان الفاظ کا مطلب یہ ہو گا کہ زمین کی محوری گردش کا نظام اس بات پر گواہ ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور قرآن خدا کا کلام ہے جو فرشتہ کے ذریعہ ان پر اترا ہے۔ زمین کی محوری گردش اس کائنات کا ایک انتہائی نادر اور انتہائی عظیم واقعہ ہے۔ یہ واقعہ گویا ایک ماڈل ہے جو وحی کے معاملہ کو ہمارے لئے قابل فہم بناتا ہے۔ اگر یہ تصور کیجئے کہ زمین اپنے محور پر گردش کرتی ہوئی وسیع خلا میں سورج کے گرد گھوم رہی ہے تو ایسا محسوس ہو گا گویا ریموٹ کنٹرول کا کوئی طاقت ور نظام ہے جو اس کو انتہائی صحت کے ساتھ کنٹرول کر رہا ہے۔ فرشتہ کے ذریعہ ایک انسان اور خدا کے درمیان ربط قائم ہوتا بھی اسی طرح کائناتی اتصال کا ایک واقعہ ہے۔ پہلا واقعہ تمثیل کے روپ میں دوسرے واقعہ کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

82-224

## انسان کا آغاز و انجام

اے انسان تجھ کو کس چیز نے اپنے رب کریم کی طرف سے دعو کے میں ڈال رکھا ہے جس نے تجھ کو پیدا کیا۔ پھر تیرے اعضاء کو درست کیا، پھر تجھ کو مناسب بنایا۔ جس صورت میں

چاہا تم کو تریب دے دیا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ تم انصاف کے دن کو جھٹلاتے ہو۔ حالاں کہ تم پر تمہاں مقرر ہیں۔ معزز لکھنے والے۔ وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔ بے شک نیک لوگ عیش میں ہوں گے۔ اور بے شک گنہگار دو ذبح میں۔ انصاف کے دن وہ اس میں ڈالے جائیں گے۔ وہ اس سے ہدا ہونے والے نہیں۔ اور تم کو کیا خبر کہ انصاف کا دن کیا ہے۔ اس دن کوئی جان کسی دوسری جان کے لئے کچھ نہ کر سکے گی۔ اور معاملہ اس دن اللہ ہی کے اختیار میں ہو گا۔ (الانفطار ۶-۱۹)

انسان کی تخلیق انتہائی استثنائی طور پر ایک بے حد موزوں تخلیق ہے۔ جسمانی بناوٹ اور ذہنی صلاحیت دونوں کے اعتبار سے انسان ایک انوکھا وجود ہے۔ اس قسم کی نادر تخلیق بیک وقت دو باتوں کا ثبوت دے رہی ہے۔ ایک طرف یہ کہ انسان کا خالق ایک بے حد عظیم ہستی ہے۔ خالق اگر بے حد عظیم نہ ہو تو وہ انسان جیسی مخلوق کو وجود میں نہ لاسکے۔

اسی کے ساتھ دوسری اہم حقیقت یہ ہے کہ انسان جیسی ایک مخلوق کی پیدائش بے مقصد نہیں ہو سکتی۔ یعنی طور پر اس تخلیق کا ایک یا معنی مقصد ہے۔ اور وہ با معنی مقصد بھی ہے کہ جو لوگ خالق کے مشاؤ کے مطابق زندگی گذاریں وہ خالق کی طرف سے اعلیٰ انعام پائیں۔ اور جو لوگ خالق سے سرکشی کریں وہ اپنے عمل کے مطابق اس کی سزا سے دوچار ہوں۔

## 82-225

### انصاف کا طریقہ

خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والے کی۔ جو لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں۔ اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں۔ کیا یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ وہ اٹھائے جانے والے ہیں۔ ایک بڑے دن کے لئے جس دن تمام لوگ خدو نہ عالم کے سامنے کھڑے ہوں گے (الطہیف ۱-۶)

دنیا میں آدمی ہر لمحہ اس طرح زندگی گزارتا ہے کہ کبھی وہ کسی سے لیتا ہے اور کبھی وہ کسی کو دیتا ہے۔ یہ لینا اور دینا صرف مالی معاملات میں نہیں ہوتا بلکہ وہ ہر معاملہ میں ہوتا ہے۔ کسی سے کچھ کہنا اور اس سے کچھ سننا، یہ بھی لینا اور دینا ہے۔ کسی کو کچھ دینا اور کسی سے کچھ پانا، یہ بھی لینا

دین ہے۔ کسی سے اپنے لئے امید رکھنا اور کسی کے ساتھ اس کی امید میں پورا اترنا یا نہ اترنا، یہ بھی ایک لین دین ہے۔ فرض ہر لکھ اور ہر معاملہ میں آدمی کسی کو کچھ دینے والا ہوتا ہے اور کسی سے کچھ پانے والا۔ یہ اجتماعی زندگی کا لازمی پہلو ہے۔ کوئی اجتماعی زندگی اس لین دین سے خالی نہیں ہو سکتی۔

اس طرح کے معاملات میں آدمی کو یہ کرنا ہے کہ وہ لیتے اور دینے میں فرق نہ کرے۔ وہ ایسا نہ کرے کہ خود تو دینے کے وقت دوسروں کو برادے اور دوسروں سے ہمیشہ اچھا لیتا چاہے۔ اس قسم کی ناپراہری یا بے انصافی خدا کی شریعت میں حرام ہے۔ اجتماعی زندگی میں اس طرح ناپ اور تول میں فرق کرنے والے خدا کی سخت پکڑ میں آجائیں گے۔ خدا کی رحمت صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو خود بھی دوسروں کے لئے اسی طرح با انصاف ثابت ہوں جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ ان کے ساتھ انصاف کریں۔

## 84-220

### انسان کا معاملہ

اے انسان، تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف جا رہا ہے۔ پھر اس سے ملنے والا ہے۔ تو جس کو اس کا اعمال نامہ اس کے واسطے ہاتھ میں دیا جائے گا، اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔ اور وہ اپنے لوگوں کے پاس خوش خوش آئے گا۔ اور جس کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا، وہ موت کو پکارے گا، اور جہنم میں داخل ہو گا۔ وہ اپنے لوگوں میں بے غم رہتا تھا۔ اس نے خیال کیا تھا کہ اس کو لوٹنا نہیں ہے۔ کیوں نہیں، اس کا رب اس کو دیکھ رہا تھا۔ (الاتفاق ۶-۱۳)

دنیا میں زندگی گزارنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی حقیقت کے بارے میں سنجیدہ ہو۔ جس آدمی کے اندر یہ سنجیدگی ہوگی، اس کی زندگی لازماً مذمہ دارانہ زندگی بن جائے گی۔ وہ اندیشہ کی نفسیات میں جتنے گا۔ کیوں کہ اس کو یہ ڈر ہو گا کہ اگر وہ خدا کی رحمت سے محروم رہ گیا تو اس کے لئے ابدی عذاب کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس کے بکس جو آدمی حقیقت کے بارے میں سنجیدہ نہ ہو، وہ بے فکری کی زندگی گزارے گا۔ وہ کل کے انجام سے غافل ہو کر آج کی دلچسپیوں میں گم رہے گا۔

جو لوگ آج کی لذتوں اور راحتوں میں رہیں وہ کل کے معاملہ سے عاقل ہو جائیں گے۔ اور پھر اس غفلت کا برا نتیجہ آخرت میں بھگتیں گے۔ اس کے برعکس جو لوگ کل کے اندیشہ میں مبتلا ہوں، ان کے لئے موجودہ دنیا فرض کی ادائیگی کی جگہ بن جائے گی نہ کہ عیش و عشرت حاصل کرنے کی جگہ۔ اور ان دو قسم کے انسانوں کا انجام یکساں نہیں ہو سکتا۔

85-227

بڑی کامیابی

جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ستلایا، پھر توبہ نہ کی تو ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے۔ اور ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیا ان کے لئے باغ ہیں۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ بے شک تمہارے رب کی چکڑ بڑی سخت ہے۔ وہی آغاز کرتا ہے اور وہی لوٹائے گا۔ اور وہ بخشنے والا ہے، محبت کرنے والا ہے، عرش بریں کا مالک، کر ڈالنے والا جو چاہے۔ (البروج ۱۰-۱۶)

ایک آدمی کے سامنے حق آئے اور وہ اس کو قبول نہ کرے تو بلاشبہ یہ ایک جرم ہے۔ مگر اس سے بھی زیادہ جرم یہ ہے کہ آدمی حق کے داعی کا دشمن بن جائے۔ وہ اس کے خلاف سازشیں کرے۔ وہ اپنے قول و عمل کی صلاحیت کو اس کے خلاف استعمال کرنے کے لئے سرگرم ہو جائے۔ ایسے لوگ ہمیشہ کے لئے خدا کی رحمتوں سے دور ہو جائیں گے۔

اس کے برعکس جو لوگ حق کی پکار سن کر اس کا اعتراف کریں اپنی زندگیوں کو اس پر ڈھال دیں اور حق کے داعیوں کا ساتھ دے کر اس کے مشن کو مضبوط کریں، وہ اللہ کی بے پناہ رحمتوں کی صورت میں اس کا اجر پائیں گے۔ وہ آخرت کی ابدی جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔

86-228

آدمی کی نگرانی

قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والے کی۔ اور تم کیا جانو کہ وہ رات کو نمودار

ہونے والا کیا ہے، چمکتا ہوا ستارہ۔ کوئی جان ایسی نہیں جس کے اوپر نگہبان نہ ہو (الطارق ا۔ ۴)  
 انسان کے اوپر ستارہ کا چمکتا حتمی رہائی میں اس واقعہ کی یاد دہانی ہے کہ کوئی دیکھنے والا اس  
 کو دیکھ رہا ہے۔ یہ دیکھنے والا انسان کے اعمال کو ریکارڈ کر رہا ہے۔ وہ موت کے بعد دوبارہ انسان کو  
 پیدا کرے گا۔ اور اس سے اس کے تمام اعمال کا حساب لے گا۔ یہ صرف امتحان کی مہلت ہے جو  
 انسان کے درمیان اور اس وقت کے درمیان حد قائل بنی ہوئی ہے۔ امتحان کی مدت ختم ہوتے  
 ہی اس کا وہ انجام سامنے آجائے گا جس سے آج وہ بظاہر بہت دور نظر آتا ہے۔

87-228

### فلاح انسانیت

کامیاب ہوا جس نے اپنے کو پاک کیا۔ اور اپنے رب کا نام لیا۔ پھر نماز پڑھی۔ بلکہ تم نبوی  
 زندگی کو مقدم رکھتے ہو۔ اور آخرت بہتر ہے اور پاکدار ہے۔ یہی اگلے صحیفوں میں بھی ہے،  
 موسیٰ اور ابراہیم کے صحیفوں میں۔ (الاعلیٰ ۱۳-۱۹)

خدا کا دین ہمیشہ سے ایک رہا ہے۔ خدا نے اپنا جو دین قرآن میں ظاہر فرمایا ہے، وہی چھپے  
 پیچھے رہنے کے دور میں بھی تھا۔ پیغمبر اسلام اور چھپے پیغمبروں کے درمیان شریعت اور منہاج  
 (المائدہ ۳۸) کے اعتبار سے جو فرق رہا ہے وہ اضافی ہے نہ کہ حقیقی۔ اس قسم کے اضافی فرق خود  
 ایک ہی پیغمبر کے مختلف احوال میں پائے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر پیغمبر اسلام کے مکی اور مدنی  
 دور میں صلاۃ اور صوم کے احکام میں فرق ہونا وغیرہ۔

خدا کا اصل دین تمام پیغمبروں پر نازل کیا گیا اس کے مطابق فلاح انسانی کا اصل انحصار اسی  
 پر ہے کہ آدمی اپنا ترقی کر کے اپنے آپ کو خدا کا مطلوب بندہ بنائے۔ یہ خود تعمیر کی ایک مہم  
 ہے جس میں وہی لوگ کامیاب ہو سکتے ہیں جو موجودہ دنیا کے وقتی مفادات میں نہ الجھیں اور  
 آئندہ آنے والی آخرت کی دنیا کو اپنی ترجیح بنائیں۔

جو لوگ ایسا کریں، ان کے اندر ایک عظیم روحانی انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔ ان کا سینہ خدا

کی عظمت و جلال کے احساس سے مہر جاتا ہے۔ وہ اپنی اتانیت کو ختم کر کے خدا کے آگے جھک جاتے ہیں، جس کا ایک خارجی مظہر نماز ہے۔

88-230

### گرد و پیش کی نشانیاں

کیا وہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے پیدا کیا گیا۔ اور آسمان کو کہ وہ کس طرح بلند کیا گیا۔ اور پہاڑوں کو کہ وہ کس طرح کھڑا کیا گیا۔ اور زمین کو کہ وہ کس طرح بچھائی گئی۔ پس تم یاد دہانی کرنے والے ہو۔ تم ان پر داروغہ نہیں۔ مگر جس نے روگردانی کی اور انکار کیا۔ تو اللہ اس کو بڑا عذاب دے گا۔ ہماری ہی طرف ان کی واپسی ہے۔ پھر ہمارے ذمہ ہے ان سے حساب لینا۔

(الغاشیہ ۱۷-۲۶)

آدمی دیکھتا ہے کہ اونٹ جیسا عجیب الخلق جانور اس کا مطیع ہے۔ آسمان اپنی ساری عظمتوں کے باوجود انسان کے لئے مسخر ہے۔ زمین ہماری کسی کوشش کے بغیر ہمارے لئے حد درجہ موافق بنی ہوئی ہے۔ یہ واقعات سوچنے والے کو خدا اور آخرت کی یاد دہانی کراتے ہیں۔ جو لوگ دنیا کے اس نظام سے یاد دہانی کی غذائیں انہوں نے اپنے لئے خدا کی ابدی نعمتوں کا استحقاق ثابت کیا۔ اور جو لوگ غفلت میں پڑے ہیں انہوں نے یہ ثابت کیا کہ وہ صرف اس قائل ہیں کہ ان کو ہر قسم کی نعمتوں سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا جائے۔

88-231

### تکلیف اور راحت

انسان کا حال یہ ہے کہ جب اس کا رب اس کو آزماتا ہے اور اس کو عزت اور نعمت دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھ کو عزت دی۔ اور جب وہ اس کو آزماتا ہے اور اس کا رزق اس پر ٹھک کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھ کو ذلیل کر دیا۔ ہرگز نہیں، بلکہ تم جہنم کی عزت نہیں کرتے۔ اور تم مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو نہیں ابھارتے۔ اور تم دراشت

کو سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔ اور تم مال سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہو۔ ہر گز نہیں، جب زمین کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ اور تمہارا رب آئے گا اور فرشتے آئیں گے قطار در قطار۔ اور اس دن جہنم لائی جائے گی۔ اس دن انسان کو سمجھ آئے گی۔ اور اب سمجھنے کا موقع کہاں۔ وہ کہے گا، کاش میں اپنی زندگی میں کچھ آگے بھیجتا۔ پس اس دن نہ تو خدا کے برابر کوئی عذاب دے گا۔ اور نہ اس کے برابر مہنے کے برابر کوئی باندھے گا۔ اے نفس مطمئن، چل اپنے رب کی طرف، تو اس سے راضی ہو، وہ تجھ سے راضی۔ پھر مثال ہو میرے بندوں میں اور داخل ہو میری جنت میں (الفجر ۱۵-۳۰)

دنیا میں آدمی کو دو قسم کے احوال پیش آتے ہیں۔ کبھی پانا اور کبھی محروم ہو جاتا۔ یہ دونوں حالتیں امتحان کے لئے ہیں۔ وہ اس جانچ کے لئے ہیں کہ آدمی کس حالت میں کون سا رد عمل پیش کرتا ہے۔ جس شخص کا معاملہ یہ ہو کہ جب اس کو کچھ ملے تو وہ فخر کرنے لگے اور جب اس سے چھینا جائے تو وہ منفی نفسیات میں مبتلا ہو جائے، ایسا شخص امتحان میں ناکام ہو گیا۔

دوسرا انسان وہ ہے کہ جب اس کو ملا تو اس نے خدا کے سامنے جھک کر اس کا شکر ادا کیا۔ اور جب اس سے چھینا گیا تو دوبارہ اس نے خدا کے آگے جھک کر اپنے عجز کا اقرار کیا۔ یہی دوسرا انسان ہے جس کو یہاں نفس مطمئن کہا گیا ہے، یعنی مطمئن روح۔

نفس مطمئن کا مقام اس شخص کو ملتا ہے جو کائنات میں خدا کی نشانیوں پر غور کرے۔ جو تاریخ کے واقعات سے عبرت و نصیحت کی غذا لے سکے۔ جو اس بات کا ثبوت دے کہ جب اس کی ذات میں اور حق میں ٹکراؤ ہو گا تو وہ اپنی ذات کو نظر انداز کر دے گا اور حق کو قبول کر لے گا۔ جو ایک بار حق کو مان لینے کے بعد پھر اس کو کبھی نہ چھوڑے، خواہ اس کی خاطر اسے اپنے آپ کو پکھلانا پڑے، اور خواہ اس کے نتیجے میں اس کی زندگی ویران ہو جائے۔

98-282

بلند کرداری

نہیں، میں جسم کھاتا ہوں اس شہر کی۔ اور تم اس میں متمم ہو۔ اور قسم ہے ہاپ کی اور اس

کی اولاد کی۔ ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔ کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا زور نہیں۔ کہتا ہے کہ میں نے بہت سامان خرچ کر دیا۔ کیا وہ سمجھتا ہے کہ کسی نے اس کو نہیں دیکھا۔ کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں نہیں دیں۔ اور ایک زبان اور دو ہونٹ۔ اور ہم نے اس کو دونوں راستے بتائے۔ پھر وہ گھائی پر نہیں چڑھا۔ اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ گھائی۔ گردن کو چھڑانا۔ یا بھوک کے زمانہ میں کھلانا۔ قرابت دار یتیم کو مہیا خاک نشین محتاج کو۔ پھر وہ ان لوگوں میں سے ہو جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو صبر کی اور ہمدردی کی نصیحت کی۔ یہی لوگ نصیب والے ہیں۔ اور جو ہماری آیتوں کے منکر ہوئے وہ بد بختی والے ہیں۔ ان پر آگ چھائی ہوگی۔ (البلد ۱۔ ۲۰)

انسان کسی حال میں اپنے آپ کو مشقتوں سے آزاد نہیں کر پاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کسی بالاتر قوت کے ماتحت ہے۔ اسی طرح انسان کی آنکھیں بتاتی ہیں کہ کوئی برتر آنکھ بھی ہے جو اس کو دیکھ رہی ہے۔ انسان کی قوت نطق اشارہ کرتی ہے کہ اس کے اوپر بھی ایک صاحب نطق ہے جس نے اس کے اوپر اپنے نطق کا اظہار کیا۔ اور اس کو ہدایت کا راستہ دکھایا۔ آدمی اگر حقیقی معنوں میں اپنے آپ کو پہچان لے تو یقیناً وہ خدا کو بھی پہچان لے گا۔

خدا نے انسان کو دو قسم کی بلند کرداری کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ ایک انسان کے ساتھ منصفانہ سلوک اور انسان کی ضرورتوں میں اس کے کام آنا۔ دوسری چیز اللہ پر ایمان و یقین ہے۔ یہ ایمان و یقین جب آدمی کے اندر گہرائی کے ساتھ اترتا ہے تو وہ آدمی کی اپنی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ متعدی بن جاتا ہے۔ ایسا انسان دوسروں کو بھی اسی حق پر لانے کی کوشش کرنے لگتا ہے جس کو وہ خود اختیار کئے ہوئے ہے۔

91-233

سہ گانہ رہنمائی

قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ چڑھنے کی۔ اور چاند کی جب کہ وہ سورج کے پیچھے آئے۔ اور دن کی جب کہ وہ اس کو روشن کر دے۔ اور رات کی جب کہ وہ اس کو چھپالے۔ اور

آسمان کی اور جیسا کہ اس کو بتلایا۔ اور زمین کی اور جب کہ اس کو پھیلایا۔ اور جان کی جیسا کہ اس کو ٹھیک کیا۔ پھر اس کو سمجھ دی اس کی ہدی کی اور اس کی نیکی کی۔ کامیاب ہوا جس نے اس کو پاک کیا۔ اور تاراد ہوا جس نے اس کو آلودہ کیا۔ (الغفر ۱-۱۰)

انسان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے سہ گانہ انتظام کیا ہے۔ ایک طرف کائنات اس طرح بنائی گئی ہے کہ خدا کی مرضی کا عملی اظہار بن گئی ہے۔ دوسری طرف انسان کے اندر نیکی اور ہدی کا وجدانی شعور رکھ دیا گیا ہے۔ اس کے بعد مزید اہتمام یہ فرمایا کہ پیغمبروں کے ذریعہ انسان کی قابل فہم زبان میں اس کو یہ بتلایا گیا کہ حق و باطل کیا ہے اور ظلم اور انصاف کیا ہے۔ اس کے بعد بھی جو لوگ رلہ راست پر نہ آئیں وہ بلاشبہ ظالم ہیں۔

92-234

اللہ کی رحمتی

قسم ہے رات کی جب کہ وہ چھا جائے۔ اور دن کی جب کہ وہ روشن ہو اور اس کی جو اس نے پیدا کئے نر اور مادہ۔ کہ تمہاری کوششیں الگ ہیں۔ پس جس نے دیا اور وہ ڈر اور اس نے بھلائی کو سچ جانا۔ تو اس کو ہم آسمان راستے کے لئے سہولت دیں گے اور جس نے بھل کیا اور بے پروا رہا، اور بھلائی کو جھٹلایا، تو ہم اس کو سخت راستہ کے لئے سہولت دیں گے۔ اور اس کا مال اس کے کام نہ آئے گا جب وہ گڑھے میں گرے گا۔ بے شک ہمارے ذمہ ہے راہ بتانا۔ اور بے شک ہمارے اختیار میں ہے آخرت اور دنیا۔ پس میں نے تم کو ڈرا دیا بھڑکتی ہوئی آگ سے۔ اس میں دہی پڑے گا جو بڑا بد بخت ہے۔ جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی۔ اور ہم اس سے بچادیں گے زیادہ ڈرنے والے کو۔ جو اپنا مال دیتا ہے پاکی حاصل کرنے کے لئے اور اس پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ مگر صرف اپنے خدائے برتر کی خوشنودی کے لئے۔ اور عنقریب وہ خوش ہو جائے گا۔ (اللیل ۱-۲۱)

دنیا میں تمام چیزیں جوڑے جوڑے ہیں۔ نر اور مادہ، رات اور دن، مثبت ذرہ اور منفی ذرہ، میٹر اور انٹی میٹر۔ اس دنیا کی ہر چیز اپنے جوڑے کے ساتھ مل کر اپنے مقصد کو پورا کرتی ہے۔ یہ

واضح طور پر اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کائنات میں مقصدیت ہے۔ ایسی مقصد کائنات میں یہ ناممکن ہے کہ یہاں اچھا عمل اور برا عمل دونوں بالکل یکساں انجام پر ختم ہو۔ کائنات اپنے خالق کا جو تعارف کر رہی ہے اس سے یہ بات مطابقت نہیں رکھتی۔

اللہ کا تعلق اپنے بندوں سے صرف حاکم کا نہیں، بلکہ مددگار کا بھی ہے۔ وہ اپنے ان بندوں کا راستہ ہموار کرتا ہے جو اس کی طرف چلنا چاہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ سرکشسی کا راستہ اختیار کریں وہ انہیں سرکشسی کے راستہ پر دوڑنے کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔

93-235

خدا کی مدد

قسم ہے روز روشن کی۔ اور رات کی جب وہ چھا جائے۔ تمہارے رب نے تم کو نہیں چھوڑا، اور نہ وہ تم سے بیزار ہو۔ اور یقیناً آخرت تمہارے لئے دنیا سے بہتر ہے۔ اور عنقریب اللہ تمہ کو دے گا۔ پھر تو راضی ہو جائے گا۔ کیا اللہ نے تم کو یتیم نہیں پایا پھر ٹھکانا دیا۔ اور تم کو حلاشی پایا تو راد کھائی۔ اور تم کو نادار پایا تو تم کو غنی کر دیا۔ پس تم یتیم پر سختی نہ کرو۔ اور تم سائل کو نہ جھڑکو۔ اور تم اپنے رب کی نعمت بیان کرو۔ (الفصحی ۱۱۱)

اس دنیا کا نظام اس طرح بنا ہے کہ یہاں دن بھی آتا ہے اور رات بھی۔ دونوں کے ملنے سے یہاں کا نظام مکمل ہوتا ہے۔ اس طرح انسان کے ارتقاء کے لئے بھی سختی اور نرمی دونوں کا پیش آنا ضروری ہے۔ اس دنیا میں ایک بندہ خدا کے ساتھ سختی کے حالات اس لئے پیش آتے ہیں کہ اس کی چھپی ہوئی صلاحیتیں بیدار ہوں۔ اس کی رگوں میں رکاوٹیں اس لئے ڈالی جاتی ہیں تاکہ اس کا مستقبل اس کے حال سے زیادہ بہتر ہو سکے۔

رسول اللہ ﷺ یتیم پیدا ہوئے۔ پھر اللہ نے آپ کو بہترین سرپرست عطا فرمایا۔ آپ تلاش حق میں سرگرداں تھے۔ پھر اللہ نے آپ کے لئے حق کا دروازہ کھول دیا۔ آپ بظاہر بے مال تھے، پھر اللہ نے آپ کو آپ کی اہلیہ (خدیجہ) کے ذریعہ صاحب مال بنا دیا۔ یہ صرف ایک انفرولی

مثال نہیں بلکہ اس کا ایک عمومی پہلو بھی ہے۔ یہ مثال بتاتی ہے کہ اللہ کس طرح اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ وہ ہر معاملہ میں اس انسان کی مدد کرتا ہے جو اس سے مدد کا طالب ہو۔

84-238

عسر میں نسر

کیا ہم نے تمہارا سینہ تمہارے لئے کھول نہیں دیا۔ اور تمہارا وہ بوجھ اتار دیا جس نے تمہاری پیٹھ جھکا دی تھی۔ اور ہم نے تمہارے ذکر کو بلند کیا۔ پس مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ پھر جب تم فارغ ہو جاؤ تو محنت کرو اور اپنے رب کی طرف توجہ رکھو (الانشریح ۸۱) رسول اللہ صلی علیہ وسلم حقیقت جاننے کے لئے مضطرب تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حقیقت کا علم دے کر آپ کی تلاش کو معرفت میں تبدیل کر دیا۔ حقائق کی معرفت کے لئے آپ کا سینہ کھول دیا پھر آپ نے مکہ میں توحید کی دعوت شروع کی تو ظاہر سخت مخالفتوں کا سامنا پیش آیا۔ مگر انہیں مخالفتوں کے ذریعہ یہ ہوا کہ آپ کا حق چاہنے والے ملک میں پھیل گیا۔

یہی موجودہ دنیا کے لئے اللہ کا قانون ہے۔ یہاں ابتداء انسان کے ساتھ عسور کے حالات پیش آتے ہیں۔ لیکن اگر وہ صبر کے ساتھ اس پر جمار ہے تو یہ عسور اس کے لئے نفع دہسور تک پہنچنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ اللہ کی طرف دیکھے، وہ اپنی استطاعت کے بقدر اپنی جدوجہد کو برابر جاری رکھے۔ وہ کسی حال میں بھی مایوسی کا شکار نہ ہو۔

85-237

غیبروں کی تاریخ

قسم ہے تمہن کی اور زیتون کی۔ اور طور سینا کی۔ اور اس امن والے شہر کی۔ ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔ پھر اس کو سب سے نیچے پھینک دیا۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے تو ان کے لئے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔ تو اب کیا ہے جس سے تم بدلے ملنے کو جھٹلاتے ہو۔ کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں۔ (التین ۸۱)

تین اور زینون دو پہاڑوں کے نام ہیں جن کے قریب بیت المقدس واقع ہے۔ یعنی حضرت مسیح کا مقام عمل۔ طور سینین سے مراد وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰ پر خدا نے براہ راست وحی فرمائی۔ بلد امین سے مراد مکہ ہے جہاں پیغمبر اسلام مبعوث ہوئے۔ یہ تینوں مقامات پیغمبروں کی تاریخ کو یاد دلاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یہ صلاحیتیں اس لئے ہیں کہ انسان پیغمبروں کے ذریعہ ظاہر کئے جانے والے حق کو پہچانے اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق بنائے۔ جو لوگ ایسا کریں وہ عزت اور بلندی کا ابدی مقام پائیں گے۔ اس کے برعکس جو لوگ اپنی خدا داد صلاحیتوں کو خدا کی مرضی کے تابع نہ کریں، ان سے موجودہ نعمتیں بھی چھین لی جائیں گی اور کامل محرومی کے سوا کوئی چکھ نہ ہوگی جہاں ان کو ٹھکانا مل سکے۔ پیغمبروں کی بعثت اور پیغمبروں کے ذریعہ ظاہر ہونے والے نتائج اس کی صداقت کی گواہی دیتے ہیں۔

95-238

### قرأت و قلم

پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا انسان کو خلق سے۔ پڑھ اور صحرا  
 رب بڑا کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم سے۔ انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ جانتا نہ تھا (العلق ۱-۵)  
 انسان کو اللہ تعالیٰ نے معمولی مادی اجزاء سے پیدا کیا۔ پھر اس کو یہ نادر صلاحیت دی کہ وہ پڑھے اور الفاظ کے ذریعہ معانی کا ادراک کر سکے۔ پھر انسان کو یہ مزید صلاحیت دی گئی کہ وہ قلم کو استعمال کرے اور اس طرح اپنے علم کو دونوں اور محفوظ کر سکے۔ قرأت کی صلاحیت اگر آدمی کو خود پڑھنے کے قابل بناتی ہے تو قلم اس کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ اپنے علم کو وسیع پیمانہ پر دوسروں تک پہنچا سکے۔  
 قرأت اور قلم کی یہ صلاحیت انسان کو خصوصی طور پر اس لئے دی گئی ہے تاکہ اس کے درمیان علم و تحقیق کی سرگرمیاں جاری ہوں۔ وہ حقیقت کو دریافت کرے۔ اور پھر اس کو تمام انسانیت تک پہنچائے۔

97-239

## شب قدر

ہم نے اس کو اتارا ہے شب قدر میں۔ اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر ہزار  
مختوں سے بہتر ہے۔ فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کی اجازت سے اترتے ہیں ہر حکم لے کر۔  
وہ رات سراسر سلامتی ہے، صبح نکلنے تک (القدر ۱-۵)

سال کی ایک خاص رات (غالباً ماہ رمضان کے اخیر عشرہ کی کوئی رات) اللہ تعالیٰ کے یہاں  
سالانہ فیصلہ کی رات ہے۔ دنیا کے انتظام کے متعلق جو کام اس سال کے لئے مقدر ہیں ان کے نفاذ کی  
تعیین کے لئے اس رات کو فرشتے اترتے ہیں۔ اسی قسم کی ایک خاص رات میں قرآن کا نزول شروع ہوا۔  
بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس رات کو زمین پر فرشتوں کی کثرت ہوتی ہے۔ اس سے  
زمین پر خاص طرح کا روحانی ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔ اب جو لوگ اپنے اندر روحانیت بیدار کئے  
ہوئے ہوں وہ اس سے متاثر ہوتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں ان کے اندر غیر معمولی روحانی تاثیر  
پیدا ہو جاتی ہے جو ان کے دینی عمل کی قدر و قیمت عام حالات سے بہت زیادہ بڑھاتی ہے۔

شب قدر سے فیض پانے کا معاملہ دن اور تاریخ کی نسبت سے نہیں ہے۔ بلکہ اس کا انحصار  
ذاتی استعداد پر ہے۔ استعداد کے بغیر کوئی شخص شب قدر کی رحمتوں کو نہیں پاسکتا۔ ٹھیک اسی طرح  
جیسے سورج کے نکلنے کے بعد اس کی روشنی سے صرف آنکھ والے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ بے  
آنکھ والے لوگ روشن سورج کے طلوع ہونے کے بعد بھی اس کے فائدہ سے محروم رہیں گے۔

98-240

## دینِ قسم

وہ متفرق نہیں ہوئے جن کو کتاب دی گئی تھی مگر واضح دلیل آجانے کے بعد۔ حالانکہ  
ان کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں۔ اس کے لئے دین کو خالص کر دیں، یکسو ہو کر اور  
نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، اور یہی درست دین ہے۔ (المیہ ۴-۵)

خدا کا دینِ قیم یہ ہے کہ آدمی ایک اللہ کی عبادت کرے۔ وہ دل سے اس کا چاہنے والا بن جائے۔ وہ نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے۔ یہی خدا کی طرف سے آنے والا اصل دین ہے۔ سب سے اچھے لوگ وہ ہیں جو اس دینِ قیم کو اختیار کریں اور سب سے برے لوگ وہ ہیں جو اس دینِ قیم کو اختیار نہ کریں یا اس کے سوا کوئی اور دین وضع کریں اور اس خود ساختہ دین کو دینِ قیم کا نام دے دیں۔

99-241

قیامت کا زلزلہ

جب زمین شدت سے ہلا دی جائے گی۔ اور زمین اپنا بوجھ نکال کر باہر ڈال دے گی۔ اور انسان کہے گا کس کو کیا ہوا۔ اس دن وہ اپنے حالات بیان کرے گی۔ کیوں کہ تمہارے رب کا اس کو یہی حکم ہو گا۔ اس دن لوگ الگ الگ ٹکلیں گے تاکہ ان کے اعمال انہیں دکھائے جائیں۔ پس جس شخص نے ذرہ برابر نیکی کی ہو گی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس شخص نے ذرہ برابر بدی کی ہو گی وہ اس کو دیکھ لے گا۔ (الزلزال - ۸)

قیامت کا زلزلہ مدتِ امتحان کے ختم ہونے کا اعلان ہو گا۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اب لوگوں سے وہ آزادی چمن گئی جو امتحان کی مصلحت کی بنا پر انہیں حاصل تھی۔ اب وہ وقت آ گیا جب لوگوں کو ان کے عمل کا بدلہ دیا جائے۔ آج خدا کی دنیا بظاہر خاموش ہے مگر جب حالات بدلیں گے تو یہاں کی ہر چیز بولنے لگے گی۔ موجودہ دہانہ کی ایجادات نے ثابت کیا ہے کہ بے جان چیزیں بھی ”بولنے“ کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ اسٹوڈیو میں کئے ہوئے عمل کو قلم اور ریکارڈ پوری طرح دہرا دیتے ہیں۔ اسی طرح موجودہ دنیا گویا بہت بڑا خدائی اسٹوڈیو ہے اس کے اندر انسان جو کچھ کرتا ہے یا جو کچھ بولتا ہے وہ سب ہر لمحہ محفوظ ہو رہا ہے۔ اور جب وقت آئے گا تو ہر ایک کی کہانی کو یہ دنیا اس طرح دہرا دے گی کہ اس کی کوئی بھی بات اس سے بچی ہوئی نہ ہو گی، خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی۔

100-242

ہاشکری نہیں

قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں۔ پھر تاپ مار کر چنگاری نکالنے والے۔

پھر صبح کے وقت چھاپا مارنے والے۔ پھر اس میں غبار اڑانے والے۔ پھر اس وقت فوج میں گھس جانے والے۔ بے شک انسان اپنے رب کا شکر ہے۔ اور وہ خود اس پر گواہ ہے۔ اور وہ مال کی محبت میں بہت شدید ہے۔ کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب وہ قبروں سے نکالا جائے گا۔ اور نکالا جائے گا جو کچھ دلوں میں ہے۔ بے شک اس دن ان کا رب ان سے خوب باخبر ہوگا۔ (الغلدیت ۱-۱۱)

گھوڑا ایک نہایت وفادار جانور ہے۔ وہ اپنے مالک کے لئے اپنے آپ کو آخری حد تک قربان کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ جنگ کے میدان میں بھی وہ اپنے مالک کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ یہ گویا ایک علامتی مثال ہے جو انسان کو بتاتی ہے کہ اسے کیسا بننا چاہئے۔ انسان کو بھی اپنے رب کا اسی طرح وفادار بننا چاہئے جیسا کہ گھوڑا انسان کا وفادار ہوتا ہے۔ مگر عملاً ایسا نہیں۔

اس دنیا میں جانور اپنے مالک کا شکر گزار ہے مگر انسان اپنے رب کا شکر گزار نہیں۔ یہاں جانور اپنے مالک کا حق پہچانتا ہے مگر انسان اپنے رب کا حق نہیں پہچانتا۔ یہاں جانور اپنے مالک کی اطاعت میں سرگرم ہے۔ مگر انسان اپنے رب کی اطاعت میں سرگرم نہیں۔

انسان اسی جانور کی قدر کرتا ہے جو اس کا وفادار ہو۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ وہ اس راز کو نہ جانے کہ خدا کے یہاں وہی انسان قابل قدر نظمرے گا جو خدا کی نظر میں اس کا وفادار ثابت ہو۔ مگر مال کی محبت اس کو اندھا بنا دیتی ہے۔ وہ ایک ایسی حقیقت کو جاننے سے محروم رہتا ہے جس کو وہ خود اپنے قریبی حالات میں تجربہ کر چکا ہے۔

105-243

عمل کا وزن

کھڑکھڑانے والی۔ کیا ہے کھڑکھڑانے والی۔ اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی۔ جس دن لوگ پتنگوں کی طرح کھرنے ہوئے ہوں گے۔ اور پہاڑ ٹھکی ہوئی رتھیں اون کی طرح ہو جائیں گے۔ پھر جس شخص کا پہلہ بھاری ہو گا وہ دل پسند آرام میں ہوگا۔ اور جس شخص کا پہلہ ہٹا ہوگا

تو اس کا ٹھکانا گڑھا ہے۔ اور تم کیا جانو کہ وہ کیا ہے، بھڑکتی ہوئی آگ (القارۃ ۱۱)۔

قیامت کا بھونچال ہر چیز کو توڑ پھوڑ کر رکھ دے گا۔ لوگوں کے تمام استحکامات درہم برہم ہو جائیں گے۔ اس کے بعد ایک نیا عالم بنے گا جہاں سارا وزن صرف حق میں ہوگا، بقیہ تمام چیزیں اپنا وزن کھودیں گے۔ موجودہ دنیا میں انسانوں کی پسند کا رواج ہے۔ یہاں انسانوں کی نسبت سے چیزوں کا وزن قائم ہوتا ہے۔ آخرت کی دنیا خدا کی دنیا ہے۔ وہاں خدا کی پسند کے اعتبار سے ایک چیز وزن دار ہوگی اور دوسری چیز بالکل بے وزن ہو کر رہ جائے گی۔

دنیا میں اعمال کا وزن ظاہر کے اعتبار سے ہوتا ہے، آخرت میں اعمال کا وزن ان کی اندرونی حقیقت کے اعتبار سے ہوگا۔ جس آدمی کے عمل میں جتنا زیادہ اخلاص ہوگا اتنا ہی زیادہ وہ وزنی قرار پائے گا۔ جو عمل اخلاص سے خالی ہو وہ آخرت میں بالکل بے وزن ہو کر رہ جائے گا۔ خواہ موجودہ دنیا میں ظاہر میں کو وہ کتنا ہی زیادہ ہا وزن دکھائی دیتا رہا ہو۔

102-244

دنیا کی دوڑ

بہتات کی حرص نے تم کو غفلت میں رکھا۔ یہاں تک کہ قبروں میں جا پہنچے۔ ہر گز نہیں، تم بہت جلد جان لو گے۔ پھر ہر گز نہیں، تم بہت جلد جان لو گے۔ ہر گز نہیں۔ اگر تم یقین کے ساتھ جانتے کہ تم ضرور دوڑ کر دو دیکھو گے۔ پھر تم اس کو یقین کی آنکھ سے دیکھو گے۔ پھر اس دن تم سے نعمتوں کے بارہ میں پوچھ ہو گی۔ (الحکاثر ۸)۔

آدمی چاہتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ مال کمائے۔ وہ زیادہ سے زیادہ ساز و سامان اپنے پاس جمع کرے۔ وہ اسی دھن میں لگا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کی موت آجاتی ہے۔ اس وقت اس کو معلوم ہوتا ہے کہ جمع کرنے کی چیز تو دوسری تھی اور میں کسی اور چیز کو جمع کرنے میں مصروف رہا۔ دنیا کی چیزوں کا اضافہ صرف آدمی کی مسئولیت کو بڑھاتا ہے۔ اور آدمی اپنی نادانی سے یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنی کامیابی میں اضافہ کر رہا ہے۔ بلاشبہ اس سے بڑی بھول اور کوئی نہیں۔

103-245

زمانہ گواہ ہے

قسم ہے زمانہ کی۔ بے شک انسان گھانٹے میں ہے۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیا اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی (العصر۔ ۲)

آدمی ہر لمحہ اپنی موت کی طرف جا رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اگر اپنی مہلت عمر کو استعمال نہ کرے تو آخر کار اس کے حصہ میں جو چیز آئے گی وہ صرف ہلاکت ہے۔ کامیاب ہونے کے لئے آدمی کو خود عمل کرنا ہے۔ جب کہ ناکامی کے لئے کسی عمل کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنے آپ اس کی طرف بھاگی چلی آ رہی ہے۔

ایک بزرگ نے کہا کہ سورہ عصر کا مطلب میں نے ایک برف بیچنے والے سے سمجھا جو بازار میں آواز لگا رہا تھا کہ لوگو، اس شخص پر رحم کرو جس کا لاشہ گھل رہا ہے۔ لوگو، اس شخص پر رحم کرو جس کا لاشہ گھل رہا ہے۔ اس پکار کو سن کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ جس طرح برف پگھل کر کم ہوتی رہتی ہے اسی طرح انسان کو ملی ہوئی عمر بھی تیزی سے گزر رہی ہے۔ عمر کا موقع اگر بے عملی یا برے کاموں میں کھو دیا جائے تو یہی انسان کا گھانا ہے۔ (تفسیر کبیر امام رازی)

اپنے وقت کو صحیح استعمال کرنے والا وہ ہے جو موجودہ دنیا میں تین باتوں کا ثبوت دے۔ ایک، ایمان، یعنی حقیقت کا شعور اور اس کا اعتراف۔ دوسرے عمل صالح، یعنی وہی کرنا جو کرنا چاہئے اور وہ نہ کرنا جو نہیں کرنا چاہئے۔ تیسرے حق و صبر کی تلقین۔ یعنی حقیقت کا اتنا گہرا ادراک کی آدمی اس کا داعی اور مبلغ بن جائے۔

104-246

جانی کاراستہ

جانی ہے ہر طعنہ دینے والے، عیب نکالنے والے کی۔ جس نے مال کو سمیٹا اور گن گن کر رکھا۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا۔ ہر گز نہیں۔ وہ پھینکا جائے گا

روند نے والی جگہ میں اور تم کیا چالو کہ وہ روند نے والی جگہ کیا ہے۔ اللہ کی بھڑکانی ہوئی آگ جو دلوں تک پہنچے گی۔ وہ ان پر بند کر دی جائے گی، اونچے اونچے ستونوں میں (الہزمہ ۱-۹) کسی سے اختلاف ہو تو آدمی اس کو ذلیل سے رد کر سکتا ہے۔ مگر یہ درست نہیں کہ آدمی اس پر عیب لگائے۔ اس کو بدنام کرے۔ اس کو الزام تراشی کا نشانہ بنائے۔ پہلی بات جائز ہے مگر دوسری بات سراسر ناجائز۔

جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ اس لئے کرتے ہیں کہ وہ دیکھتے ہیں کہ ان کی دنیوی حیثیت محفوظ و مستحکم ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دوسرے شخص پر بے بنیاد الزام لگانے سے ان کا اپنا کچھ بگڑنے والا نہیں۔ مگر یہ صرف نادانی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنا آگ کے گڑھے میں چھلانگ لگانا ہے۔ ایسا آگ کا گڑھا جس سے نکلنے کی کوئی سبیل ان کے لئے نہ ہوگی۔

105-247

ہاتھی والے

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔ کیا اس نے ان کی تدبیر کو اکارت نہیں کر دیا۔ اور ان پر چڑیاں بھیجیں جھنڈ کی جھنڈ۔ جو ان پر پتھر کی کنکریاں پھینکتے تھے۔ پھر اللہ نے ان کو کھائے ہوئے بھس کی طرح کر دیا۔ (الفیل ۱-۵)

اگرچہ چھٹی صدی عیسوی میں جنوبی عرب کا ایک مسیحی حبشی حکمراں تھا۔ اس نے مذہبی جنون کے تحت ۵۷۰ء میں مکہ پر حملہ کیا تاکہ کعبہ کو ڈھا کر ختم کر دے۔ اس کے ساتھ ساٹھ ہزار آدمیوں کا لشکر تھا جس میں تقریباً ایک درجن ہاتھی بھی شامل تھے۔ اسی بنا پر وہ لوگ اصحابِ فیل (ہاتھی والے) کہے گئے۔ جب یہ لوگ مکہ کے قریب پہنچے تو ہاتھیوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ اسی کے ساتھ پرندوں کے جھنڈ آئے جن کی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں تھیں۔ انہوں نے یہ کنکریاں اگرچہ کے لشکر پر گرائیں تو سارا لشکر عجیب و غریب قسم کی بیماری میں مبتلا ہو گیا اور ہر اکروا پس بھاگا۔ مگر اگرچہ سمیت اس کے بیشتر افراد راستہ ہی میں ہلاک ہو گئے۔

یہ واقعہ عین اس سال پیش آیا۔ جس سال رسول اللہ ﷺ کی پیدائش ہوئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مظاہرہ تھا کہ پیغمبر اسلام کو خصوصی غلبہ کی نسبت دی گئی ہے۔ آپ کے ساتھ یا آپ کے دین کے ساتھ جو بھی لگرائے گا وہ لازماً مغلوب ہو کر رہ جائے گا۔

106-248

### قریش کی مثال

اس واسطے کہ قریش مانوس ہوئے، جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس۔ تو ان کو چاہئے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانا دیا اور خوف سے ان کو امن دیا (قریش ۱-۴) قریش ایک تجارتی قوم تھے۔ گرمی کے زمانہ میں ان کے تجارتی قافلے شام اور فلسطین کی طرف جاتے تھے۔ اور سردیوں کے زمانہ میں وہ لہجے تجارتی سفر کرتے تھے۔ انہیں تمہارتوں پر ان کی معاشیات کا انحصار تھا۔ قدیم زمانہ میں جب کہ تاجروں کو لو شام تھا، قریش کے قافلے راستہ میں لوٹنے نہیں جاتے تھے۔ اس کی وجہ کعبہ سے ان کا تعلق تھا۔ قریش کعبہ کے خدام اور متولی تھے اور لوگوں کے ذہنوں پر چون کہ کعبہ کا بہت زیادہ احترام تھا اس لئے وہ کعبہ کے خادموں اور متولیوں کا بھی احترام کرتے تھے اور اس بنا پر وہ ان کو لوٹتے نہ تھے۔

یہاں حکمت و دعوت کے تحت قریش کو یہ واقعہ یاد دلاتے ہوئے انہیں اسلام کی طرف بلایا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ بڑی ناشکری کی بات ہوگی کہ تم نسبت اللہ کے دنیوی ناکہے تو حاصل کرو، اور اس سے وابستہ ہونے کی جو دہنی ذمہ داریاں ہیں ان کو پورا نہ کرو۔ جو خدا انسان کو مادی ناکہے پہنچاتا ہے اسی خدا کی اس کو عبادت بھی کرتا ہے۔

107-249

### آخرت سے بے خونی

کیا تم نے دیکھا اس شخص کو جو انصاف کے دن کو جھٹلاتا ہے۔ وہی ہے جو جہنم کو دھکے دیتا ہے۔ اور زمین کا کھانا دینے پر نہیں اہم کرتا۔ پس جاہلی زمانہ سے لے کر جاہلی زمانہ سے

غافل ہیں۔ وہ جو دکھلاوا کرتے ہیں۔ اور معمولی ضرورت کی چیزیں بھی نہیں دیتے (الماعون ۱۷)۔ آخرت کی پکڑ کا یقین آدمی کو نیک عمل بناتا ہے۔ جس آدمی کے اندر آخرت کی پکڑ کا یقین نہ رہے وہ نیکی کی ہر بات سے خالی رہے گا۔ وہ اللہ کی عبادت گزار سے غافل ہو جائے گا۔ وہ بے زور آدمی کو دھکا دینے میں بھی نہیں شرمائے گا۔ وہ غریبوں کے حقوق ادا کرنے کی ضرورت نہیں سمجھے گا۔ حتیٰ کہ وہ لوگوں کو ایسی چیز دینے کا بھی روادار نہ ہو گا جس کے دینے میں اس کا کوئی حقیقی نقصان نہیں، خواہ وہ دیاسلانی کی ایک ڈبیہ ہو یا کسی کے حق میں خیر خواہی کا ایک بول۔

108-250

بڑی کامیابی

ہم نے تم کو کوثر دے دیا۔ پس اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ بے شک تمہارا دشمن ہی بے نام و نشان ہے (الکوثر ۱-۳)

رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم بے آمیز حق کی دعوت لے کر اٹھے تھے۔ اس قسم کا کام موجودہ دنیا کا سب سے زیادہ مشکل کام ہے۔ چنانچہ آپ کو اس دعوت کی راہ میں اپنی ہر چیز کھودینی پڑی۔ آپ اپنی قوم سے کٹ گئے۔ آپ کی معاشی زندگی برباد ہو گئی۔ آپ کی اولاد کا مستقبل تاریک ہو گیا۔ تھوڑے لوگوں کے سوا کسی نے آپ کا ساتھ نہیں دیا۔ مگر انہیں حوصلہ شکن حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خیر اتاری کہ تم کو ہم نے کوثر (خیر کثیر) کو دیا۔ یعنی ہر قسم کی اعلیٰ ترین کامیابی۔ قرآن کی یہ پیشین گوئی بعد کے سالوں میں کامل طور پر پوری ہوئی۔

یہی وعدہ درجہ بدرجہ پیغمبر اسلام کے امتیوں سے بھی ہے۔ ان کے لئے بھی ”خیر کثیر“ ہے۔ بشرطیکہ وہ اس خالص دین کو لے کر اٹھیں جس کو پیغمبر اسلام اور آپ کے اصحاب لے کر اٹھے تھے۔ اس خیر کثیر کا تعلق دنیا سے لے کر آخرت تک ہے، وہ کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ ایک صالح مشن اگر اپنے ابتدائی مرحلہ میں کسپہری کی حالت میں ہو تو اس سے یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ وہ ہمیشہ اسی حال میں رہے گا۔ صالح مشن کو ہمیشہ اللہ کی تائید ملتی ہے۔ آخر کار وہ کامیاب ہو کر

رہتا ہے، خواہ اپنے ابتدائی دور میں وہ بظاہر ناکام نظر آتا ہو۔

109-251

مکمل دعوت

کہو کہ اے منکر، میں ان کی عبادت نہیں کروں گا جن کی عبادت تم کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔ اور میں ان کی عبادت کرنے والا نہیں جن کی عبادت تم نے کی ہے۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین (الکافرون - ۶)

یہ سورہ مکہ کے آخری زمانہ میں اتری۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداءً ایک عرصہ تک ”اے میری قوم“ کے لفظ سے لوگوں کو پکارتے رہے۔ مگر جب اتمام حجت کے باوجود انہوں نے نہ مانا تو ان کو ایہا الکافرون (اے انکار کرنے والوں) کے لفظ سے خطاب کیا گیا۔ اس امر حلہ میں یہ فقرہ دراصل کلمہ برأت ہے نہ کہ کلمہ دعوت۔ یہ دعوت کے اسلوب کو نہیں بتاتا بلکہ صرف اس آخری اعلان کو بتاتا ہے جو دعویٰ مکمل دعوت کے بعد کرتا ہے۔

میرے لئے میرا دین، تمہارے لئے تمہارا دین۔ یہ دوسروں کے دین کی تصدیق نہیں۔ یہ ایک طرف اپنے حق پر جے رہنے کا آخری اظہار ہے۔ اور دوسری طرف وہ مخاطب کی اس حالت کا اعلان ہے کہ تم اب ضد کی اس آخری حد پر آگئے ہو جہاں سے کوئی شخص کبھی نہیں پلٹتا۔

110-252

خدا کی فتح

جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح اور تم دیکھو گے کہ لوگ خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں فوج در فوج۔ تو اپنے رب کی تسبیح کرو اس کی حمد کے ساتھ اور اس سے بخشش مانگو، بے شک وہ معاف کرنے والا ہے (النصر - ۳)

الشیکی وہ مدد جس کا نام فتح ہے، وہ ہمیشہ دعوت کی راہ سے آتی ہے۔ لوگوں کا جوق در جوق دین

خدا کے دائرے میں داخل ہونا، یہی اللہ کی سب سے بڑی مدد ہے۔ اور اسی راہ سے اہل دین فتح و غلبہ کی منزل تک پہنچتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے آخری زمانہ (۹-۱۰ھ) میں وہ حالات پیدا ہوئے جب کہ لوگ بہت بڑی تعداد میں خدا کے دین میں داخل ہو گئے۔ اور اس کے ذریعہ فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔ مومن کی فتح اس کے احساسِ جز میں اضافہ کرتی ہے۔ وہ اپنے بظاہر صحیح کام پر بھی خدا سے معافی مانگتا ہے۔ وہ بظاہر اپنی کوششوں سے ملنے والی کامیابی کو بھی خدا کے خاندہ میں ڈال دیتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com III-253

ایک کردار

ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ چائیں اور وہ برباد ہو جائے۔ نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ وہ جو اس نے کمایا۔ وہ عنقریب بجز آگ میں پڑے گا۔ اور اس کی بیوی بھی جو ایندھن لئے پھرتی ہے سر پر۔ اس کی گردن میں رسی ہے مٹی ہوئی (لہب ۱-۵)

”ابولہب“ ایک اعتبار سے ایک شخص کا نام ہے، اور دوسرے اعتبار سے وہ ایک مخصوص کردار ہے۔ ابولہب دعوتِ حق کی مخالفت کرنے والے اس انسان کی ایک تاریخی علامت ہے جو کینہ پن کی حد تک اس کا دشمن بن جائے۔ اس کردار سے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سابقہ پیش آیا۔ اسی طرح آپ کی امت کے دوسرے داعیوں کو بھی اس سے سابقہ پیش آسکتا ہے۔ تاہم اگر داعی حقیقی معنوں میں اللہ کے لئے اٹھا ہے تو اللہ کی مدد اس کا ساتھ دے گی۔ ابولہب جیسے لوگوں کی معاندانہ کوششیں اللہ کی مدد سے بے اثر ہو جائیں گی۔ اپنے تمام ذرائع اور وسائل کے باوجود وہ برباد ہو کر رہ جائے گا۔ وہ اپنے عماد میں خود جلتے گا۔ وہ خدا کے داعی کو جس پرے انجام تک پہنچانا چاہتا تھا وہیں وہ خود ابدی طور پر پہنچا دیا جائے گا۔

112-254

اخلاص

کہو وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد۔ اور کوئی

اس کے برابر کا نہیں۔ (الاغلام۔ ۴)

یہ سورہ توحید کی سورہ ہے۔ اس میں خدا کے تصور کو ان تمام آمیزشوں سے الگ کر کے پیش کیا گیا ہے جس میں ہر زمانہ کا انسان جتلا رہا ہے۔ خدا کئی نہیں، خدا صرف ایک ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ وہ بذات خود ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ اس سے بلند ہے کہ انسانوں کی طرح وہ کسی کی اولاد ہو یا اس کی کوئی اولاد ہو۔ وہ ایسی یکتا ذات ہے جس کا کسی بھی اعتبار سے کوئی مثل اور برابر نہیں۔

113-255

اللہ کی پناہ مانگنا

کہو۔ میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی۔ ہر چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی۔ اور تاریکی کے شر سے جب کہ وہ چھا جائے۔ اور گرہوں میں پھونک مارنے والوں کے شر سے اور حاسد کے شر سے جب کہ وہ حسد کرے۔ (العلق۔ ۵)

اللہ وہ ہے جو رات کی تاریکی کو چھا کر اس کے اندر سے صبح کی روشنی نکالتا ہے۔ یہی خدا ایسا کر سکتا ہے کہ وہ آفتوں کے سیاہ بادل کو انسان سے ہٹائے اور اس کو عالیت کے اچالے میں لے آئے۔

موجودہ دنیا امتحان کی مصلحت کے تحت بنائی گئی ہے۔ اس لئے یہاں خیر کے ساتھ شر بھی شامل ہے۔ اس لئے شر سے بچنے کے تدبیر صرف یہ ہے کہ آدمی اس کے مقابلہ میں اللہ کی پناہ حاصل کرے۔ یہ شر بہت قسم کے ہیں۔ مثلاً وہ شر جو بد باطن لوگ رات کی تاریکی میں کرتے ہیں۔ جادو کرنے والے لوگ جو اکثر گرہوں میں پھونک مار کر جادو کا عمل کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جو کسی کو اچھے حال میں دیکھ کر جلن میں مبتلا ہو جائیں اور اس کو اپنی حاسدانہ کارروائیوں کا شکار بنائیں۔ مومن کو ایسے تمام لوگوں سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔ اور بلاشبہ اللہ ہی یہ طاقت رکھتا ہے کہ شر کی تمام قسموں سے انسان کو پناہ دے سکے۔

## شیطان کا فتنہ

کہو، میں پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے رب کی، لوگوں کے بادشاہ کی، لوگوں کے معبود کی۔ اس کے شر سے جو دوسرے ڈالے اور چھپ جائے۔ جو لوگوں کے دلوں میں دوسرے ڈالتا ہے، جن میں سے اور انسان میں سے۔ (الناس ۱-۶)

انسان ایک عاجز مخلوق ہے۔ اس کو لازمی طور پر پناہ کی ضرورت ہے۔ یہ پناہ اس کو ایک خدا کے سوا کوئی اور نہیں دے سکتا۔ خدا ہی تمام انسانوں کا رب ہے، وہی لوگوں کا بادشاہ ہے، وہی لوگوں کا معبود ہے۔ پھر اس کے سوا کون ہے جو شر اور فتنہ کے مقابلہ میں لوگوں کا سہارا ہے۔

سب سے زیادہ خطرناک فتنہ جس سے انسان کو خدا کی پناہ مانگنی چاہئے وہ شیطان ہے۔ وہ سب سے زیادہ خطرناک اس لئے ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی اصل حیثیت کو چھپاتا ہے۔ اور پر فریب تدبیروں سے انسان کو بہکا تا ہے۔ اس لئے شیطان کے فتنوں سے وہی شخص بچ سکتا ہے۔ جو بہت زیادہ باہوش ہو۔ جس کو اللہ بنے وہ سمجھ دی ہو جس کے ذریعہ وہ حق اور ناحق میں تمیز کر سکے۔ وہ سمجھ سکے کہ کون سی بات حقیقی بات ہے اور کون سی بات وہ ہے جو حقیقی بات نہیں۔ یہ دوسرے انداز کی کرنے والے صرف معروف شیاطین ہی نہیں ہیں۔ انسانوں میں بھی ایسے شیطان نما لوگ ہیں جو مصنوعی روپ میں سامنے آتے ہیں اور پر فریب الفاظ کے ذریعہ آدمی کے ذہن کو بھیر کر اس کو گمراہی کے راستہ پر ڈال دیتے ہیں۔

فتنوں سے خدا کی پناہ مانگنا دو طرفہ عمل ہے۔ ایک طرف یہ خدا کی عنایت کو اپنے ساتھ شامل کرنا ہے۔ اور دوسری طرف اس کا مقصد یہ ہے کہ فتنوں کے مقابلہ میں اپنے شعور کو بیدار کیا جائے تاکہ آدمی زیادہ باہوش طور پر اس کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکے۔

www.KitaboSunnat.com

